

زاد المعاد

فی

هدی خیر العباد

حصه دوم

زاد المعاد حصہ دوم

خصوصیات و فضائل پر ایک طائرانہ نگاہ

زاد المعاد کا حصہ دوئم اب آپ کے پیش نظر ہے۔

پہلے حصہ پر اس کے آغاز میں نقد و نظر کا فریضہ انجام دے چکا ہوں۔ ضروری ہے۔ کہ دوسرا حصہ شروع کرنے سے پہلے اس کے مقاصد و مطالب اور مسائل و مباحث پر بھی ایک سرسری نظر ڈال لی جائے تاکہ قارئین کرام اس کی اہمیت و عظمت کا قرار واقعی احساس کر سکیں۔

جیسا کہ میں پہلے حصہ کے آغاز میں عرض کر چکا ہوں، سیرت نبوی پر عربی میں اور دوسری زبانوں میں بہت سی کتابیں پوری شان تحقیق و تدقیق کے ساتھ لکھی جا چکی ہیں لیکن زاد المعاد کی یکتائی آج تک قائم ہے اور شاید ہمیشہ قائم رہے گی۔

اس کا سبب کیا ہے؟

بات یہ نہیں ہے کہ زاد المعاد کوئی ایسی کتاب ہے جس کا ہر حرف، حرف آفر کی حیثیت رکھتا ہے، جو رائے ظاہر کی گئی ہے، جس نتیجہ پر پہنچا گیا ہے، جن تاثرات کا اظہار کیا گیا ہے، جن انحراف و خیالات کو پیش کیا گیا ہے، اختلافی اور نزاعی مسائل میں جس ترجیح و توفیق سے کام لیا گیا ہے، تضعیف و توثیق کے سلسلہ میں خواہ وہ روایات سے متعلق ہو۔ یا اسناد سے یا رواۃ سے جو مسلک اختیار کیا گیا ہے دوسرے فقہی مذاہب کے

مہناج پر مدح و قدح کا جو انداز اختیار کیا گیا ہے وہ ہر لغزش سے پاک ہے۔ اس کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں وہ ”وجف القلم“ کا مصداق ہے۔ یہ بات تو قرآن کریم کے سوا کسی کتاب کے لئے نہیں کہی جاسکتی۔

خدا کی بات تو دوسری ہے ورنہ انسان کتنی ہی نیک نیتی، خلوص، جان کا ہی اور تحقیق و محنت سے کوئی ذہنی، فکری، یا علمی کارنامہ انجام دے۔ اس کے بعض پہلوؤں پر بہر حال بحث و گفتگو ہو سکتی ہے۔ مدح و قدح کا سلسلہ قائم کیا جاسکتا ہے، دلائل و براہین بنیاد پر اختلاف کیا جاسکتا ہے۔ زاد المعاد بھی اس اصول سے مستثنیٰ نہیں ہے، وہ بھی ایک آدمی کی لکھی ہوئی کتاب ہے، اور آدمی کتنا ہی اونچا، کتنا ہی بڑا، کتنا ہی با عظمت ہو، اس سے چوک بھی ہو سکتی ہے، لغزش فکر و خیال بھی، اس کے دلائل کہیں کمزور بھی ہو سکتے ہیں۔ اس کے نکالے ہوئے نتائج محل نظر بھی نظر قرار دیئے جاسکتے ہیں، اور اس کے فیصلوں کو تنقید کی کسوٹی پر کسا بھی جاسکتا ہے۔ لہذا اگر یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ کتاب از اول تا آخر ایک ایسا صحیفہ ہے جس میں نہ کہیں لغزش ہے، نہ کوتاہی نہ خط، تو یہ مبالغہ ہوگا، یہ ایک دلچسپ دعویٰ تو ضرور ہوگا لیکن علم کی بارگاہ میں اس کی پذیرائی مشکل ہی سے ہو سکے گی۔ لیکن اس کے باوجود، بشری کمزوریوں، اور لغزشوں کے باوجود، یہ کتاب، اپنی عظمت اہمیت اور افادیت کے اعتبار سے یکتا اور بے ہمتا ہے۔

لیکن اس کے یکتائی کا سبب؟

سبب یہ ہے کہ یہ پہلی اور آخری کتاب ہے جس میں پوری جامعیت کے ساتھ، پوری تحقیق کے ساتھ اور پوری ثروف نگاہی کے ساتھ خیر العباد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و افعال، آپ کی گفتار کردار، اور آپ کے اسوۂ حسنہ اور سیرت طیبہ کے تمام گوشوں کی جزئی استقصاء کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے۔ اس کتاب کی یہ وہ خصوصیت ہے جو اس موضوع پر لکھی ہوئی کسی دوسری کتاب میں ہرگز نہیں ملتی۔

اردو زبان میں مولانا شبلی اور علامہ سید سلیمان ندوی مغفور نے سیرت النبی کے نام سے جو بلند پایہ اور ضخیم جلدات تالیف کئے ہیں بلاشبہ وہ بے مثال ہے۔ خود ام الالسنہ

بھی اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور قاصر ہے، پھر بھی جزئیات تک کی وہ تفصیل، حیات نبویؐ کے ایک ایک پہلو سے متعلق از ولادت تا وفات و دبامع معلومات آپ سے متعلقہ تمام عنوانات پر وہ سیر حاصل بحث و گفتگو جو اس کتاب میں ہے قطعاً کسی دوسری کتاب میں نہیں مل سکتی۔

اس کتاب کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ تاریخ نہیں ہے، یہ سوانح عمری نہیں ہے اس لئے کہ اس میں وہ تراش خراش اور ترتیب و تبویب نہیں ہے جو اس طرح کی کتابوں کے لئے ضروری سمجھی جاتی ہے، لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ عہد نبویؐ کی تاریخ اور سیرۃ النبیؐ کا ماخذ اس سے بہتر، اس سے بڑھ کر جامع و مانع، اور عاقل و دل کوئی اور نہیں مل سکتا، اس موضوع، جمیل و سیرجیب بھی خامہ فرسائی کی جائے گی، اس وادی میں جب بھی قدم رکھا جائے گا، تو ممکن نہیں کہ اس کتاب سے استفادہ نہ کیا جائے۔ متعدد مواقع پر اس کا حوالہ نہ دیا جائے۔ اس سے دامن بچا کر، اور اسے نظر انداز کر کے اس موضوع پر کوئی مستند اور قابل مطالعہ کتاب لکھی ہی نہیں جاسکتی اس کتاب کی یہی وہ خصوصیات ہے جس نے اسے زیر بحث موضوع سے متعلق تمام کتابوں کا سرتاج بنا دیا ہے، اور اس میں عظمت کے آگے ہر زمانہ اور ہر دور کے لوگ ادب سے سر جھکاتے رہے ہیں۔ اور ہمیشہ جھکاتے رہیں گے۔

کاروان شوق را او منزل است

ماہمہ یک مشیت خاکیم او دل است

مسائل و مباحث کتاب

حصہ دوم کے مسائل و مباحث کا اجمالی جائزہ

اب مختصر طور پر اس حصہ کے مسائل و مباحث پر میں گفتگو کروں گا۔
اس حصہ کے مسائل و مباحث کا اگر جائزہ لیا جائے تو چار قسموں پر انہیں منقسم کہا جا

سکتا ہے۔

۱۔ فقہی مسائل از قبیل عقیدہ وغیرہ۔

۲۔ مجاہدات و غزوات۔

۳۔ اذکار و ادعیہ ماثورہ۔

۴۔ تاریخی واقعات اور ان کی ضروری تفصیل۔

اب ہم ان میں سے ہر ایک پر الگ الگ اجمالی طور پر گفتگو کریں گے۔

(۱) فقہی مسائل میں جن امور پر مصنف علام نے گفتگو کی ہے ان میں رسم عقیدہ کا ذکر ہے،

نومولود کے کان میں اذان کہنے کا مسئلہ ہے، کھانا کھانے کے سلسلہ میں آپ کے عادات طیبہ

اور اس سے متفرع مسائل ہیں، سلام کرنا، کسی کے گھر میں داخل ہونے سے پہلے اجازت

طلب کرنا، پھینک کا جواب دینا، آداب سفر، فال، خواب، وسواس، اذان و جہاد کی شریعت۔

بیعت و جہاد کے آداب، اسیران جنگ کے ساتھ سلوک، جاسوسوں کے ساتھ برتاؤ،

غلاموں کے ساتھ طرز عمل، دشمن کے ساتھ صلح و امان کا مسئلہ، جزیہ، اہل کتاب اور منافقین کے ساتھ معاملہ جزیہ لینے میں آنحضرت کا معمول اور اصول، نماز خوف، نزل آریہ تیمم، توکل اور توسل، نکاح متعہ کی اجازت اور ممانعت، مسئلہ حضانت - وغیرہ وغیرہ۔ گو فقہی مسائل و مباحث سے متعلق زیادہ تر گفتگو حصہ اول میں کی گئی ہے، لیکن اس دوسرے حصہ میں بھی جو فقہی مباحث و مسائل آگئے ہیں وہ غیر معمولی طور پر اہم ہیں، اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی سے گہرے طور پر مربوط ہیں، یہ وہ مسائل ہیں جن سے واقفیت ہر مسلمان کے لئے ضروری اور لابدی ہے۔ ان مسائل پر مصنف علام نے تحقیق و تدقیق کے ذریعہ بہا دیئے ہیں۔

(۲) مجاہدات و غزوات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بھی اس حصہ میں کافی مواد موجود ہے اگرچہ اس میں جملہ غزوات کا ذکر نہیں آیا ہے، کچھ کا اس میں ہے کچھ کا بعد کے حصے میں لیکن جو کچھ ہے وہ تاریخ جہاد کی ایک نہایت اہم اور ناقابل فراموش کٹری ہے۔ اس حصہ میں جس غزوات اور سرایات کا ذکر آیا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) غزوہ بدر، اور ضروری مسائل

(۲) غزوہ احد اور اس کے اہم واقعات

(۳) غزوہ ذات الرقاع

(۴) غزوہ دومتہ الجندل والمرسیح،

(۵) غزوہ خندق اور اس کی تاریخی عظمت و اہمیت -

(۶) غزوہ نبی لحيان،

(۷) سریة یمنہ

(۸) غزوہ نمابہ

(۹) سریة زید بن عارض -

(۱۰) قصہ صعبیہ اور متعلقہ احکام

(۱۱) غزوہ خیبر اور متعلقہ احکام

(۱۲) غزوة مورتہ،

(۱۳) غزوة ذات السلاسل

(۱۴) سریتہ نبطہ، اور متعلقہ احکام

(۱۵) فتح مکہ معظمہ کہ یہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔

(۱۶) سریتہ خالد

(۱۷) فتح مکہ سے متعلق احکام و مسائل

(۱۸) غزوة حنین۔

(۱۹) غزوة طائف اور متعلقہ احکام

(۲۰) ۹ھ کے بعوث و سراپا۔ وغیرہ وغیرہ۔

غزوات و سراپا کے سلسلہ میں مصنف علام نے فکر انگیز گفتگو کی ہے اور اپنی طرف سے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے، کوئی گوشہ اور کوئی پہلو بھی تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ گو بعض مقامات نتائج و تاثرات کے اعتبار سے محل گفتگو ضرور ہیں، لیکن مجموعی طور پر جو مواد پیش کیا ہے وہ حد درجہ بصیرت افروز اور روح پرور ہے اور کسی اہل قلم کے لیے بھی اس سے استفادہ کئے بغیر قلم فرسائی ممکن نہیں۔

(۲۱) اس حصہ میں بھی پہلے حصہ کی اذکار و ادعیہ ماثورہ پوری تفصیل اور جامعیت کے ساتھ موجود ہیں۔

پہلے مصنف نے آپ کے اذکار کا اصول اور طریق بتا دیا ہے۔ اس کے بعد جن اذکار پر روشنی ڈالی ہے وہ یہ ہیں:

اذکار و سنو، ذکر و اجابت۔ اذکار سفر، اذکار نکاح وغیرہ

یہ وہ اذکار و ادعیہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ماثور اور منقول ہیں اس لیے ان کی اثر آفرینی، اور ان کی دینی عظمت و اہمیت شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ ان پر عمل کرنا اور انہیں اپنا معمول بنانا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے۔

ان اذکار کی تحقیق میں مصنف علام نے کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا ہے اور یہاں

کہیں سے بھی مستند طور پر جو چیز مل گئی ہے اسے لے لیا ہے اور اگر ضرورت سمجھی ہے تو جرح و تعدیل سے کام لیا ہے۔

(۴) اس حصہ کے مباحث میں تاریخی واقعات بھی زیر گفتگو آئے ہیں۔ یہ واقعات تاریخ اسلام میں غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے واقعات ہیں جو دوسرے مکتب خیال کے مورخین کے ہاں عرصہ سے نزاع و اختلاف کا مرکز بن چکے آ رہے ہیں۔ وہ بھی جن پر مستشرقین فرنگ نے جولائی طبع کا مظاہرہ کیا ہے۔ یہ تاریخی واقعات اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہمہ پہلو ہیں، یعنی ان کے ذکر کے سلسلہ میں فقہ، حدیث، قرآن، تاریخ، کلام، نقد و جرح سب ہی سے مصنف کو کام لینا پڑا ہے، اور حق یہ ہے کہ انہوں نے واقعات کے استقصا اور ان پر بے لاگ محاکمہ میں پوری دیانت فکر سے کام لیا ہے۔

جن تاریخی واقعات کا ذکر اجمالاً یا تفصیلاً اس حصہ میں ملتا ہے وہ یہ ہیں :

- جن لوگوں نے قبول اسلام میں پیش قدمی کی اور سب سے پہلے قبول اسلام کی سعادت حاصل کی، ان کا ذکر بھی اس حصہ میں ملے گا۔
- حبشہ کی طرف جو پہلی ہجرت ہوئی تھی وہ تاریخ اسلام کا نہایت اثر انگیز ورق ہے۔ اور یہ پوری جامعیت کے ساتھ موجود ہے۔

- معراج نبوی، مع اپنی تمام ضروری اداہم تفصیلات اور جزئیات کے۔
- مدینہ کی طرف پہلی ہجرت کی داستان،
- مکہ مکرمہ میں پہلے پہل انصار کی ایک مختصر سی جماعت کے قبول اسلام کا واقعہ۔

- دارالندوہ میں مشرکین مکہ کا اس غرض سے اجتماع کہ آپ کو قتل کر دیا جائے تاکہ دعوت و تبلیغ اسلام کا سلسلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، اس مبحث پر مصنف نے کافی مواد پیش کیا ہے۔

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ کی طرف ہجرت اور تشریف آوری

اور اس سلسلہ میں ضروری تاریخ کی معلومات۔

• مسجد نبوی کی تاسیس و تعمیر کا مرحلہ، ایک نئے شہر میں خدا کا پہلا گھر۔
• تحویل قبلہ کا مسئلہ بھی بڑا ہنگامہ خیز اور تاریخی ہے یہ درحقیقت کفر و اسلام کی کسوٹی تھا، جن کے دل کفر سے آشنا تھے وہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ کو قبلہ بننا دیکھ کر بھڑک اٹھے، جو مومن صادق تھے انہوں نے بے چون و چرا یہ حکم قبول کر لیا، اور پورے الشراح قلب کے ساتھ تحویل قبلہ کے فرمان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔

تاریخی کتابوں میں اس مسئلہ پر کافی مباحث موجود ہیں، لیکن مصنف نے جسے خوبی سے اس مسئلہ کو پیش کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

• تاریخ اکا ایک اور بہت ہی اہم مسئلہ، جو شروع سے اب تک نزاعی اور اختلاف چلا آ رہا ہے یہ ہے کہ آیا، کہ بزور قوت فتح ہوایا از روئے صلح؟ بعض پہلی صورت کے قائل ہیں، بعض دوسری کے، دونوں کے پاس دلائل ہیں اور کافی وزنی ہیں۔ اس نہایت اہم مسئلہ پر واقعات و حقائق دلائل و شواہد، اور دلائل و براہین کی روشنی میں مصنف نے جو فیصلہ کیا ہے، وہ ان کی قوت فکر و نظر کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ انہوں نے ہر دو نقطہ نظر کے حامیوں کے ساتھ دیانت برتی ہے۔ دونوں کے افکار و دلائل پیش کئے ہیں لیکن محاکمہ کرتے وقت یکسر خالی الذہن ہو کر بحث کی ہے۔ یہ ہنسی و جد ہے کہ جو کچھ انہوں نے فرمایا ہے اسے قبول کئے بغیر چارہ نہیں۔

• تاریخ اسلام کا ایک اور بہت اہم واقعہ واقعہ انک ہے، یعنی حضرت عائشہ صدیقہؓ پر بعض لوگوں کی تہمت!

اس مسئلہ پر بھی مصنف نے بڑی تحقیق کے ساتھ بحث کی ہے اور منافقین کا چہرہ بے نقاب کر دیا ہے، اور ان لوگوں کی نشان دہی کی ہے جو بر بنائے غلط فہمی تہمت کے اس حصار میں شریک تھے، لیکن پھر بھی حد

قذوف سے نہ بچ سکے۔

● کعب بن زہیر اور قصیدہ بانٹ سعاد کی حکایت بھی مصنف نے...
 مؤرخانہ کاوش، اور دیدہ رینزی کے ساتھ اپنے قارئین کے سامنے پیش کی ہے۔
 غرض مجموعی حیثیت سے یہ حصہ اپنے مباحث و مسائل کے اعتبار سے حصہ
 اول کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہم اور معرکہ آرا ہے۔

(سید) سرٹیس احمد جعفری (ندوی)



رسم عقیقہ اور اس کی مذہبی و دینی حیثیت

موٹا امام مالک کی روایت | موٹا میں مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت

کیا گیا تو آپ نے فرمایا، میں عقوق (نافرمانی) پسند نہیں کرتا۔

گویا آپ نے ”عقوق“ کے (لفظ) کو نافرمان فرمایا، اسے زید بن مسلم نے نبی صخرہ کے ایک آدمی سے اور اس نے اپنے والد سے روایت کیا ہے، ابن عبد البر کا ارشاد ہے کہ اس میں بہترین سند وہ ہے جسے عبدالرزاق نے ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہمیں داؤد بن قیس نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیقہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ میں عقوق (نافرمانی) کو پسند نہیں کرتا گویا آپ نے اس نام کو ناپسند فرمایا۔

صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں سے ایک اپنے لڑکے کی طرف سے قربانی (عقیقہ) کرنا چاہتا ہے تو؟۔۔۔

آپ نے فرمایا، اگر تم میں سے کوئی اپنے بچے کی طرف سے قربانی کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کرے اور حضرت عائشہؓ کی صحیح روایت سے لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری ثابت ہے۔

آپ نے فرمایا کہ ہر لڑکے کا اپنے عقیقہ کے رہن میں ہوتا ہے اس کی جانب سے ساتویں دن (بکری، قربانی) کی جائے۔ اس کا سر منڈایا جائے اور اس کا نام رکھ دیا

امام احمد فرماتے ہیں کہ وہ اپنے والدین کے حق میں شفاعت سے رکا ہوتا ہے اور لغت میں دہن رک جانے کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔
 ۱۔ نفس بھا کسبت رھینۃ یعنی ہر جان اپنے کماٹے ہوئے (اعمال) کی مرہون ہے اور ظاہر حدیث کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کے متعلق مرہون (رکا) ہوتا ہے۔ ہر بھلائی سے محروم ہوتا ہے۔

لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عاقبت میں اس کی وجہ سے اس پر عتاب نازل ہوگا۔ بلکہ شک عقیقہ کے باعث اس کے والدین کو فوائد حاصل نہ ہو سکے گا، اور گاہے گاہے لڑکا بھی اپنے والدین کی افراط و تفریط کے باعث ایک بھلائی کھو بیٹھتا ہے اگر کہا جائے کہ ہمام کی قتادہ سے اس روایت کا آپ جواب دیں گے کہ ”وہ خون لگایا کرتے تھے ہمام فرماتے ہیں کہ حضرت قتادہ سے معلوم کیا گیا کہ ”وہ خون لگایا کرتے تھے، اس کا مطلب ہے یعنی خون سے کیا کرتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جب عقیقہ کا جانور ذبح کیا جاتا اس میں سے تر کر لیتے پھر اسے بچے کے تالو (سر کا چوٹی کا حصہ) پر رکھا جاتا، پھر وہ اس کے سر پر بہ پڑتا۔ اس کے بعد اس کا سر دھویا جاتا اور موٹا دیا جاتا، کہتے ہیں یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے، بعض کا قول ہے یہ روایت جس نے سمرقند سے نقل کی ہے۔ حالانکہ ان کا سماع ثابت نہیں۔ بعض کہتے ہیں حدیث عقیقہ میں حسن کا سمرقند سے سماع ثابت ہے اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے اور بتاتے ہیں کہ یہ قدیم (خون بہانا) سنت ہے، یہ حضرت حسن اور قتادہ سے مروی ہے اور جنھوں نے تدمیر کو منع فرمایا ہے، جسے مالک، شافعی، احمد اور اسحاق فرماتے ہیں کہ وہ آپ تدمیر کرتے تھے، پھر روایت قطعاً غلط ہے بلکہ آپ نام رکھا کرتے۔ فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے اعمال میں سے تھا جسے اسلام نے ابو داؤد کی روایت کے مطابق جو بریدہ حبیب سے مروی ہے باطل کر دیا فرمایا کہ دور جاہلیت میں اگر ہمارے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ہم بکری ذبح کرتے اور اس کے سر پر خون مل دیتے، مگر جب اسلام آیا تو ہم بکری ذبح کرتے اور بچہ کا سر موٹا ڈالتے اور زعفران اس پر مل دیتے، کہتے ہیں کہ اگرچہ اس کے استاد

میں حسین بن واقد ہے، جس سے استدلال نہیں کیا جاتا، لیکن اس روایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس روایت سے ملایا جائے تو اس کی صحت یقینی ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ”اس (بچے) سے (اذی) تکلیف دہ چیز دور کر دو“ اور خون تکلیف دہ ہی ہوتا ہے۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ اسے اذی (تکلیف دہ) لیتھڑنے کا حکم دیتے؟ فرماتے ہیں کہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی اور ان پر خون نہیں لگایا۔ اور نہ یہ فعل آپ کی اور آپ کے صحابہؓ کی سنت ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مولود کے سر کو ناپاک کرنا آپ کی سنت ہوتی۔ سنن میں اس کی نظیر اور شہادت ہی کہاں ہے؟ بلکہ یہ تو جہلا کا کارنامہ ہو سکتا ہے۔

اگر کہا جائے کہ حسنؓ و حسینؓ کی جانب سے ایک ایک مینڈھا

امام حسنؓ اور امام حسینؓ کا عقیقہ

ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کی سنتِ طیبہ ایک بچے پر ایک ہی جا نور تھا۔ اور عبدالحق نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ سے صحیح روایت میں نقل کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حسنؓ کی طرف سے ایک مینڈھا اور حسینؓ کی طرف سے ایک مینڈھے سے عقیقہ کیا اور حضرت حسنؓ کی ولادت احد کے سال اور اس کے ایک سال بعد حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی اور ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے۔ فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسنؓ کا ایک بکری سے عقیقہ کیا۔ اور فرمایا فاطمہؓ اس کا سر منڈوا دو۔ اور اس کے بالوں کے ہم وزن چاندی خیرات کر دو۔ چنانچہ ہم نے ان کا وزن کیا جو ایک درہم یا اس سے کچھ کم تھا۔

اگرچہ یہ روایت متصل السند نہیں ہے لیکن حضرت انسؓ اور ابن عباسؓ کی روایتیں اس (کی تقویت) کے لئے کافی نہیں، فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ نسک میں سے ہے اس لیے یہ ایک سر (بچے) پر قربانی (ضحیہ) اور دم تمتع کے

برابر ہی واجب ہوگا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری کی روایات کئی وجوہ کی بنا پر زیادہ قابل عمل ہیں۔ ایک سبب تو کثرتِ رواقہ ہے کیونکہ ان لاویوں میں سے حضرت عائشہؓ۔ عبد اللہ بن عمروؓ۔ ام کرز کعبیہؓ اور اسماءؓ ہیں اور ابو داؤد نے کمرز سے روایت کیا، فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ ”لڑکے کی جانب سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کافی ہے۔“

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد کو فرماتے سنا کہ ”مکانیتان“ رکافی کا مطلب

برابر یا مساوی ہے۔

دوسرے یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فعل ہے اور دو بکریاں کے متعلق آپ

کا قول ہے، قول عام ہوتا ہے اور فعل میں اختصاص کا امکان بھی ہوتا ہے۔

تیسرے یہ روایت زدیاتی زبکی کی متضمن ہے۔ اس لیے اس پر عمل کرنا اولیٰ ہے

چونکہ فعل کا مطلب جواز محض کا ہو سکتا ہے۔ اور قول استحباب پر دلالت

کرتا ہے۔ اب چونکہ دونوں پر عمل کرنا ممکن ہے۔ اس لیے ایک ترک کر دینے کی

کوئی وجہ نظر نہیں آتی۔

پانچویں حضرت حسن و حسینؓ کی جانب سے قربانی کرنا اور اس کے بعد ولے سال

کا واقعہ ہے۔

چھٹے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر فضیلت بخشی جیسا حق تعالیٰ نے فرمایا:

ولیس الذکر کالانثی، یعنی اور نر مادہ کی طرح نہیں، اس امتیاز کا تقاضا یہ

ہے کہ احکام میں بھی ایسا ہی امتیاز عطا کیا ہے۔ اسی طرح عقیدہ کو انہی احکام کے

ساتھ منسلک کر دیا گیا۔

ساتویں عقیدہ مولود کے عتق سے مشابہ ہے کیونکہ (مولود) عقیدہ سے مرہون

ہوتا ہے اور اس کا ادا کرنا ہی اس کو توڑنا اور مولود کے عتق (آزادی) کا سبب بنتا

ہے اس لیے اولیٰ یہ ہے کہ لڑکے کا دو بکریوں اور لڑکی کا ایک بکری سے عقیدہ

کیا جائے، جس طرح دو عورتوں کا عتق ایک مرد کے عتق کا ہم مرتبہ ہونا ہے۔
جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے فرمایا وہ جو مسلمان ایک مسلمان مرد کو آزاد کرے تو وہ آگ سے اس کو نجات
دلانے کا سبب ہوگا۔ اس کا ہر عضو ہر عضو کے بدلہ میں ہوگا۔ اور جو مسلمان عورتوں
کو آزاد کرے۔ وہ دونوں اس کے آگ سے نجات کا سبب ہوں گی اس طرح کہ
ان ہر دو کا عضو اس کے حصہ بدن کے بدلہ میں ہوگا، اور جو مسلمان عورت کو آزاد
کرے گی وہ اس کے آگ سے نجات کا سبب بنے گی۔ اس کا ہر عضو اس کے ہر
عضو کے بدلہ میں ہوگا۔

ابوداؤد نے مراسیل میں جعفر بن محمد سے انہوں نے اپنے والد سے روایت
کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عقیدہ کے متعلق جو حضرت فالتمہ نے حضرت حسن و
حسینؑ کا کیا تھا فرمایا کہ دائی کے گھر میں ایک ٹانگ بھیج دو۔ اور خود کھاؤ اور دوسروں
کو، کھلاؤ اور اس سے ایک ہڈی نہ توڑو۔

آپ نے خود اپنی طرف سے بھی عقیدہ کیا | ابن ابی عمیر نے حضرت انسؓ سے
روایت نقل کی کہ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے اپنی طرف سے عقیدہ فرمایا جب آپ کو نبوت عطا ہو چکی ہے۔
ابوداؤد نے مسائل میں اس حدیث کے متعلق کہا ہے کہ میں نے امام احمد سے سنا
ہیشتم بن جمیل سے انہوں نے عبد اللہ بن ثنی سے انہوں نے ثمامہؓ سے انہوں نے
حضرت انسؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جانب سے عقیدہ
فرمایا۔ احمد فرماتے ہیں کہ عبد اللہ بن محرز نے قتادہؓ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے
روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کی طرف سے عقیدہ کیا۔ احمد فرماتے
ہیں کہ یہ منکر روایت ہے اور انہوں نے عبد اللہ بن محرز کو ضعیف قرار دیا۔

حسین رضی اللہ عنہما کے کان میں آپ نے اذان دی ہے | ابو داؤد نے حضرت

ابو رافعؓ سے روایت کیا فرمایا کہ میں نے نبی اکرمؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب حضرت فاطمہؓ کے گھر میں حسنؓ بن علیؓ پیدا ہوئے تو آپ نے نماز کی طرح ان کے کان میں اذان دی۔

بچہ کا نام ساتویں دن عقیقہ کر کے رکھ دیا جائے | عقیقہ کے متعلق حضرت قتادہؓ کی حدیث میں

گزر چکا ہے جو انہوں نے حسن سے انہوں نے سمرہ سے روایت کی کہ ساتویں دن قربان کی جائے اور نام رکھ دیا جائے؛ ابو عبد اللہ نے ہمیں بتایا "حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ تیسرے (دن) اس کا نام رکھا جائے" البتہ سمرہ فرماتے ہیں، ساتویں دن نام رکھا جائے گا۔

اور ختنہ کے متعلق حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ لڑکے کا ختنہ اس وقت تک نہ کرتے جب تک کہ سمجھ دار نہ ہو جاتا۔ بیہوشی فرماتے ہیں کہ میں نے احمدؓ کو فرماتے سنا کہ حضرت حسنؓ ناپسند کرتے تھے کہ بچے ساتویں دن ختنہ بٹھایا جائے۔ اور سنبلؓ فرماتے ہیں کہ ابو عبد اللہ نے فرمایا کہ اگر ساتویں دن ختنہ بٹھایا، تو اس میں کوئی حرج نہیں، البتہ حضرت حسن نے اسے یہود کی مشابہت کے باعث مکروہ سمجھا ہے حالانکہ اس میں ایسی کچھ بات نہیں۔

مکحول فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے حضرت اسحاق علیہ السلام کا ساتویں دن ختنہ کیا اور اسماعیل علیہ السلام کا تیرھویں سال ختنہ کیا۔ اسے خلیلؓ نے ذکر کیا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسحاق علیہ السلام کا ختنہ بچپن میں ہوا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ختنہ بھی بچپن میں ہوا اور نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اختلاف

گزر چکا کہ آپ کا ختنہ کب ہوا؟

(اسماء اور کنیتوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ طیبہ) نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے ذلیل اس آدمی

کانام ہے جو اپنا نام ملک الا ملک رکھتا ہے۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ملک
رہا دستاؤ نہیں۔

اور آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا وہ اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب
نام عبد اللہ اور عبد الرحمن ہیں اور سب سے زیادہ سچے عارث۔ ہمام اور سب سے
بڑے نام حرب۔ سرہ میں۔

نیز آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا، اپنے لڑکے کا نام ایسا۔ رباح بنجیح اور
افلح نہ رکھو۔ کیونکہ آپ کہیں گے کیا وہ مصلح ہے اور وہ ایسا نہ ہوگا تو جواب ہوگا کہ نہیں
نیز آپ نے عاصیہ کا نام بدل دیا اور جمیلہ رکھا پہلے حضرت جویریہؓ کا نام برہ تھا۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام بدل کر جویریہؓ رکھ دیا۔ حضرت زینب ام سلمہؓ فرماتے ہیں
کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نام رکھنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اپنے آپ کو پاکیزہ
مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیکوں کو خوب جانتا ہے۔ نیز احرم کو بدل زرعدہ۔
ابی حکم کو بدل کر ابی شریح۔ سعید کے دادا حزن نے بدل کر سہل رکھ لیا۔ آپ نے فرمایا۔
کہ سہل کو لٹاڑا جاتا ہے اور اس سے خدمت لی جاتی ہے۔

ابو داؤد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاصی۔ عزیز۔ عیلہ۔ شیطان۔ حکم
غراب۔ جناب اور شہاب کا نام بدل دیا اور ان کا نام ہشام رکھا۔ نیز آپ نے حرب
کانام مسلم رکھا۔ مفضل جمع کا مبعث۔ ارض عفرہ کانام حفرہ۔ شعب شلالہ کا شعب ہدی۔
بنو زینہ کا بنو رشیدہ اور بنی معاویہ کانام بنی رشیدہ رکھا۔

اسما معانی کے قالب ہوتے ہیں اور ان پر روشنی
اسما کا اثر شخصیت پر ڈالتے ہیں۔ پس حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ الفاظ اور

معانی کے درمیان ایک خاص ربط اور نسبت ہو اور دونوں میں اجنبیت نہ ہو کہ وہ
ایک دوسرے سے یکسر غیر متعلق ہوں، کیونکہ حکیم کی حکمت اس کو روا نہیں سمجھتی، بلکہ
واقعہ یہ ہے کہ نام کا، مسخ کی شخصیت پر ایک مخصوص اثر ہوتا ہے۔ انسان اپنے ناموں
کے حسن۔ قبح۔ ذلت و عزت، لطافت و کثافت سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔

کہ کسی شاعر نے کہا ہے :

وقل ان ابصرت عينك ذالقب الا ومعناه ان فكرت في لقبه

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اچھے نام کو پسند فرماتے تھے، آپ نے حکم دیا کہ جب کوئی قاصد آپ کی طرف بھیجا جائے تو جمیل ہو اور اچھے نام والا ہو۔ اور آپ نیند اور بیداری میں ناموں سے معافی لیتے، جیسا کہ آپ نے دیکھا کہ آپ اور صحابہؓ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں اور ابن طاب کی تر کھجوروں سے کھجوریں حاضر کی گئیں۔ آپ نے اس کی یہ تاویل بتائی کہ ان کے لیے دنیا میں عاقبت (خیر) اور آخرت میں رفعت ملے گی اور جن کو اللہ تعالیٰ نے پسند کر لیا وہ تر ہو گئے اور طاب (خوش) ہو گئے۔

اور حدیبیہ کے دن سہیل بن عمرو کے آنے سے آپ نے اس کام کو سہل سمجھنے کی تاویل فرمائی۔ اور ایک گروہ نے بکری دوہنے کا ارادہ کیا چنانچہ ایک آدمی دوہنے کے لئے اٹھا آپ نے دریافت فرمایا، تیرا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کیا مرة (تلخ)

آپ نے فرمایا، بیٹھ جا۔

دوسرا اٹھا، آپ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ راوی کہتے ہیں، میرا خیال ہے کہ

اس نے کہا میرا نام حرب ہے۔

آپ نے فرمایا، بیٹھ جا، ایک اور اٹھا، آپ نے پوچھا، تیرا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کیا یعیث (جیتا رہے گا) آپ نے دودھ دوہنے کا حکم فرمایا۔

نیز آپ برے ناموں والی جگہوں کو بھی ناپسند فرماتے اور وہاں سے گذرنے میں بھی

کراہت محسوس کرتے تھے۔

ایک بار کسی غزوہ میں دو پہاڑوں کے درمیان گذر رہے تھے۔ آپ نے ان

اچھے اچھے نام رکھنے کا حکم

کا نام دریافت فرمایا۔ عرض کیا گیا کہ ان کے نام فاضح (ذلیل کرنے والا) اور مخنی (سوا

کرنے والا) ہیں۔

آپ نے ان سے اعراض کر لیا اور ان کے درمیان سے نہ گزرے، چونکہ اسماء اور مسمی و مسمیات میں اس طرح تناسب و ارتباط ہوتا ہے، جس طرح ارواح و اجسام اور حقائق و قوالب اشیاء کے درمیان اس لیے عقل ان سے بڑھ کر دوسری طرف منتقل ہو جاتی ہے جیسے ایسا بن معاویہ وغیرہ کسی آدمی کو دیکھتے، تو فرماتے کہ اس کا نام ایسا ایسا ہونا چاہیے تھا تو وہ اس معاملہ میں غلطی پر نہ تھے۔ اس کی مثال حضرت عمر بن خطاب سے ملتی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے اس کا نام دریافت کیا۔ وہ کہنے لگا حمزہ (انگارہ)

آپ نے پوچھا، تیرے والد کا کیا نام ہے؟ کہنے لگا، شہاب آپ نے پوچھا، تیری منزل کہاں ہے؟ کہنے لگا حمزہ النار (آگ کی گرمی) میں آپ نے دریافت فرمایا کہ تیرا مسکن کہاں ہے؟ کہنے لگا ذات نطی (شعلوں والی) میں۔ آپ نے فرمایا، اچھا جا، تیرا مسکن جل گیا۔

وہ گئی تو واقعی ایسا ہی پایا، یعنی حضرت عمر نے الفاظ سے ان کے معانی و ارواح کا مطلب اخذ کیا جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثیہ کے دن سہیل کے نام سے سہولت کا مطلب لیا اور واقعی معاملہ سہولت سے طے پا گیا۔

نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی امت کو اچھے اچھے نام رکھنے حکم دیا اور بتایا کہ انہیں قیامت کے دن انہی ناموں کے ساتھ بلایا جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ اس کا یہ مطلب ہو کہ اچھے اعمال اچھے اسماء سے نسبت حاصل کر لیں۔ اچھے اور مناسب اسماء و اوصاف سے وہ بلایا ایک شہادت بن جائے۔

آپ غور کیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے احمد اور محمد کے در ناموں سے ان کے اوصاف کا کس انداز سے (عملاً) اشتقاق کیا محمد کے لفظ میں صفات محمودہ کی کثرت اور احمد کے لفظ میں دوسروں کی صفات سے افضلیت مراد ہے۔ تو اسم اپنے مسمی سے اس طرح مرتبط ہو گیا جیسے روح اور بدن کا تعلق ہونا ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا ابوہکیم بن ہشام کے لئے ابو جہل کنیت فرماتے۔ اس کی اسلام جہالت کے باعث، بالکل اوصاف روحانی کے مطابق تھا، نیز اللہ تعالیٰ نے عبد العزیز کو ابو لہب کی کنیت عطا کی، کیونکہ شعلہ خیز آگ میں جانے کے باعث وہ اس کنیت کا زیادہ مستحق تھا اور یہ کنیت اس سے زیادہ مطابقت و مدافعت رکھتی تھی۔

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عرب قبائل سے فرمایا، اے نبی عبد اللہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اور آباؤ اجداد کے اچھے نام رکھے۔ آپ دیکھئے کہ آپ نے ان کو ان کے والدین کے اچھے (عبد اللہ) سے اللہ تعالیٰ کی عبودیت کی دعوت، اور چونکہ اسم اپنے مسمیٰ کا مقتضی بلکہ اس میں موثر ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی ناموں کو پسند فرمایا، جیسے عبد اللہ اور عبد الرحمن، اپنی اصناف کے اعتبار سے دوسرے ناموں عبد القاہر اور عبد القادر سے اللہ کو زیادہ محبوب ہیں، چنانچہ عبد الرحمن عبد القادر سے زیادہ پسندیدہ اور عبد اللہ عبد الرب سے زیادہ محبوب ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ بندے اور اللہ کے درمیان محض عبودیت کا تعلق ہے۔ لیکن بندے اور رحمن کے درمیان محض رحمت کے سہارے کا تعلق ہے اس کی رحمت سے اس کا وجود قائم ہے۔ اسی کے باعث اسے پیدا کیا۔ اس وجہ سے بندہ صرف اس ذات یکتا کو محبت، خون، امید، تعظیم اور اجلال کے باعث اپنا اللہ مانتا ہے اور عبد اللہ کہلاتا ہے۔ اللہ کے لفظ کے جو معنی ہیں ان کا غیر اللہ پر اطلاق ناممکن ہے اور چونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے وہ رحمت کو اپنے غضب سے زیادہ محبوب رکھتا ہے پس عبد الرحمن کا نام عبد القاہر سے زیادہ پسندیدہ ہوا۔

انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھو | انبیاء علیہم السلام جملہ نبی آدم کے سردار ہیں کیونکہ ان کے

اخلاق تمام لوگوں کے اخلاق سے زیادہ بہتر ہوتے ہیں ان کے اعمال تمام لوگوں کے

اعمال سے زیادہ قابل شرف ہوتے ہیں ان کے اسماء بھی تمام دوسرے اسماء سے زیادہ قابل عظمت ہوتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو (انبیاء) کے اسمائے مبارکہ پر نام رکھنے کا حکم دیا، جیسا کہ سنن ابی داؤد اور نسائی نے روایت کیا۔ انبیاء علیہم السلام کے ناموں پر اپنے نام رکھو اگر ان میں دیگر مصالح نہ بھی ہوں پھر بھی ان کے اسماء سے ان سے تعلق قائم رہتا ہے دیگر یہ کہ انبیاء علیہم السلام کے اسمائے مبارکہ کی حفاظت ہوتی ہے ان کا تذکرہ جاری رہتا ہے۔ اور انھیں طاق نسیاں کی زینت نہیں بنایا جاسکتا۔ اور ان کے اسماء کے ساتھ ساتھ ان کے اوصاف و حالات کا بھی تذکرہ جاری رہتا ہے۔ لڑکے کا نام یسار، افلاج، بنیح، رباح رکھنے کی ممانعت کا سبب یہ ہے کہ مسی کا اعتقاد اور ظن ایسے ہی ہو جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنے آپ کو پاکیزہ اور پر عظمت و ذی رفعت جتانے میں ہی لگا رہتا ہے اسی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے برہ (نیک) نام رکھنے کی ممانعت فرمائی اور فرمایا کہ اپنے آپ کو پاکیزہ مت جتاؤ۔ اللہ تعالیٰ ہی تم میں سے نیک (کام کرنے والوں) کو خوب جانتا ہے۔ اسی لیے تقی متقی، مطیع، طائع، راضی، محسن، مخلص، منیب، رشید اور سدید جیسے نام رکھنا مکروہ ہے۔ اور کفار کو تو ایسے نام رکھنے کی قطعاً اجازت نہ دینی چاہیے۔ انہیں ان ناموں سے بلانا یا ان ناموں سے تذکرہ کرنا بھی ممنوع ہے اور کفار کے ایسے نام رکھنے سے اللہ تعالیٰ کا غضب بھڑک اٹھتا ہے۔

کنیت رکھنے کے آداب

آنحضرتؐ کی کنیت کو اختیار کرنے کا مسئلہ

آں حضرت کی عطا کردہ کنیتیں

کنیت رکھنا دراصل ایک طرح مکتبہ کی تعظیم و تکریم ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے

اٰكِينَهُ حَيْنَ اِنَادِيهِ لَا كَرَمَهُ وَلَا الْقَبْهَ وَالسَّوَاءَةَ اَللَّقْبَ
یعنی جب میں اسے بلاتا ہوں تو اس کے اکرام کے باعث اس کی کنیت کا ذکر کرتا ہوں
اور میں اس کا لقب ذکر نہیں کرتا اور لقب سے یاد کرنا برا ہے۔
اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صہیبؓ کو ابو یحییٰ اور علی رضی اللہ عنہ کو ابو تراب اور ابوجان
کی کنیت مرحمت فرمائی اور یہ آپ کی سب سے محبوب کنیت تھی۔
اور حضرت انس بن مالک کے بھائی جب کہ ابھی چھوٹے تھے انہیں ابو عمر کی کنیت
عطا کی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ تھی کہ آپ صاحب اولاد اور بے اولاد
سب کو کنیت عطا کرتے۔ اور ابوالقاسم کے سوا آپ سے ثابت نہیں کہ آپ نے کسی
کنیت سے منع فرمایا ہو۔

آپ کی کنیت پر کنیت نہیں رکھی جا سکتی

میرے نام پر نام رکھو، لیکن میری کنیت اختیار نہ کرو، چنانچہ اس مسئلہ میں علمائے

کرام کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ آپ کی کنیت اختیار کرنا مطلقاً ناجائز ہے۔ چاہئے آپ کے نام سے متصل رکھی جائے یا انفرادی طور پر یا آپ کی حیاتِ طیبہ میں ہو یا وفات کے بعد۔ انہوں نے اس صحیح حدیث کو عام سمجھا ہے اور بیہقی نے امام شافعی سے اسے مطلق نقل کیا ہے۔ اور منقول ہے کہ یہ کنیت اور نام بہرہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مختص تھے۔ آپ نے اس طرف اشارہ بھی کر دیا تھا کہ ”اللہ کی قسم میں نہ کسی کو حکم دیا گا اور نہ روکوں گا، بلکہ میں تو قاسم (تقسیم کرنے والا) ہوں جہاں مجھے حکم ہوتا ہے وہاں رکھنا ہوں۔“

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ یہ صفت (مخصوصہ) مکمل حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کہیں بھی نہیں ملتی۔

دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا نام و کنیت اجتماعی صورت میں ممنوع ہے۔ اگر دونوں میں سے صرف ایک اختیار کر لیا جائے تو اس میں کچھ ہرج نہیں۔

ابوداؤد نے باب من سماہی ان لا یجمع بینہما میں اسے ذکر کیا ہے۔ اور ابو زبیر کی حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے میرا نام رکھا وہ میری کنیت اختیار نہ کرے۔ اور جو میری کنیت اختیار کرے وہ میرا نام نہ رکھے۔ ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے نیز ترمذی نے محمد بن عجلان سے نقل کیا۔ انہوں نے اپنے والد سے انہوں نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا اور ترمذی نے اسے صحیح بتایا۔ الفاظ یہ ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نام اور کنیت کو جمع کرنے یعنی محمد ابوالقاسم نام رکھنے سے منع فرمایا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ دونوں میں جمع کرنا جائز ہے۔ یہ مالک سے منقول ہے۔ انہوں نے ابوداؤد اور ترمذی کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے جو محمد بن حنیفہؓ سے انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپ کے بعد میرے گھر میں کوئی لڑکا ہو تو میں آپ کا نام رکھوں گا اور اسے آپ

کی کنیت دوں گا۔

آپ نے فرمایا، ہاں! ترمذی نے اسے صحیح بتایا ہے اور سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے ہاں لڑکا تولد ہوا میں نے اس کا نام محمد رکھا اور اسے آپ کی کنیت ابو القاسم، دی پھر مجھے بتایا گیا ہے کہ آپ اسے ناپسند فرماتے ہیں۔ آپ نے جواب دیا کہ کس نے میرا نام جائز کیا اور کنیت حرام کر دی؟ یا فرمایا، کہ کس نے میری کنیت حرام کر دی اور نام حلال (جائز) کر دیا (یہ علماء) فرماتے کہ ممانعت کی آحاد ان دو روایتوں سے منسوخ ہو چکی ہیں۔

جو تھا قول یہ ہے کہ آپ کی حیات طیبہ میں ابو القاسم کی کنیت اختیار کرنا ممنوع تھا، اور وفات کے بعد جائز ہے، کہتے ہیں کہ ممانعت کا سبب آپ کی حیات سے مخصوص تھا، جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے بقیع میں ”اے ابو القاسم“ آواز دی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرف متوجہ ہوئے۔

اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرا مطلب آپ نہ تھے، بلکہ میں نے فلاں کو بلایا تھا۔

آپ نے فرمایا، میرا نام رکھو اور میری کنیت نہ رکھو۔

اور (علمائے کرام) فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت کا مطلب یہ ہے، کہ انہوں نے اس بچہ کے بارے میں پوچھا تھا جو آپ کے بعد پیدا ہو، اس کے بارے میں نہیں جو آپ کی زندگی میں پیدا ہوا۔ نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا ”یہ صرف میرے لیے رخصت تھی۔“

اور صحیح مسلک یہ ہے کہ آپ کا نام رکھنا جائز ہے اور آپ کی کنیت اختیار کرنا ممنوع ہے اور زندگی میں آپ کی کنیت اختیار کرنے کی ممانعت زیادہ شدید تھی۔

کیا ابو عیسیٰ کنیت اختیار کی جا سکتی ہے؟ نیز سلف و خلف کی ایک جماعت نے ابو

عیسیٰ کی کنیت کو مکروہ بتایا ہے۔ دوسروں نے اسے جائز قرار دیا ہے۔

ابوداؤد میں زید بن اسلم سے مروی ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے اپنے ایک بیٹے کو مارا، جو کہ ابو عیسیٰ کنیت رکھتا تھا، نیز حضرت مغیرہ بن شعبہ نے ابو عیسیٰ کی کنیت اختیار کی۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تجھے اتنا کافی نہیں کہ تو ابو عبد اللہ کی کنیت اختیار کر لے؟

انہوں نے عرض کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری کنیت رکھی ہے۔ انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے اور ہم اپنی حرکات میں ہیں۔ پھر وفات تک، ہمیشہ ابو عبد اللہ ہی اپنے آپ کو کہلاتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کو ام عبد اللہ کی کنیت دے رکھی تھی اور بعض ازواج مطہرات کو جیسے ام جلیبہ اور ام سلمہؓ کی کنیت عطا فرمائی تھی۔

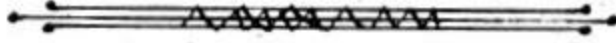
نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انگور کو ”کرم“ کہنے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ کرم تو مومن کا دل ہوتا ہے، چونکہ لفظ (کرم) کثرت خیر و برکت پر دلالت کرتا ہے، لہذا ایسے امور خیر کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہی ہو سکتا ہے، نہ کہ انگور کا درخت۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعراب کے نام تمہاری نمازوں مثلاً عشاء پر غالب نہ آجائیں (کیونکہ اعراب) اس نماز کو عتمة کہتے ہیں اور صبح حدیث میں آپ سے یہ بھی مروی ہے۔ کہ آپ نے فرمایا، اگر انہیں معلوم ہونا کہ عتمة (عشاء) اور صبح میں کس قدر اجر ہے تو یہ پیٹ کے بل رینگ کر بھی حاضر ہوتے۔

ایک قوم میں یہ ہے کہ اس روایت کی بنا پر ممانعت منسوخ ہے۔ بعض اس کا عکس بتاتے ہیں۔ اور صحیح یہ ہے کہ (روایات) کی تاریخ کا صحت سے تعین کرنا مشکل ہے، اور احادیث میں تعارض بھی نہیں پایا جاتا، کیونکہ آپ نے عشاء کو عتمة کہنے کی قطعی ممانعت نہیں فرمائی، جبکہ مراد یہ تھی کہ عشاء کا نام متروک نہ

ہونے پائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس نماز کو اسی نام سے یاد کیا ہے اور اس پر عتمة کا غلبہ نہ ہونے دیا جائے۔ اب اگر اسے عشاء ہی کہا جائے اور کبھی کبھار عتمة کا نام بھی بول دیا جائے تو اس میں کچھ حرج نہیں۔

اور یہ فرمان محض اسی لئے تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (چاہتے تھے) کہ عبادات وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کر وہ اسماء کی حفاظت کی جائے، وہ متروک نہ ہونے پائیں اور ان پر دوسرے اسماء غالب کر دیئے جائیں، جیسے متاخرین نے جدید اصطلاحات والفاظ پر چسپاں کر دیئے اور جس کی وجہ سے اس قدر عظیم فساد و انتشار پیدا ہوا کہ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔



افراد امت سے آپ ﷺ کا خطاب

سراپا شفقت و رحمت | آپ امت کو خطاب فرمانے کے لیے خوبصورت اور لطیف ترین الفاظ استعمال کرتے جو درشت و تند مزاج لوگوں سے بعید ہوں۔ چنانچہ آپ نہ نحش یا درست کلام فرماتے نہ تند گوئی اور تیزی سے کام لیتے۔

آپ نااہل آدمی کے حق میں پر عصمت اور قابل تکریم الفاظ اور (شریف) کے حق میں پر مذمت الفاظ کہنے کو ناپسند فرماتے۔

پہلی مثال مثلاً منافق کو کہنا اے میرے سردار، فرمایا جو اللہ کے ہاں سردار نہیں تو تم نے اسے سردار کہہ کر اپنے پروردگار عزوجل کو ناراض کیا۔

نیز آپ نے انگور کو کرم کہنے اور ابو جہل کو حکم کہنے سے منع فرمایا۔ اسی طرح آپ نے ایک صحابی ابو حکم کا نام بدل کر ابی شریح رکھ دیا اور فرمایا کہ حکم تو اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی طرف حکم واپس جاتا ہے۔

اسی طرح آپ نے اس بات کی ممانعت فرمائی کہ غلام عباس آقا کو ربی (پروردگار) کہے یا آقا اپنے غلام کو میرا بندہ کہے اور فرمایا بلکہ یوں کہو ”میرے بچے۔ میرے بیٹے“

ایسے ہی طبیب ہونے کے مدعی کو آپ نے رفیق فرمایا اور بتایا کہ طبیب تو خالق ہے اور جہلاء کافر کو بھی حکیم کہتے ہیں جسے چند طبیعاتی باتوں کا علم ہو حالانکہ (کافر، غمام

راہ ان الفاظ میں زبردست کے لئے کتنی رحمت اور شفقت ہے اور آقا کے پندار کے عینے کی عینت حسنہ

مخلوقات سے زیادہ احمق ہوتا ہے۔ اسی طرح آپ نے ایک خطیب سے، جس نے کہا تھا:

”جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، وہ خوش بخت ہو اور جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ سرکش و گمراہ ہو!“

آپ نے فرمایا کہ تو بدترین خطیب ہے۔ اسی طرح آپ کا فرمان: ”کہ یہ مت کہو کہ جس طرح اللہ اور فلاں (بھی) چاہے ویسے ہو گا بلکہ کہو جس طرح اللہ چاہے پھر جو اللہ کی مرضی سے، فلاں چاہے“ ایک آدمی نے عرض کیا، جس طرح اللہ اور آپ چاہیں۔ آپ نے فرمایا، کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟ بلکہ کہو جیسی صرف اللہ کی مرضی ہو۔ سہ

اور دوسری نوع یہ ہے کہ غیر مستحق پر الفاظِ مذمت استعمال کئے جائیں۔ اسے کی مثال یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ علیہ وسلم نے فرمایا:

زمانے (دہر) کو گالی مت دو،

اور فرمایا، کہ:

زمانہ ہی خدا ہے۔

دوسری روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ:

ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے جب زمانے کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں، اور سارا امر میرے ہاتھ میں ہی ہے۔ میں ہی دن رات بدلتا ہوں، ایک اور روایت میں فرمایا کہ تم میں سے کوئی یہ نہ کہے ”وہ زمانے کی نامرادی۔ اس میں تین بڑے بڑے مفاسد ہیں۔“

سہ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عقیدہ توحید کس طرح آپ مسلمانوں کے قلوب میں راسخ کر دینا چاہتے تھے۔ یہ ارشادِ نبوی ان لوگوں کے لئے غور طلب ہے جو خدا کو چھوڑ کر، یا اس کے ساتھ پیروں اور بزرگوں کو بھی حاجت روا سمجھتے ہیں۔

ایک یہ کہ ایک غیر مستحق کو گالی دی، کیونکہ دہر بھی اللہ کی مسخر مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے۔ اس کے حکم کا تابع ہے اس کے امر کے سامنے بے بس ہے اس لئے گالی دینے والا مذمت کا زیادہ مستحق ہے۔

دوسرے اس کا گالی دینا شرک کا متضمن ہے کیونکہ اس نے فائدہ رساں اور ضرر رساں سمجھ کر گالی دی ہے۔

تیسرے گالی دینے والے کے دو حالات ہیں، یا تو اس نے اللہ کو گالی دی ہے یا شرک کیا ہے کیونکہ اگر اس کا یہ اعتقاد ہے کہ اللہ کے ساتھ ساتھ زمانہ بھی فاعل ہے تو وہ مشرک ہو گیا اور اگر اس کا یہ اعتقاد کہ تنہا اللہ ہی اس کا فاعل ہے، تو اس نے گویا اللہ کو گالی دی۔

اسی طرح آپ کا یہ فرمان کہ تم میں سے یہ کوئی نہ کہے کہ شیطان ہلاک ہو کیونکہ وہ موٹا ہو جاتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میں نے اسے اپنی قوت سے پچھاڑ دیا، بلکہ یوں کہا کرے، بسم اللہ اس سے وہ نکھی کی طرح جھوٹا ہو جائے گا۔ اسی طرح دوسری روایت میں ہے کہ بندہ جب شیطان پر لعنت کرتا ہے تو وہ کہتا ہے تو ایک مطعون پر لعنت کر رہا ہے، نیز اللہ شیطان کو رسوا کرے، اللہ شیطان کا منہ کالا کرے۔ وغیرہ جملے بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب سے وہ خوش ہوتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ بنی آدم کو معلوم ہو گیا کہ میں نے اسے اپنی قوت سے نقصان پہنچایا ہے، یہ جملے اسے زیادہ سرکش بناتے ہیں اور ذرا بھی فائدہ بخش نہیں ہوتے چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس پر شیطان کا اثر ہو۔ وہ اللہ کا ذکر کرے۔ اس کا نام لے اور شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ یہ بات اس کے لئے فائدہ دینے والی اور شیطان کے غصہ کو بھڑکانے والی ہے۔

عجز اور کسل کے مظاہرہ سے بچو | کسی کام کے ہو جانے کے بعد اسے قول کی ممانعت کہ کاش میں یوں نہ کرتا،

یوں کرتا، فرمایا کہ اس طرح شیطان کے اثر کا دروازہ کھلتا ہے بلکہ ارشاد فرمایا کہ

اس سے زیادہ نفع مند یہ کلمہ ہے :

جو کچھ اللہ کی تقدیر تھی اور جو اللہ نے چاہا ہو گیا ۔

اور عجز (بھی غلط ہے) کیونکہ یہ بھی شیطان کو دخل اندازی کا موقع دیتا ہے گویا یہ فائدہ مند اعمال سے عاجز آگیا اور باطل امیدوں کے انتظار میں بیٹھ گیا ۔ یہ کہتے ہوئے کہ کاش اس اس طرح ہوتا، کاش میں یوں کرتا۔ اس سے شیطان کو دخل دینے کا موقع ملتا ہے کیونکہ یہ عجز اور کسل (سستی) کا نتیجہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے پناہ مانگی ہے کیونکہ یہ دونوں شکر کا منبع ہیں۔ اور انہی سے غم، اندوہ، بخل، قرض ادا نہ کر سکتا اور لوگوں سے مغلوب ہو جانا (جیسے حالات) پیدا ہوتے ہیں چنانچہ ان کا مرکز اور مصدر عجز اور کسل ہی ہیں، چنانچہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شیطان کا کسی پر اثر شروع ہو جائے توفہ تمنائیں کرنے والا تمام لوگوں سے زیادہ عاجز اور مفلس بن کر رہ جاتا ہے کیونکہ تمنائیں کرتے رہنا مفلسین کا اس المال ہوتا ہے اور عجز ہر شر کی کنجی ہوتی ہے بلکہ ہر گناہ کی جڑ عجز ہے۔ جب بندہ نیک کام کرنے اور برائی سے بچنے سے عاجز آگیا تو بہر حال معاصی ہی میں ڈوب جائے گا۔

ایک حدیث کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شریح اصول و فروع اور اس کے مبادی و غایات سے پناہ مانگنا۔ آٹھ خصال پر مشتمل ہے۔ ہر دو خصال آپس میں قرین ہیں۔ آپ نے دعا پڑھی

دونوں قرین ہوئے۔ اس کے بعد عجز اور کسل دونوں ایک دوسرے کے قرین ہیں۔ اگر بندہ بندگی اور اصلاح میں عاجز رہ گیا ہو، اگر عدم قدرت کے باعث ایسا ہوا تو عاجز ہے اور اگر قصداً ایسا کیا تو یہ کسل (کاہلی ہے) ان دو صفات سے ہر خیر کھو جاتا ہے اور ہر شر موجود ہوتا ہے۔

جس شر کے باعث وہ اپنے بدن سے نفع حاصل نہیں کر سکتا اسے جین کہتے ہیں۔ اگر مال سے فائدہ حاصل نہ کر سکے پھر یہ بخل ہوگا۔ چنانچہ اس کے باعث دو طرح کی مغلوبیت مسلط ہو جائے گی۔ ایک کسی کے حق کا غلبہ دین کہتے ہیں۔ دوسرے

باطل کے باعث مغلوبیت اسے غلبہ رہ جاتی کہتے ہیں۔ یہ تمام مفاسد عجز اور کسل کا نتیجہ ہیں۔

عجز اور کسل - حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے متعلق حکم ہے کہ ایک آدمی کے خلاف فیصلہ ہوا وہ کہنے لگا۔ حسبی اللہ

ونعم الوکیل مجھے میرا اللہ کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ عجز پر ملامت کرتا ہے بلکہ تمہیں شعور سے کام لینا چاہیے پھر بھی اگر کوئی امر تم پر غالب آجائے تو کہو حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ حالانکہ اگر یہ اسباب کو ہوشمندی سے کام میں لاتا اور پھر بھی مغلوب ہو جاتا۔ اس صورت میں یہ جملہ واقعتاً اپنے مقام پر درست ہوتا۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے تمام مامور بہ اسباب کو اختیار کیا کسی کو ترک نہیں کیا اور نہ عجز کا اظہار کیا۔ پھر بھی دشمن غالب آگئے اور انہیں آگ میں ڈال دیا تو انہوں نے اسی حالت میں حسبی اللہ ونعم الوکیل کہا۔ چنانچہ یہ کلمہ جب اپنے مقام پر پڑھا تو فوراً اثر ہوا اور اس کا مقتضی ظاہر ہو گیا۔

اسی طرح احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے جب کہا گیا کہ لوگ تمہارے لیے جمع ہیں، اس لیے ان سے ڈرو و دو تو (صحابہ و رسول اللہ) نے تیاری کی اور دشمن کے مقابلہ کے لئے نکلے اور خوب شعور سے کام لیا۔ پھر کہنے لگے حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ تو اس کلمہ نے اثر کیا اور اس کا ایک نتیجہ نکلا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ومن يتق الله يجعل له مخرجاً ويرزقه من حيث لا يحتسب ومن يتوكل على الله فهو حسبه۔

یعنی، اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لئے نکلنے کی راہ بنا دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا، جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اس کو کافی ہے۔

اور دوسری جگہ فرمایا:

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ۔ یعنی، اور اللہ سے ڈرو، مومنوں کو چاہیے کہ اللہ پر توکل کریں۔

اور اسباب دنیا اختیار کیے بغیر توکل کرنا اور اللہ کو کافی سمجھنا یہ محض عجز ہے، اگرچہ اس پر قدرے توکل چھایا نظر آتا ہے۔ لیکن یہ توکل عجز ہے اور بندے کو یہ مناسب نہیں کہ اپنے توکل کو عجز بنا دے یا عجز کو توکل کا جامہ پہنائے۔ بلکہ توکل کو بھی اسباب مامورہ سمجھ کر اسے اختیار کرتے جس کے بغیر کوئی کام سرانجام نہیں ہو سکتا۔

دو جماعتوں نے اس مسئلہ میں دھوکا کھایا ہے۔

ایک گروہ نے سمجھا کہ حصولِ مراد کے لیے تنہا توکل ہی کافی اور مستقل حیثیت میں موثر سبب ہے۔ چنانچہ انہوں نے تمام اسباب کو معطل کر دیا۔ جو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مقتضی تھے سبب تک پہنچنے کا ذریعہ تھے چنانچہ یہ گروہ ضعفِ توکل اور ترک اسباب کے باعث عجز اور تفریط میں گر گیا۔

دوسرے گروہ نے اسباب پر اعتقاد رکھا اور شرعاً اور ظاہراً ہر طرح سبب میں سبب کی کار فرمائی دیکھی اور توکل سے بالکل ہی اعراض کر لیا۔ اگرچہ اس گروہ نے اسباب کے ذریعہ کچھ نہ کچھ حاصل کر لیا، لیکن اس کی قوت اصحابِ توکل تک نہیں پہنچ سکتی۔ اور نہ اسے اللہ کی نصرت حاصل ہے۔ اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسے تحفظ و دفاع حاصل ہے بلکہ یہ توکل کے زائل ہونے کے وجہ سے ذلیل و عاجز ہے۔ کیونکہ قوت تو صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے میں پنہال ہے جیسا کہ بعض سلف نے فرمایا ہے۔

جو یہ چاہے کہ تمام لوگوں سے قوی ہو جائے تو وہ اللہ پر توکل کرے۔

ذکرِ الہی

آپ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہتے

ذکرِ الہی کی وسعتیں | نبی صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ذکر میں تمام مخلوق سے زیادہ کامل تھے بلکہ آپ کا ہر کلام اللہ کے ذکر یا اس کے متعلق پر مشتمل تھا۔ آپ کا امت کو فرمانا، حکم فرمانا، اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسمائے مبارک، صفات اس کے احکام افعال وعدے وعید، سب اس کا ذکر ہی تھے اور اس کی نعمتوں پر ثنا، حمد، تسبیح و تمجید بھی قلبی طور پر ذکرِ الہی کی متضمن تھی۔ گویا آپ ہر آن ہر حالت میں ذکر تھے اور ذکرِ الہی آپ کے تنفس کی طرح، اٹھتے بیٹھتے چلتے سوار ہوتے۔ سفر و حضر صلح و جنگ ہر جگہ آپ سے متصل تھا۔ جب آپ بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

الحمد لله الذي احيانا بعد ما اماتنا واليه النشور۔

یعنی، سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے ہمیں مارنے کے بعد زندہ کیا اور

اٹھ کر اسی کی طرف ہمارا دحشر، نشر ہوگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب آپ رات کو جاگتے تو دس بار اللہ اکبر کہتے۔

دس بار الحمد للہ کہتے اور بتلایا کہ دس بار سبحان اللہ و بحمدہ اور دس بار

سبحان الملك القدوس اور دس بار استغفر اللہ اور دس بار لا اله

الا اللہ کہتے پھر دس بار یہ دعا پڑھتے اللهم اني اعوذ بك هني ضيق الدنيا

وضیق یومہ القیامہ، اس کے بعد (تہجد) شروع کرتے نیز فرماتی ہیں، کہ جب آپ کسی وقت رات کو جاگتے تو یہ الفاظ پڑھتے:

لا الہ الا انت سبحانک اللهم استغفرک لذنبی واسألك رحمتک
اللهم رزقنی سما و ارضاً و ارزق قلبی بعد اذ هدیتنی و هب لی من لدنک رحمة
انک انت الوهاب - (ابوداؤد)

”یعنی تیرے سوا کوئی معبود اور کار ساز نہیں، اے اللہ تو پاک ہے۔ میں اپنے گناہ کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں اور تیری رحمت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ میرا علم زیادہ کر دے اور مجھے جب تونے ہدایت دے دی تو اب میرے قلب کو کھوٹانہ بنانا اور مجھے اپنی جناب سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی عطا کرنے والا ہے۔“

نیز آپ نے فرمایا کہ جو آدمی رات کو بیدار ہو اور یہ جملے کہے:

لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملك و لہ الحمد و هو علی
کل شیء قدير، الحمد لله و سبحان الله و لا الہ الا الله و الله اکبر
و لا حول و لا قوة الا باللہ العلی العظیم، اس کے بعد کہے اللہم اغفر لی۔
یعنی، اے اللہ مجھے بخش دے، یا کوئی دوسری دعا قبول ہوگی، اور اگر اس نے
وضو کیا اور نماز پڑھی تو نماز قبول ہوگی (بخاری)

حضرت عباسؓ نے جو رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں گزاری اس کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا اور سورہ سورۃ آل عمران کی آخری دس آیات سے لے کر آخر سورت تک تلاوت کیں۔ پھر یہ دعا پڑھی:-

اللهم لك الحمد انت نور السموات والارض ومن فيهن ولك الحمد انت الحق و عندك
الحق و قوتك الحق و لقاءك حق و الجنة حق و النار حق و النبيون حق و

محمّد حق والساعة حق اللهم لك اسلمت و بك امنت و عليك توكلت
و اليك انبت عليك خاصمت و اليك حالمت فاغفر لي ما قدمت و ما
اخترت و ما أسررت و ما اعلنت انت اللهم لا اله الا انت و لا حول
و لا قوة الا بالله العلي العظيم۔

یعنی، ”اے اللہ تو سزاوار حمد ہے، تو آسمانوں کا زمین کا اور جو کچھ ان میں ہے
ان سب کا نور ہے بس تیری ہی حمد ہے تو ہی آسمان کا اور زمین کا اور جو کچھ
ان میں ہے سب کا تھامنے والا ہے۔ بس تیری ہی حمد ہے۔ تو حق ہے تیرا
وعدہ حق اور تیرا قول حق ہے۔ اور تیرا دیدار حق ہے، جنت حق ہے اور آگ
(دوزخ) حق ہے اور انبیاء علیہم السلام حق ہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حق
ہیں، اور قیامت حق ہے۔ اے اللہ میں تیرے لئے اسلام لایا تجھ پر ایمان لایا۔
تجھ پر توکل کیا تیری طرف رجوع کیا اور تیری مدد سے نزاع کیا اور تجھ ہی سے داد
خواہ ہوا۔ پس میرے سابقہ اور مابعد گناہ بخش دے اور جو گناہ میں نے چھپ
کر رکھے اور جو میں نے علانیہ کیے وہ بھی بخش دے، تو ہی میرا معبود ہے تیرے
سوا کوئی معبود نہیں اور بزرگی و عظمت والے خدا کے سوا نہ کوئی قدرت ہے اور
نہ قوت ہے“

نیز حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے:
اللهم رب جبرائیل و میکائیل و اسرافیل فاطر السموات و الارض عالم
الغیب و لشهادة انت تحکم بین عبادک فیما كانوا فیه یختلفون اهدنی
لما اختلف فیه من الحق یا ذنک انک تہدی من تشاء الی
صراط مستقیم۔

”یعنی اے اللہ جبرائیل و میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام کے پروردگار آسمانوں
اور زمین کو پیدا کرنے والے، غیب اور حاضر کو جاننے والے تو اپنے بندوں کا فیصلہ
کرتا ہے۔ جس میں اختلاف کرتے تھے، بے شک تو جسے چاہتا ہے سیدھا راستہ

دکھاتا ہے“

(حضرت عائشہؓ) فرماتی ہیں کہ اس کے ساتھ بسا اوقات آپ نماز شروع کر دیتے۔ جب آپ وتر پڑھتے تو وتروں سے فارغ ہونے کے بعد تین بار سبحان الملک ا لقصوس کہتے، اور تیسری بار آواز بلند کرتے۔

اور جب آپ گھر سے باہر تشریف لے جاتے تو یہ دعا پڑھتے۔ بسم اللہ توکلت علی اللہ اللہم انی اعوذ بک ان اضل او اضل او ازل او ازل او اظلم او اظلم او اجہل او یجہل علی (صحیح حدیث)

یعنی، اللہ کے نام سے، میں نے اللہ پر توکل کیا۔ اے اللہ میں اس امر سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ کسی کو گمراہ کروں یا مجھے گمراہ کیا جائے یا میں پھسلا دوں یا مجھے پھسلا یا جائے یا میں ظلم کروں یا مجھ پر ظلم کیا جائے۔ میں جہالت (سے پیشے) آؤں یا مجھ سے جہالت کا ارتداد، کیا جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے گھر سے نکلتے وقت یہ دعا پڑھے:

بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو اس سے کہا جاتا ہے کہ تجھے ہدایت دی گئی، تجھے کفایت ہو گئی اور تجھے بچالیا گیا۔ اور شیطان اس سے الگ ہو جاتا ہے (حدیث حسن)

حضرت ابن عباسؓ نے جو رات آپ کے پاس گزاری اس کے متعلق فرماتے ہیں کہ آپ صبح کی نماز کے لیے یہ دعا پڑھتے ہوئے باہر تشریف لائے:-

اللہم اجعل فی قلبی نوراً واجعل فی لسانی نوراً واجعل فی سمعی نوراً واجعل فی بصری نوراً واجعل فی خلفی نوراً ومن امامی نوراً واجعل من فوقی نوراً واجعل من تحتی نوراً اللہم اعظم لی نوراً۔

یعنی، اے اللہ میرے دل میں نور ڈال دے اور میری زبان کو نور عطا فرما، اور میری سماعت کو نور عطا فرما، اور میری بصارت کو نور عطا کر، اور میرے

سائے نور کر دے، اور میرے اوپر نور کر دے اور میرے نیچے نور کر دے، اے اللہ میرے لیے نور بڑھا دے۔“

اور فضل بن مرزوقؒ حضرت عطیہ عوفیؒ سے وہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت کرتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی اپنے گھر سے نماز پڑھنے کے لیے نکلے اور وہ یہ دعا پڑھے:

اللهم انى اسألك بحق السائلين عليك وبحق ممشائى هذا اىك فانى لم اخرج بطراً ولا اشراً ولا رياء ولا سمعة وانما خرجت ائتقاء سنخظك وابتغاء مرضاتك اسألك ان تنقذنى من النار وان تغفر لى ذنوبى فانه لا يغفر الذنوب الا انت -

یعنی ”اے اللہ میں تجھ سے سائلین کے حق کے طفیل اور تیری طرف چلنے کے واسطے سے سوال کرتا ہوں کہ نہ تو میں تکبر و رعونت سے نکلا ہوں اور نہ ریاکاری اور دکھاوے کی خاطر بلکہ تیری ناراضگی سے بچنے ہوئے اور تیری رضا چاہتے ہوئے نکلا ہوں۔ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے آگ سے بچا دے اور میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔“ اتنا کہنے سے اللہ تعالیٰ ستر ہزار فرشتے مقرر فرما دے گا جو اس کے لیے بخشش کے لیے دعا کرتے رہیں گے، اور نماز ختم ہونے تک اللہ تعالیٰ اس کی طرف رجحان کی توجہ فرمائے گا۔

اور ابو داؤدؒ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا کہ آپ جب مسجد میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

اعوذ بالله العظيم وبوجهه الكريم وسلطانه القديم من الشيطان الرجيم، -

یعنی ”عظمت والے اللہ تعالیٰ اور اس کتریم کے رخ اور اس قدیم کی قدرت کی میں پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے“ جب اس نے یہ

دعا پڑھ لی تو آپ نے فرمایا کہ وہ سارا دن شیطان سے محفوظ ہو گیا۔
 نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ جب تم مسجد میں داخل ہو
 تو پھر صلوٰۃ و سلام پڑھو اور پھر یہ کہو:

اللهم افتح لی ابواب رحمتک یعنی اے اللہ میرے لیے اپنی رحمت کے
 دروازے کھول دے۔

اور جب باہر آؤ، تو یہ کہو، اللهم انی اسئلك من فضلك، یعنی
 اے اللہ میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔
 نیز مروی ہے کہ جب آپ مسجد میں داخل ہوتے تو درود و سلام پڑھتے اور
 یہ دعا کہتے:

اللهم اغفر لی ذنوبی و افتح لی ابواب فضلك یعنی اے اللہ میرے
 گناہ بخش دے اور میرے لیے اپنے فضل کے دروازے کھول دے۔
 جب آپ صبح کی نماز پڑھتے تو طلوع آفتاب تک جائے نماز پر بیٹھے رہتے
 اور اللہ کی یاد میں مصروف رہتے۔

نیز آپ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے، اللهم ربک اصحنا و ربک امینا و ربک نجینا
 و ربک نموت و الیک النشور۔

یعنی "اے اللہ ہم نے تیری (توفیق) سے صبح کی اسی طرح شام کی اور اسی طرح
 ہم جیتے اور تیرے نام پر مرتے ہیں اور بلاشبہ تیری ہی طرف حاضر ہونا ہے
 اور جب صبح ہوتی تو آپ یہ دعا بھی پڑھا کرتے:

اصبحنا و اصبح الملک لله و الحمد لله و لا اله الا الله و حداه لا شریک
 له له الملک و له الحمد و هو علی کل شیء قدير، رب اسالك خیر
 ما فی هذا الیوم و خیر ما بعدہ و اعوذ بک من شر هذا الیوم و شر
 ما بعدہ رب اعوذ بک من الکسل و سوء الکبر رب اعوذ بک من
 عذاب فی القبر۔

یعنی ہم نے صبح کی اور اللہ کے ملک نے بھی صبح کی اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی معبود و کار ساز نہیں۔ وہ تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اسی لئے بادشاہی ہے، اس کی حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے، اسے پروردگار میں تجھ سے اس دن کی بھلائی اور اس کے بھائی مانگتا ہوں اور میں اس دن کے شر اور اس کے بعد کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں کاہلی اور تکبر کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے پروردگار میں جہنم میں ہونے والے عذاب اور قبر میں ہونے والے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور جب شام ہوئی تو آپ نے اسی دعا کو امینا و امسی الملک اللہ الخ کے مذکورہ طریق پر پڑھی (مسلم)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ عرض کیا کہ ایسے کلمات بتائیے جو صبح و شام میں پڑھا کروں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو:

اللہم فاطر السموات والارض عالم الغیب والشہادۃ رب کل شیء وملیکہ وما لکم شہدان لا الہ الا انت اعوذ بک من شر نفسی وشر الشیطان وشرکہ وان اقتروا علی نفسی سوءا واجرہ الی مسلم

یعنی اللہ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غیب اور ظاہر کے جاننے والے ہر چیز کے پروردگار اس کے بادشاہ اور اس کے مالک، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود و کار ساز نہیں۔ میں اپنے نفس کی اور شیطان کی شرارت سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس کے شرک سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں (اور اس بات سے بھی پناہ مانگتا ہوں کہ میں اپنے آپ پر کوئی برائی لا دوں یا اسے کسی مسلمان کی طرف متسوب کر دوں۔ آپ نے فرمایا، جب صبح یا شام کرے تو یہ کلمات پڑھ لیا کرو، یا جب بستر پر جاؤ رتب

بھی یہ دعا پڑھ لیا کرو (حدیث صحیح)

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان بھی ہر صبح و شام یہ دعائیں بار پڑھے اسے کچھ بھی ضرر نہیں پہنچ سکتا۔

بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِي لَا يَضُرُّهُ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
یعنی ”اللہ کے نام سے جس کے نام کی برکت سے زمین اور آسمان کی کوئی چیز بھی ضرر نہیں دیتی اور وہ سنتے والا اور جاننے والا ہے“

اور جو آدمی جب یا شام یہ دعائیں تین بار پڑھے اللہ پر یہ حق ہے کہ وہ اس کو راضی رکھے دعا یہ

ہے:

سُئِيتَ يَا اللّٰهُ رَبَّا وَيَا اللّٰهَ دِيْنَا وَمَجْدِيْنَا حَيُّ عِيْنٌ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ اور جس نے صبح یا شام کو یہ دعا پڑھی:
اللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَصْبَحْتُ اَشْهَدُكَ وَاَشْهَدُ حَمَلَةَ عَرْشِكَ وَمَلٰئِكَتَكَ وَجَمِيعَ
خَلْقِكَ اَنْتَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ وَاَنْتَ مُحَمَّدٌ عَبْدُكَ وَسِرُّوْكَ
یعنی ”اے اللہ میں نے صبح کی، میں تجھے تیرے عرش کے حاملین تیرے سوا اور تیری تمام
مخلوق کو شاہد بنا کر گواہی دیتا ہوں بے شک تو ہی اللہ ہے تیرے سوا کوئی معبود و کار ساز
نہیں۔ اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔“

جو اسے ایک بار پڑھے گا اللہ اس کا بچہ جو تھا آگ سے آزاد کر دے گا اور اگر دوبارہ پڑھے گا تو
اللہ اس کا نصف آگ سے آزاد کر دے گا۔ اور اگر چار بار پڑھے گا۔ تو اللہ تعالیٰ اسے آگ سے
بالکل آزاد کر دے گا (حسن)

نیز آپ نے فرمایا کہ جس آدمی نے صبح کو یہ دعا پڑھی اس نے اس دن کا حق ادا کر دیا۔

”اللّٰهُمَّ اَصْبَحْ بِيْ مِنْ نِّعْمَتِكَ اَوْ بَا حُدٍّ مِنْ خَلْقِكَ فَمَنْتَ وَحْدَكَ لَا شَرِيْكَ

لك لك الحمد ولك الشكر“ یعنی اے اللہ میں نے یا تیری مخلوق میں سے جس نے بھی تیری نعمت کے ساتھ صبح کی، وہ نعمت بس صرف تیری ہی جانب سے ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔ تیری ہی حمد ہے اور تیرا ہی شکر ہے اور جو شام کو دعائے مذکورہ پڑھے اس نے رات کا شکر ادا کر دیا (حدیث حسن) نیز آپ صبح و شام یہ دعائیں بھی پڑھا کرتے:

اللهم انى اسألك العافية فى الدنيا والآخرة، اللهم انى اسألك العفو والعافية فى دىنى ودينى واهلى ومالى اللهم استر عوداى وآمن روعاى اللهم احفظنى من بين يداى ومن خلفى وعن يمينى وعن شمالى ومن فوقى اعوذ بعظمتك ان اغتال من تحتى (حاکم)

یعنی ”اے اللہ میں تجھ سے دنیا و آخرت میں عافیت کا سوالی ہوں، اے اللہ میں تجھ سے اپنے دین و دنیا گھرا اور مال کے عفو اور عافیت کا سوال کرتا ہوں، اے اللہ میری مخفی رکزوریوں پر پردہ ڈال دے اور مجھے پریشان حالی سے مامون فرما۔ اے اللہ میرے سامنے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں اور اوپر سے حفاظت فرما، میں تیری عظمت کے ٹھیل اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ مجھے ڈھکے پھپھے دھوکہ دیا جائے“

اور آپ نے فرمایا کہ تم کو پہلے صبح کے وقت یہ دعا پڑھے:

اصبحا واصبح الملك لله رب العالمين اللهم انى اسألك خير هذا اليوم فتحه ونصره وفوره وبركته وهدايتة واعوذ بك من شر ما بعدة، پھر جب شام ہو تو بھی یہی دعا پڑھو (حدیث حسن)

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی ایک لڑکی سے فرمایا، کہ جب تم صبح کرو تو یہ دعا پڑھو، کیونکہ اس کا صبح کے وقت پڑھنا شام تک محفوظ رکھے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ صبح تک محفوظ

رہے گا۔ دعا یہ ہے:

سبحان اللہ وجمدا لا ولا حول ولا قوتہ الا باللہ العلی العظیم ماشاء اللہ کان
وما لم یشاء لم ینکن اعلم ان اللہ علی کل شیء قدیر ان اللہ قد احاط بكل شیء علما
یعنی ”اللہ پاک ہے اور اسی کی حمد ہے اور خدائے بزرگ و عظمت کے
سوانہ کوئی توفیق ہے اور نہ قوت ہے جو کچھ اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور
جو نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر
قادر ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ اپنے علم کے لحاظ سے ہر چیز کو محیط
ہے“

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انصاری سے فرمایا کیا میں تمہیں ایک ایسی
دعا نہ بتاؤں کہ جب تم اسے پڑھو تو اللہ تعالیٰ تمہارا غم دور کر دے اور تمہارا قرض
چکا دے؟

میں نے عرض کیا، ہاں! اے اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا صبح یا شام کے وقت
یہ کلمات کہہ لیا کر۔

اللہم انی اعوذ بک من الهم والحزن واعوذ بک من العجز والکسل واعوذ
بک من المحین والنجل واعوذ بک من غلبة الدین وقهر الرجال۔
یعنی ”اے اللہ میں غم و اندوہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور میں عجز و سستی سے تیری پناہ
مانگتا ہوں اور میں بزدلی اور نجل سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں قرض کے غلبہ اور
آدمیوں کے قہر سے تیری پناہ مانگتا ہوں“

راوی کہتے ہیں کہ میں نے یہ دعا پڑھی تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم دور کر دیا اور قرض ادا
کر دیا، نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ صبح کو یہ دعا پڑھا کرتے:

اللہم انی اسئلك علما نافعاً ورسراً طیباً وعلماً متقبلاً۔

یعنی ”اے اللہ میں تجھ سے نفع دینے والے علم اور پاک رزق اور مقبول عمل کا
سوال کرتا ہوں“

اور آپ سے منقول ہے کہ جو صبح کو اور شام کو یہ کلمات کہے تو اللہ پر حق

ہے کہ اس کی ہر التجا مکمل طور پر قبول فرمائے، کلمات یہ ہیں:

اللهم انى اصبحت منك فى نعمة وعافية وسترفاتم على نعمتك عافيتك
وسترك فى الدنيا والاخرة، يعنى اسے اللہ میں نے تجھ سے تیری حمد
وعافیت اور پردہ پوشی پر ہی صبح کی پس مجھ پر اپنی نعمت وعافیت اور پردہ پوشی
دنیا و آخرت میں مکمل طور پر فرما۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ جو آدمی صبح و شام سات سات مرتبہ یہ کلمات
کہے:

حسبى الله لا اله الا هو عليه توكلت وهو رب العرش العظيم،
يعنى ”مجھے میرا اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے اسی پر
توکل کیا اور وہ عرش عظیم کا مالک ہے“

تو دنیا و آخرت اللہ تعالیٰ میں اللہ تعالیٰ اسے ہر غم میں کافی ہوگا۔ نیز آپ سے
منقول ہے کہ جو شخص دن کی ابتداء میں یہ کلمات کہے وہ شام تک کسی مصیبت سے
دوچار نہ ہوگا اور جو دن کے آخری حصہ میں کہے گا اسے صبح تک کچھ رنج نہ پہنچے
گا۔ کلمات یہ ہیں:

اللهم انت ربى لا اله الا انت عليك توكلت وانت رب العرش العظيم ما
شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن لا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم اعلم
ان الله على كل شى قدير وان الله قد احاط بكل شى علما اللهم انى اعوذ بك من
شر نفسى وشر كل دابة انت اخذ بناھيتها ان ربى على صراط المستقيم۔

يعنى، ”اسے اللہ تو میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود و کار ساز نہیں۔ میں نے
مجھ پر توکل کیا، اور تو ہی عرش عظیم کا مالک ہے۔ جو اللہ چاہے وہ ہو جاتا ہے اور
جو اللہ نہ چاہے وہ نہیں ہوتا۔ اللہ بزرگ و برتر کے سوا نہ کہیں سے توفیق ہے
اور نہ کوئی قوت ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور
بے شک اللہ تعالیٰ حکم کے لحاظ سے ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ابے

اللہ میں اپنے نفس کے شر سے اور ہر جاندار کے شر سے جس کی پیشانی تیرے قبضہ میں ہے، تیری پناہ مانگتا ہوں۔ بے شک میرا پروردگار سیدھے راستہ پر ہے۔
حضرت ابوالدرداء سے کسی نے کہا کہ آپ کا گھر جل گیا۔ انہوں نے جواب دیا ”نہیں بھلا“ اور اللہ تعالیٰ ان کلمات کے باعث ایسا نہیں ہونے دے گا، جو میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں۔“
نیز آپ نے فرمایا، کہ تمام استغفاروں کا سردار (سید الاستغفار) یہ کلمات ہیں:

اللهم انت ربی لا اله الا انت خلقتنی وانا عبدک وانا على عهدک و
وعداک ما استطعت اعود بک من شر ما صنعت ا بوالک بنعمتک علی
وابوعبید بنی فاغفر لی انتہ لا یغفر الذنوب الا انت۔
یعنی، ”اے اللہ تو ہی میرا پروردگار ہے، تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو نے پیدا کیا میں
تیرا بندہ ہوں اور میں تیرے عہد و وعدہ پر قائم ہوں، جتنی بھر مجھے استطاعت ہے
میں نے جو کچھ کیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ تیری نعمت کا اقرار کرتا ہوں جو مجھے
حاصل ہے اور اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں۔ پس مجھے بخش دے کیوں کہ تیرے سوا کوئی نہیں
بخش سکتا۔“

جو صبح کو یقین کرتے ہوئے یہ دعا پڑھے، اسی دن مر جائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اور جو شام
کو یقین کرتے ہوئے یہ کلمات کہے اور اسی رات فوت ہو جائے تو جنت میں داخل ہوگا اور فرمایا
کہ جو صبح و شام سبحان اللہ و بحمدہ سو بار کہے تو قیامت کے دن اس سے زیادہ چکا پڑھے۔ نیز آپ نے
فرمایا کہ جو دس بار صبح کے وقت یہ کلمات کہے، لا اله الا الله وحدہ لا شریک لہ لہ
الملک ولہ الصمد وهو علی کل شیء قدیر۔ اللہ تعالیٰ اس کے لئے دس
نیکیاں لکھے گا اور اس سے دس برائیاں مٹا دے گا اور غلام آزاد کرنے کے برابر اسے ثواب حاصل
ہوگا اور اللہ تعالیٰ اسے اس دن شیطان سے محفوظ رکھے گا۔ اور جب شام
چم کسی کا اجر و ثواب نہ ہوگا۔ بجز اس صورت کے کہ اگر کوئی ایسا ہی ورد کرے یا اس سے زیادہ

ہو تو پھر اسی طرح کہے تو صبح تک تو صبح تک یہی مذکورہ فوائد حاصل ہوں گے اور آپ نے فرمایا کہ جو صبح کرے اور اس دن سو بار یہ کلمات کہے۔ لا الہ الا اللہ وحده لا شریک له له المملک و له الحمد و هو علی کل شیء قدیر اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور اس کے زنامہ اعمال، میں سونکیاں لکھی جائیں گی اور اس کی سو برائیاں مٹا دی جائیں گی۔ اور یہ دن اس کے لئے شیطان سے حفاظت کا سبب ہوگا، یہاں تک کہ شام ہو جائے، اور اس سے زیادہ کسی کا ثواب نہ ہوگا، ہاں وہ آدمی جو اس سے زیادہ عمل کرے اور مسند وغیرہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ کلمات سکھائے اور حکم دیا کہ اپنے گھر میں ہر صبح یہ کلمات کہنے کی تاکید کریں۔ کلمات یہ ہیں:

لبيك اللهم لبيك لبيك وسعديك والخير في يدك
ومنك وليك اللهم ما قلت من قولك وخلفت من خلفك وندرت
من نذرفمغيتك بين يدي ذلك كله ما شئت كان وما لم تشا لم يكن
ولا حول ولا قوة الا بك انك على كل شيء قدير، اللهم ما صليت
من صلواتك فعلى من صليت وما لعنت من لعنة فعلى من لعنت
انت ربي في الدنيا والآخرة توفني مسلماً والحقني، يا صالحين اللهم
فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة ذو الجلال والاکرام
فاني اعهد اليك في هذه الحياوة الدنيا واشهدك وكفى بك شهيداً
باني اشهد ان لا اله الا انت وحدك لا شريك لك لك الحمد و
انت على كل شيء قدير واشهد ان محمداً عبدك ورسولك واشهد
ان وعدك حق ولقائك حق والساعة حق آية لا ريب فيها وانك
تبعث من في القبور وانك ان تكلمني الى نفسي
وعورة ذنوب وخطيئته وانني لا اثق الا برحمتك فاغفر لي ذنوبي كلها انه
لا يغفر الذنوب الا انت وتب على انك انت التواب الرحيم۔

یعنی " میں حاضر ہوں اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں، بھلائی تیرے ہاتھوں میں ہے، وہ تجھ سے ہے اور تیری طرف سے ہے اے اللہ میں نے جو بات کی یا کوئی قسم کھائی، یا کوئی نذر مانی، پس یہ تمام تیری مشیت میرے سامنے ہے جو تو نے چاہا ہو گیا اور جو تو نے نہیں چاہا نہ ہوا۔ اور تیرے سوا نہ کسی سے توفیق ہے اور نہ کوئی قوت ہے۔ بے شک تو ہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ تو نے جس پر کچھ رحم کیا تو وہ اسی پر ہے۔ جس پر تو نے رحم کیا اور جس پر تو نے پھٹکار کی وہ اسی پر ہے۔ جس پر تو نے پھٹکار کی تو دنیا و آخرت میں میرا کار ساز ہے۔ مجھے یہ حالت اسلام موت دنیا اور نیکو کاروں کے ساتھ ملا دیتا۔ اے اللہ آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے والے غیب و حاضر کے جاننے والے بزرگی و اکرام والے میں اس حیات دنیا میں تجھ سے عہد کرتا ہوں اور تجھے گواہ بناتا ہوں، اور تیری گواہی کافی ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو یکتا ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں تیری ہی بادشاہی ہے اور تیری ہی حمد ہے اور تو ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور تیرے رسول ہیں۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرا وعدہ سچا ہے۔ تیری ملاقات حق ہے۔ قیامت حق ہے آنے والی ہے اس میں کچھ شبہ نہیں، اور جو قبروں میں ہیں تو انہیں پھر سے اٹھائے گا۔ اگر تو (کام) میرے سپرد کر دے تو ضعف، ناتواںی، گناہ و خطار کے سپرد کیے اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں، پس میرے تمام گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں اور میں صرف تیری رحمت پر اعتماد رکھتا ہوں۔ پس میرے گناہ بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں، اور میری توبہ قبول فرما، بے شک تیرے سوا کوئی توبہ قبول کرنے والا نہیں۔

لباس پہنتے وقت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے جیسے عمامہ یا قمیص یا چادر، پھر یہ دعا پڑھتے، اللھم لک الحمد انت کسوتینہ ۲ سألک خیر ما صنع لہ و اعود بک من شر ما صنع لہ (حدیث صحیح)

یعنی اے اللہ تیری لاکھ لاکھ حمد کہ تو نے مجھے یہ پہنایا، میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جس کے لیے بنایا گیا اس کی بھلائی کا سوال کرتا ہوں اور اس کے شر اور جس کے لئے بنایا گیا اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

نیز منقول ہے کہ جب آپ نیا کپڑا پہنتے تو یہ دعا کرتے:

الحمد للہ کسافی ما اواوی بہ عودتی و اتجمل بہ فی حیاتی - یعنی تمام تعریفیں اس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے (لباس) پہنایا جس سے میں اپنی عریانی چھپاتا ہوں اور زندگی میں اس سے زینت حاصل کرتا ہوں۔

اور جو کپڑا کہنہ ہو گیا ہو اسے صدقہ کر دے تو وہ زندگی اور موت میں اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ہوگا اور زندہ یا مردہ حالت میں اللہ کے راستہ میں ہوگا۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ نے ام خالدہ سے انہیں نیا لباس مرحمت کرتے وقت فرمایا: ”اے بوسیدہ کرو، اے پڑانا کرو۔ پھر بوسیدہ کرو اور

پراناکروہیہ دوبارہ فرمایا۔

اور سنن ابن ماجہ میں روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر نیا لباس دیکھا تو فرمایا، کیا یہ نیا ہے یا دھلا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یہ نیا ہے آپ نے فرمایا (لباس)، خوب پہنو۔ قابل تعریف طور پر جیوا اور شہید ہو کر مرو۔



آدابِ خانہ

گھر میں داخل ہوتے وقت اور خانگی مصروفیات کے سلسلے
میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اچانک گھر میں کبھی تشریف نہ لاتے کہ گھر والوں کو پریشان نہ
کرویں، بلکہ اس طرح تشریف لاتے کہ (گھر والوں) کو پہلے سے آپ کی تشریف آوری
کا علم ہوتا۔ پھر آپ سلام کرتے جب آپ اندر تشریف لاتے تو کچھ نہ کچھ دریافت
فرمایا کرتے۔ بسا اوقات پوچھتے کہ کیا کچھ کھانے کو ہے؟ اور بسا اوقات خاموش رہتے
یہاں تک کہ ما حضرت پیش کر دیا جاتا۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے۔
الحمد لله الذی کفانی وآوانی والحمد لله الذی اطعمنی وسقانی والحمد
لله الذی من علی اسألتک ان تجیرنی من النار یعنی تمام تعریفیں اللہ
کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے، اسی نے مجھے پناہ دی اور تمام تعریفیں اللہ
کے لئے ہیں جس نے مجھے کھلایا اور پلایا ہے اور سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس
نے مجھ پر احسان فرمایا، اسے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے دوزخ
سے بچا۔

نیز ثابت ہے کہ آپ نے حضرت انسؓ سے فرمایا کہ جب تم...

اپنے گھر والوں کے پاس جاؤ تو انہیں سلام کرو۔ یہ تمہارے لیے اور تمہارے
گھر والوں کے لیے باعث برکت ہوگا۔ ترمذی نے اسے صحیح حسن کہا ہے۔
سنن میں روایت ہے کہ انسان جب گھر میں داخل ہو تو اسے یہ دعا پڑھنی
چاہیے: اللہم انی اسألك خیر المولی وخیر المخرج بسر ولجنا وعلی
اللہ ربنا توکلنا،

یعنی اے اللہ میں تجھ سے بہترین مدخل اور بہترین مخرج کا سوال کرتا
ہوں۔ اللہ کے نام سے ہم داخل ہوئے اور اپنے رب اللہ پر ہم نے توکل کیا۔
پھر اپنے گھر والوں کو سلام کرے، اور صحیح روایت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم سے منقول ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں داخل ہو تو داخل ہوتے وقت
اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا ذکر کرتے، اس وقت شیطان کہتا ہے کہ (اے شیاطین)
تمہارے لئے یہاں نہ رات گزارنے کی جگہ ہے اور نہ کھانا ہے۔ اور جب داخل
ہو اور اللہ کا ذکر نہ کرے تو شیطان کہتا ہے کہ تمہیں رات گزارنے کی جگہ مل گئی
اور جب کھانا کھاتے وقت بھی اللہ کا ذکر نہ کرے تو کہتا ہے کہ تمہیں رات کی
رہائش اور کھانا دونوں مل گئے۔ (مسلم)
صحیحین میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جب آپ بیت
الخلا میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔

اللہم انی اعوذ بک من الخبث والخبائث۔ نیز آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ پیشاب کر رہے تھے کہ ایک آدمی نے سلام
عرض کیا۔ آپ نے اس کا جواب نہ دیا اور (بعد میں) بتایا کہ ایسے وقت باتیں
کرتے سے اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ دو آدمی اس طرح حواج ضروریہ سے فراغت نہ کریں کہ
(قریب بیٹھے) ننگے ہوں اور باتیں کر رہے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان بے سہمی
کی باتوں سے، خفا ہوتا ہے، نیز یہ گنہ چکا ہے کہ آپ حواج ضروریہ کے وقت

قبلہ کی طرف نہ رخ کرتے نہ بیٹھ کھتے۔

حضرت ابو ایوبؓ، سلمان فارسیؓ، ابو ہریرہؓ، معقل بن ابی معقل۔ عبد اللہ بن حرث بن زبیدی۔ جابر بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے مذکورہ حدیث ثابت ہے اور یہ تمام احادیث صحیح و حسن ہیں۔

حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے کہ آپؐ نے صرف صحراء میں ایسا کرنے سے منع فرمایا یہ آپؐ سے مختص ہے یہ نہی کی ترجمانی نہیں بن سکتی۔ نیز یہ ابو ایوبؓ کی روایت عموم سے ناقض بھی ہے۔ اور جب آپؐ بیت الخلاء سے باہر تشریف لائے تو کہتے۔ نیز آپؐ سے یہ دعا بھی منقول ہے،
الحمد لله الذی اذهب عنی الازی و عافانی،

یعنی سب تعزیریں اللہ ہی کے لئے ہیں جس نے مجھ سے تکلیف دور کر دی اور مجھے بچالیا۔



اذکارِ وضو

آپ سے ثابت ہے کہ پانی کے بھرے ہوئے برتن میں ایک دفعہ آپ نے ہاتھ ڈالا، پھر صحابہ سے فرمایا، اللہ کا نام لے کر وضو کرو۔

اور آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وضو کے لئے آواز دو، چنانچہ پانی لایا گیا۔ آپ نے فرمایا، اے جابر! اسے لہا اور مجھ پر بسم اللہ کہہ کر ڈالو، راوی کہتے ہیں کہ میں نے آپ پر پانی بہایا اور بسم اللہ کہا۔ راوی کا کہنا ہے کہ میں نے آپ کی انگلیوں میں سے پانی کا فوارہ بہتے ہوئے دیکھا۔

امام احمد نے ابو ہریرہؓ، سعید بن زیدؓ اور ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے روایت کیا کہ جس وضو میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے وہ وضو ہی نہیں اس کی سند کمزور ہے۔

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، جو وضو مکمل کر لے اور بعد میں یہ پڑھے اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشہد ان محمد عبدہ و رسولہ تو اس کے لئے جنت کے اٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں۔ جس دروازے سے چاہے اندر داخل ہو جائے۔

(مسلم)

ترمذی نے یہ دعا مزید لکھی ہے کہ مندرجہ بالا دعا کے بعد آپ نے یہ دعا بھی پڑھی،

اللہم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطہرین

یعنی اے اللہ مجھے توبہ کرنے والوں میں کر دے اور مجھے پاکیزگی حاصل کرنے والوں میں شامل کر دے۔

امام احمدؒ نے لکھا ہے کہ پھر آپؐ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا۔ ابن ماجہ نے اور امام احمدؒ نے تین بار کے لفظ کا اضافہ کیا ہے اور تقی بن مخلد نے مند میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی حدیث سے مرفوعاً لکھا ہے کہ ”پھر آپؐ وضو سے فارغ ہوئے تو یہ دعا پڑھی۔
 سبحانک اللہم و بحمدک اشهد ان لا الہ الا انت استغفرک
 و اتوب الیک یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش چاہتا ہوں اور تیری طرف (توبہ کرتے ہوئے) ٹوٹتا ہوں“

اس دعا پر مہر لگا دی جاتی ہے پھر اسے اٹھا کر عرش کے نیچے پہنچا دیا جاتا ہے اور قیامت تک یہ ضائع نہیں ہوتی (نسائی)

اور حضرت ابو موسیٰ اشعرمیؓ سے صحیح روایت میں آیا ہے کہ فرمایا کہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کے موقع پر حاضر ہوا آپؐ سے وضو کرتے وقت میں نے سنا کہ آپؐ دعا کر رہے تھے،

اللہم اغفر لی ذنبی ووسع لی فی داری وبارک لی فی سہراتی۔

یعنی اے اللہ میرے گناہ بخش دے اور میرے لیے گھر میں وسعت عطا فرما۔ اور میرے لیے رزق میں برکت عطا کر۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ اسی طرح دعا کر رہے تھے؟ آپؐ نے فرمایا کیا میں نے کچھ بھی باقی رہنے دیا؟



اذکارِ اذان

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اذان تریجیع اور بلا تریجیع ہر طرح ثابت ہے اور اقامت، ایک ایک اور دو (کی صوت) میں مشروع ہے۔ لیکن قد قامت الصلوٰۃ کا کلمہ آپ سے دو ہی مرتبہ کہنا ثابت ہے۔ اس کا افراد قطعاً آپ سے ثابت نہیں۔ اس طرح اذان کی ابتدا میں آپ سے چار مرتبہ تک کلمہ تکبیر کی تکرار ثابت ہے اور دو بار پر اس کا ختم کرنا ثابت نہیں۔

اور (حضرت ابن عمرؓ) نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اذان کے کلمات دو دو بار تھے اور اقامت کے ایک ایک بار کہے جاتے البتہ قد قامت الصلوٰۃ کا لفظ دو بار کہا جاتا۔

اور حضرت ابو محذورہؓ کی روایت میں کلماتِ اذان کے ساتھ ساتھ "کلمۃ اقامت" کا دو بار کہنا بھی مروی ہے اور یہ تمام صورتیں جائز ہیں۔ ان میں سے کسی ایک صورت میں بھی کراہت نہیں۔ اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔ چنانچہ امام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بلالؓ کی اذان و اقامت اختیار کی۔ ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت بلالؓ کی اذان اور حضرت ابو محذورہؓ کی اقامت اختیار کی اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے اہل مدینہ کا عمل دیکھا کہ وہ اذان میں دو تکبیریں کہتے، اور کلمہ اقامت ایک بار کہتے ہیں انھوں نے اسے اختیار کر لیا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ سب نے سنت کی روشنی میں اجمہاد کیا ہے۔ اذان اور اس کے بعد ذکر سے متعلق است

کے لئے پانچ صورتیں مشروع ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ سننے والا مؤذن کے کلمات والفاظ دوہراتا جائے سولے سولے حتیٰ علیٰ الصلوٰۃ اور حتیٰ علی الفلاح کے اس وقت لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہنا چاہیے۔ ان دونوں کو جمع کرنا مروی ہے۔ بلکہ آپ کی سنت یہ ہے کہ اس موقع پر لا حول ولا قوۃ الا باللہ کہا جائے، اور یہ صورت مؤذن اور سننے والے کی طبعی مقتضائے حال کے مطابق ہے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ رضیت باللہ رباً وبالوالدینا وبمحمد نبیاً کہے یعنی میں اللہ کے رب ہونے۔ اسلام کے دین ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر راضی ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ جس نے یہ کہا اس گناہ بخشے گئے۔

۳۔ تیسرے مؤذن کی اذان کا جواب دینے کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا۔

۴۔ چوتھے اذان کے بعد یہ دعا پڑھنا، اللهم رب هذا الدعاء والصلوة والصلوة القائمة ات محمد الوسیلة والفضیلة وابعثه مقاماً محموداً الذی وعدتہ انک لا تختلف المیعاد۔ یعنی اے اس مکمل پکار اور قائم ہونے والی نماز کے مالک محمد صلی اللہ علیہ وسلم، کو وسیلہ، فضیلہ عطا فرما، اور انھیں مقام محمود عطا فرما، جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

۵۔ پانچویں یہ کہ اس کے بعد اپنے لیے دعا کرے اور اللہ کے فضل کا طلبگار ہو کیونکہ اس کی دعا قبول ہوگی جیسے کہ سنن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا، جس طرح مؤذن کہے اسی طرح تم بھی کہو، جب ختم کرو تو اللہ سے دعا کرو قبول ہوگی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ جب اذان دینے والا اذان دے اس وقت یہ دعا کرے۔
اللهم رب هذا الدعاء والصلوة النافعة صل علی محمد وارض

عنی رضاء لا سخط بعداً یعنی اے اللہ اس کا مل پکار اور فائدہ دینے والی نماز کے پروردگار محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحمت فرما، اور مجھ سے اس طرح کی نموشنودی سے راضی ہو جا کہ جس کے بعد کوئی ناراضگی نہ ہو۔

حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سکھایا کہ مغرب کی اذان کے وقت یہ دعا پڑھا کروں۔

اللهم ان هذا اقبال ليلك وادبار نهارك واصوات دعواتك فاغفر لي۔
یعنی، اے اللہ بے شک یہ تیری رات کی آمد تیرے دن کا رجوع اور تجھ کو پکارنے کا وقت ہے پس مجھے بخش دے (ترمذی)

اور مستدرک حاکم میں حضرت ابو امامہؓ سے مرفوع روایت ہے کہ جب آپ اذان سنتے تو یہ دعا پڑھتے: اللهم رب هذه الدعوة التامة المستجابة والمستجاب لها دعوة الحق وكلمة التقوى توفني عليها واحيني عليها واجعلني من صالح اهلها عملا يوم القيامة نیز آپ سے منقول ہے کہ آپ اقامت کے کلمے (قد قامت الصلوة کے موقع پر اقامہ اللہ وادامہا کہتے، اور سنن میں مروی ہے کہ اذان و اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔

عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول ہم کیا دعا کریں؟
آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عاقبت مانگو۔

اور دوسری صحیح روایت میں آتا ہے کہ اس میں دو ساعتیں ہیں۔ جن میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اذان کے وقت اور اللہ کے راستہ میں میدان جنگ کی صف بندی کے موقع پر دعا کرنے والے کی دعا شاذ ہی رد کی جاتی ہے۔

عشرہ ذی الحجہ میں

کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید

ذالْحِجَّةِ کے عشرہ میں آپ بکثرت دعا کرتے ، اور کثرت تکبیر و تحمید و تہلیل کی تاکید فرماتے آپ یومِ عرفہ کی نماز فجر سے لے کر آخری یوم تشریق کی عصر تک تکبیریں کہا کرتے۔ چنانچہ آپ پڑھا کرتے ، اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد ، یعنی ، اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے اللہ سب سے بڑا ہے ، وہی سزاوار حمد ہے۔



رویت ہلال کے موقع پر سنت نبویؐ

آپؐ سے ایسے موقع پر اس دعا کا پڑھنا منقول ہے :-

اللهم اهله علينا يا لامن والايمن وابسلامة والاسلام ربنا وربك الله
(ترمذی) یعنی: اے اللہ ہم پر یہ چاند امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے ساتھ طلوع کر۔
میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے (حدیث حسن)

نیز آپؐ سے چاند دیکھتے وقت یہ دعا بھی مروی ہے۔

اللهم اكبر اللهم اهله علينا يا لامن والايمن والاسلام والاسلام
والتوفيق لما تحب وترضى ربنا وربك الله (دارمی)

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے۔ اے اللہ ہم پر امن، ایمان، سلامتی اور اسلام کے

ساتھ اور جس پر تو راضی ہے اور پسند کرتا ہے ان باتوں کے ساتھ طلوع ہلال کر۔ ہمارا
پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔

قبل و بعد از طعام از کار نبوی

جب آپ کھانا شروع کرتے تو بسم اللہ کہتے اور کھانے والے کو بسم اللہ پڑھنے کا حکم دیتے اور فرمایا کرتے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھانے لگے تو اسے چاہیے کہ اللہ کا نام لے۔ اگر ابتداء میں اللہ کا نام لینا بھول جائے تو پھر اس طرح کہے بسم اللہ فی اولہ و آخرہ۔ اور صحیح یہ ہے کہ کھاتے وقت بسم اللہ کہنا واجب ہے۔

اصحاب احمد کا ایک قول یہی ہے۔ اور احادیث امر (وجوب) صریحاً صحیح ہیں ان کا کوئی معارض نہیں اور نہ اس کے خلاف اجماعی مروی ہے اور (بسم اللہ) کو چھوڑ دینے والا کھانے اور پینے میں شیطان کا شریک (حصہ دار) ہے۔

ایک فکر انگیز مسئلہ | ایک قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ جب کھانے والے ایک جماعت کی صورت میں ہوں۔ اور ایک آدمی بسم اللہ پڑھ لے تو باقی لوگوں سے یہ وجوب ہٹ جائے گا؟ اور شیطان کی مشارکت ختم ہو جائے گی؟ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی کا بسم اللہ کہہ لینا باقی کھانے والوں کی جانب سے بھی اسے ادا کر دے گا اور اصحاب شافعی نے اسے سلام کا جواب دینے اور چھینک کا جواب دینے پر محمول کیا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ بسم اللہ پڑھے بغیر شیطان کی مشارکت ختم نہ ہوگی۔ اور دوسرے آدمی کی بسم اللہ کسی اور کفایت نہ کرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خدیجہؓ کی حدیث میں ذکر ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ کھانے میں حاضر ہوئے، اچانک ایک لڑکی آئی اور کھانے میں ہاتھ ڈالنے لگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر ایک اعرابی آیا۔ آپ

نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان اپنے لیے کھانے کو حلال کرنا چاہتا ہے۔ اس صورت میں کہ اس پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے۔ پہلے وہ اس لڑکی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھائے۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ پھر اعرابی کے ساتھ آیا تاکہ اس کے ذریعہ کھانا کھائے میں نے اس کا بھی ہاتھ پکڑ لیا اور قسم ہے مجھے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ (شیطان) کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھوں کے ہمراہ میرے ہاتھ میں (گرفتار) ہے۔ پھر انہوں نے بسم اللہ پڑھی اور کھانے میں شریک ہوئے۔ اب اگر ایک آدمی کی بسم اللہ ہی کافی ہوتی تو شیطان کھانے میں ہاتھ کیوں ڈالتا؟ اور حضرت جابر سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کھانے پر بسم اللہ کھنا بھول جائے اسے چاہیے کہ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد قل ہو اللہ احد پڑھ لے یہ روایت مشکوک ہے۔

اور جب آپ کے سامنے سے دسترخوان اٹھالیا جاتا تو اس وقت یہ دعا پڑھتے
الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه غير مكفى ولا مودع ولا مستغنى
عنه ربنا عز وجل (بخاری)

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، بہت ہی تعریفیں پاکیزہ، برکت والی نہ
ایسی جو بے پروا کر دیں یا ترک کر دیں اور جن سے استغنا ہو اسے ہمارے بزرگ
بزرگ پروردگار۔

بسا اوقات آپ یہ دعا بھی پڑھتے؛ الحمد لله الذي اطعمنا وسقانا وجعلنا
مسلمين؛ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہمیں
مسلمان بنایا۔

نیز یہ دعا بھی پڑھتے؛ الحمد لله الذي اطعم وسقى وسوغه وجعل له مخرجاً۔
امام ترمذی نے بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی کھانا کھائے اور اس
کے بعد یہ دعا پڑھے اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ دعا یہ ہے:-
الحمد لله الذي اطعمني هذا من غير حول مني ولا قوتاً۔ یعنی سب تعریفیں

اُس ذات کے لئے ہیں جس نے مجھے یہ کھلایا جبکہ نہ مجھے تو فریق تھی اور نہ قوت ۔

امام بخاریؒ نے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپ پڑھا کرتے : الحمد لله الذی کفانا
وآوانا یعنی سب تعریفیں اس ذات کے لئے جو ہمیں کافی ہے اور جس نے ہمیں پناہ دی
آپ سے منقول ہے کہ جب کھانا پیش کیا جاتا تو آپ بسم اللہ پڑھتے اور جب کھانے
سے فارغ ہو جاتے تو یہ دعا پڑھتے اللهم اطعمت و سقیت و اغنیت و اقنیت
و هدیت و احدثت فلا الحمد علی ما اعطیت ۔

یعنی : اے اللہ تو نے کھلایا تو نے پلایا اور تو نے تروت عطا کی اور تو نے غنا عطا
کیا اور تو نے ہدایت دی اور تو نے زندہ کیا ۔ پس تیری عطا پر تیری ہی حمد ہے ۔
اور سنن میں منقول ہے کہ جب آپ کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے :
الحمد لله الذی من علینا و هدانا و الذی اشبعنا و اسرانا و کل
الاحسان انانا یعنی سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہم پر احسان کیا اور ہمیں ہدایت
دی اور جس نے ہمیں سیر کیا اور سیر اب کیا اور ہم پر ہر قسم کا احسان فرمایا ۔
نیز سنن میں آتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو یہ دعا پڑھے ہر
اللهم بارک لنا فیہ و اطعمنا خیرا منه یعنی : اے اللہ اس میں ہمارے لئے

برکت فرما اور ہم کو اس سے بہتر کھلا ۔
اور جس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دودھ پلائے ، وہ کہے : اللهم بارک
لنا فیہ و خردنا منه یعنی ” اے اللہ ہمارے لیے اس میں برکت فرما اور ہمیں اس
قسم کا طعام زیادہ عطا کرے “

اور آپ جب برتن سے پانی پیتے تو تین بار سانس لیتے اور ہر سانس پر الحمد لله
کہتے اور آخر میں الحمد لله و الشکر لله بھی کہتے ۔

آنحضرتؐ کا دستور خانہ | نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف
لائے تو معلوم فرماتے کہ کیا کچھ کھانے کے لیے ہے؟
آپ نے کبھی بھی کھانے میں عیب نہیں نکالا، بلکہ اگر اشتہا ہوتی تو تناول فرم لینے

ورنہ ہاتھ کھینچ لیتے اور خاموش رہتے۔ گاہے گاہے فرماتے کہ مجھے اشتہا نہیں۔ کبھی کبھی آپ کھانے کی تعریف بھی فرماتے ایک مرتبہ آپ نے سالن کے متعلق دریافت فرمایا تو عرض کیا گیا صرف سرکہ ہے تو آپ نے وہی کھانا شروع کر دیا اور فرمانے لگے:

سرکہ تو بہترین سالن ہے۔

اور جب آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا جائے اور آپ روزے سے ہوتے تو فرماتے کہ میرا روزہ ہے ”اور حکم دیتے کہ اگر روزے دار کو کھانا پیش کیا جائے تو کھانا پیش کرنے والے کو دعا دو۔ اور اگر روزے سے نہ ہوتے تو تناول فرماتے اور جب آپ کو کھانے پر مدعو کیا جاتا اور کوئی دوسرا بھی آپ کے ہمراہ ہو جاتا تو آپ دعوت دینے والے کو مطلع کرتے اور فرماتے کہ یہ بھی ہمارے ہمراہ ہے۔ اب اگر تم چاہو تو اسے اجازت دے دو۔ ورنہ واپس چلا جائے۔

اور حدیثِ نخل میں آیا ہے کہ آپ کھانا کھاتے وقت باتیں بھی کر لیتے تھے مثلاً آپ نے ایک خادم سے جو کھانا کھلا رہا تھا فرمایا کہ بسم اللہ کہو اور سامنے سے کھاؤ اور بسا اوقات آپ مہمانوں کو کھانے کی کئی بار پیشکش فرماتے جیسے دودھ پینے کا واقعہ حضرت ابوہریرہؓ کے ساتھ پیش آیا۔ آپ نے بار بار فرمایا پیو اور پیو پیو آپ فرماتے رہے۔ آخر ابوہریرہؓ نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو سچا نبی بنا کر مبعوث فرمایا۔ اب تو کوئی راہ (خالی) نہیں رہی۔

اور جب آپ کسی جماعت کے ہاں کھانا کھاتے، تو دعا دینے بغیر تشریف نہ لے جاتے چنانچہ آپ نے حضرت عبداللہ بن بسر کے گھر میں یہ دعا کی:

اللہم بارک لہم فیما رزقنہم و اغفر لہم و ارحمہم یعنی اے اللہ تو نے جو ان کو رزق دیا ہے اس میں برکت عطا فرما اور ان کو بخش دے اور ان پر رحم فرما (مسلم)

اور حضرت سعد بن عبادہؓ کے گھر میں یہ دعا کی:-

افطر عندکم الصاعون و اکل۔ لعامکم الا برار و صلت علیکم الملائکۃ،

یعنی تمہارے ہاں روزے داروں نے روزہ کھولا اور نیکوں نے تمہارا کھانا کھایا اور فرشتوں نے تمہارے لئے دعائے رحمت کی۔

اور آپ کسی کے ساتھ بھی بیٹھ کر کھانے سے نفرت نہ کرتے چاہے وہ چھوٹا یا بڑا ہوتا چاہے آزاد یا غلام، اعرابی یا مہاجر۔ یہاں تک کہ اہل سنت نے آپ سے روایت کیا کہ آپ نے ایک جذامی کا ہاتھ پکڑا اور اپنے پیالے میں ڈال دیا اور فرمایا کھاؤ: بسم اللہ ثقۃ باللہ و توکلہ علیہ۔

اور آپ دائیں ہاتھ سے کھانے کا حکم فرماتے اور بائیں ہاتھ سے کھانے سے منع فرماتے اور فرمایا کرتے کہ شیطان بائیں ہاتھ سے کھاتا اور بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور اس ہاتھ سے کھانے کی ممانعت بھی اسی وجہ سے ہے اور یہ ہے بھی درست کہ کھانے والا یا شیطان ہو گا یا اس کے مشابہ۔

اور صحیح روایت میں ہے کہ آپ کے پاس ایک آدمی نے کھانا کھایا اور بائیں ہاتھ سے کھایا۔ آپ نے فرمایا کہ دائیں سے کھاؤ اس نے جواب دیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا۔ آپ نے فرمایا خدا کرے تجھ سے نہ ہو سکے۔ چنانچہ اس کے بعد اس کا ہاتھ اوپر نہ اٹھ سکا (خشک) ہو گیا، اس لئے اگر یہ جائز ہوتا تو آپ بددعا نہ دیتے اگر اس نے تکبر کے باعث آپ کے فرمان کی مخالفت کی۔ تو یہ بددعا کے استحقاق اور نافرمان کا زیادہ مصداق ہو گا اور بعض لوگوں نے درخواست کی کہ ہم سیر نہیں ہوئے آپ نے فرمایا اکٹھے مل کر کھانا کھاؤ اور علیحدہ علیحدہ مت (کھاؤ) نیز بسم اللہ بڑھ کر کھاؤ اس سے برکت ہوگی۔

صحیحین میں سے
سلام کرنے اور اذن چاہنے سے متعلق اپنی سیرت طیبہ مروی ہے

کہ بہترین اور اعلیٰ اسلام یہ ہے کہ تو کھانا کھلائے اور جاننے والے اور نہ جاننے والے سب کو سلام کرے۔

نیز صحیحین میں روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا

فرما کر انہیں حکم دیا کہ فرشتوں کی جماعت کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کرو اور سناؤ کہ وہ تمہیں کس طرح سلام کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ تمہارا اور تمہاری اولاد کا جواب سلام یہی ہوگا۔ چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے ان سے کہا: سلام علیکم۔ انہوں نے جواب دیا۔ السلام علیک ورحمة اللہ انہوں نے رحمة اللہ علیہ کا اضافہ کر دیا۔ نیز آپ نے سلام کو عام کرنے کا حکم دیا اور بتایا کہ جب وہ سلام کو عام کریں گے تو ان کو آپس میں محبت پیدا ہو جائے گی اور اصول یہ ہے کہ وہ تب تک جنت میں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ ایمان نہ لے آئیں اور جب تک ان کی آپس میں محبت نہ ہو وہ مومن نہیں ہو سکتے۔ !

آدابِ سلام

آپ کی عورتوں بچوں اور غریبوں پر سلام میں پیشقدمی

صحیح بخاری میں ہے کہ تین باتیں جس نے جمع کر لیں اس نے ایمان کو حاصل کر لیا:-

۱) اپنے آپ سے انصاف کرنا۔

۲) سلام کرنا۔

۳) اور تنگی کے وقت خرچ کرنا۔

اور سلام کرنے کا مطلب تواضع و انکساری ہے۔ ایسا آدمی کسی کے سامنے تکبر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر چھوٹے بڑے امیر و غریب جاننے والے اور نہ جاننے والے کو سلام کرتا ہے اور تکبر کی حالت اس کے برعکس ہوتی ہے کیونکہ وہ اس شخص کے سلام کا جواب بھی تکبر کے باعث نہیں دیتا جو خود اسے سلام کرے اس صورت میں وہ خود کیسے کسی کو سلام کرے گا؟

آپ بچوں کے پاس سے گزرے تو آپ نے انہیں سلام کیا (مسلم)

اور ترمذی نے روایت کیا ہے کہ آپ ایک دن عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے

گزرے تو آپ نے انہیں ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا۔

ابوداؤد نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن ہم عورتوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرے تو سلام کیا۔ ترمذی کی بھی یہی روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ایک ہی ہے اور آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے سلام کیا تھا۔

اور بخاری نے روایت کیا کہ صحابہؓ ایک مرتبہ جمعہ کے دن واپسی پر عورتوں کے پاس سے

گزرے تو انہیں سلام کیا، انہوں نے جو اور ستو پیش کیے۔
اور عورتوں کو سلام کرنے کا مسئلہ صحیح یہ ہے کہ محرم (جن سے پردہ نہیں ہے) اور بڑھیاؤں
کو سلام کیا جاسکتا ہے اور دوسری عورتوں کو ممنوع ہے۔

اور صحیح بخاری میں آپ سے مروی ہے
سلام میں پیش قدمی کسے کرنا چاہیے؟ کہ چھوٹا بڑے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے

کو اور سوار چلنے والے کو اور تھوڑے (افراد) زیادہ کو سلام کریں۔

اور جامع ترمذی میں آپ سے مروی ہے کہ چلنے والا کھڑے کو سلام کرے اور مسند نماز میں
آپ سے مروی ہے کہ سوار چلنے والے کو اور چلنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے اور دو چلنے
والوں میں سے جو پہل کرے وہ افضل ہے۔

اور سنن ابوداؤد میں ہے کہ جو سلام میں ابتداء کرے وہ اللہ کے ہاں تمام لوگوں سے بہتر
ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ تھی کہ کسی جماعت کے پاس سے گزرتے تو واپس
ہونے وقت سلام کرتے۔ نیز آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی بیٹھے تو سلام کرے اور جب
کھڑا ہو تو سلام کرے اور پہلا دوسرے سے زیادہ حقدار نہیں۔

اور ابوداؤد نے آپ سے روایت کیا کہ جب تم میں سے کوئی اپنے رفیق سے ملے تو سلام کرے
اور اگر (چلتے چلتے) کوئی درخت یا دیوار حائل ہو جائے۔ اس کے بعد پھر ملیں دوبارہ سلام کرے
نیز حضرت انس نے بتایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ چلا کرتے۔ تو اگر راہ میں کوئی درخت
یا پتھر آجاتا تو دائیں بائیں ہٹ جاتے اور جب دوبارہ ملتے تو ایک دوسرے کو سلام کرتے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ یہ ہے کہ مسجد میں آنے والا سب سے پہلے تحیۃ المسجد
کے دو نقل پڑھے، اس کے بعد حاضرین کو سلام کرتے تاکہ تحیۃ المسجد، تحیۃ القوام سے مقدم ہو
جائے۔ کیونکہ یہ اللہ کا حق ہے اور سلام کرنا قوم کا حق تھا۔ اس قسم کے حقوق میں اللہ کا حق مقدم
ہوتا ہے۔ بخلاف مالی حقوق کے تو ان میں کافی نزاع پایا جاتا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے
ساتھ صحابہ کا یہی معمول تھا کہ کوئی صحابی مسجد میں آتا تو سب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرتا۔ پھر نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کرتا۔ اس لیے مسجد میں آنے والے کے لیے تین باتیں ترتیب وار

ضروری ہیں۔ جبکہ مسجد میں کوئی جماعت بھی بیٹھی ہوئی ہو۔ (۱) ایک یہ کہ داخل ہوتے وقت یہ دعا پڑھے **بِسْمِ اللّٰهِ وَالصَّلٰوةِ وَالسَّلَامِ عَلٰی (سُورَةُ التَّوْحِيْدِ) (۲)** پھر تہنیت المسجِد کے دو نفل ادا کرے (۳) اس کے بعد لوگوں کو سلام کرے۔ اور جب آپ رات کو اپنے گھر میں داخل ہوتے تو آپ اس طرح سلام کرتے کہ جاگنے والا سن لے اور جو سویا ہو وہ نہ جاگے (مسلم)

امام ترمذی نے کلام سے قبل ہی آپ کے سلام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ روایت کے دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کسی کو دعوت طعام دینے سے قبل سلام کر لو۔ اس کا اسناد اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر عمل ہے اور ابوالاحد نے عبدالعزیز بن ابی داؤد کی حدیث نقل کی ہے۔ انہوں نے نافع سے انہوں نے حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

سوال سے قبل ہی سلام ہونا چاہیے، اس لئے جو سلام سے پہلے سوال کرے اس کا جواب مسترد اور آپ سے منقول ہے کہ آپ اس کو اجازت نہ دیتے جو سلام نہ کرتا اور آپ سے منقول ہے کہ جو سلام سے ابتداء نہ کرے اسے اجازت مسترد۔ اس سلسلہ میں سب سے عمدہ ترمذی کی روایت ہے جو انہوں نے کلاؤ بن حنبلی سے نقل کی کہ صفوان بن امیہ نے انہیں دودھ دے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم وادی میں اونچی جگہ تھے۔ راوی کہتے ہیں کہ میں وہاں داخل ہوا نہ میں نے سلام کیا اور نہ اجازت چاہی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، واپس جاؤ اور کہو السلام علیکم ادخل یعنی السلام علیکم کیا مجھے اندر آنے کی اجازت ہے؟

اور جب آپ کسی کے دروازے پر تشریف لاتے تو دروازے کے بالمقابل کھڑے نہ ہوتے بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہوتے اور کہتے السلام علیکم السلام علیکم۔

اور جو چاہتا کہ غائب کو سلام دیا جائے اس کے

جواب کے سامنے آتا آپ خود اس کو سلام کرتے

سلام کی (ذمہ داری) اٹھانے اور اگر کسی نے سلام کیا ہوتا تو وہ سلام پہنچا دیتے جیسا کہ ام المؤمنین، صدیقہ النساء حضرت خدیجہ بنت خویلہ رضی اللہ عنہا کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا سلام پہنچایا، جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ حضرت خدیجہؓ آپ کے پاس کھانا لے کر آئی ہیں۔ انہیں ان کے پروردگار کا

سلام پہنچا دیجیئے اور جنت میں انہیں مکان کی خوشخبری دے دیجیئے اور جب آپ نے صدیقہ ثانیہ ام المومنین حضرت عائشہ بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ یہ جبریل ہیں اور تمہیں سلام کہہ رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ علیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ دیکھتے ہیں جو ہم نہیں دیکھ سکتے۔ امام نسائی نے نقل کیا کہ ایک آدمی حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیک۔ آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا دس ذکیاں۔

پھر دوسرا آیا اور اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا اور فرمایا بیس اور وہ بیٹھ گیا۔

پھر ایک اور حاضر ہوا۔ اس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! آپ نے اس کا جواب دیا اور فرمایا: بیس ذکیاں، (نسائی، ترمذی)۔

آپ جس سے ملتے سب پہلے سلام کرتے اور جب آپ کو سلام کیا جاتا۔ آپ فوراً ہی اس جیسا یا اس سے بہتر جواب دیتے۔ ہاں اگر کوئی عذر ہوتا ہے

نماز میں مشغول ہوتے یا قضاے حاجت کر رہے ہوتے (تو یہ دیر ہو جاتی، اور صحابہ آپ کا جواب سن لیتے۔ آپ ہاتھ سر یا انگلی کے اشارہ سے جواب نہ دیتے۔ سوائے نماز کے، کیونکہ اگر نماز کی حالت میں، سلام کیا جاتا تو آپ اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ یہ کئی صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کی کوئی صحیح روایت معارض نہیں۔ ابو عطفان کی حدیث (جو اس کی معارض بنائی جاتی ہے) ایک مجہول آدمی کی روایت ہے جس نے ابو ہریرہؓ نے روایت کی کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ جس نے نماز میں ایسا اشارہ کیا جس سے (کچھ مطلب) سمجھا جائے تو اسے نماز لوٹانی چاہیے۔

دارقطنی نے فرمایا کہ ہمیں ابو داؤد نے بتایا کہ ابو عطفان ایک مجہول آدمی ہے اور صحیح یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اشارہ فرمایا کرتے تھے جیسا کہ حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ وغیرہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت کیا ہے۔

سلام کی ابتداء کے وقت آپ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ اس طرح سلام کرتے: السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور ابتداء میں اس طرح کہنے کو ناپسند فرماتے: علیک السلام!

ابو ہریرہؓ بھیجتی کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا علیک السلام

یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ علیک السلام مت کہو یہ مُردوں کا سلام ہے۔

اور صحیحین میں حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ جاؤ اور فرشتوں کی اس جماعت کو سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ کیونکہ یہی تیرا اور تیری اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہوگا۔ چنانچہ (حضرت آدم علیہ السلام) نے کہا: السلام علیکم انہوں نے جواب دیا: السلام علیک ورحمۃ اللہ یعنی انہوں نے رحمۃ اللہ زاد کہا، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا تحیہ (سلام کا جواب) ہے۔

اہل کتاب کو سلام کرنے سے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ

ثابت ہے آپ نے فرمایا: اہل کتاب کے ساتھ سلام میں پہل نہ کرو۔ جب تم راستہ میں ان سے ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف مجبور نہ کرو۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ ایک خاص موقع کا واقعہ ہے۔ جب آپ بنی قریظہ کی طرف گئے تو فرمایا، انہیں سلام کرنے میں پہل نہ کرو، اب بات یہ ہے کہ یہ حکم اہل ذمہ کے لیے عام ہے یا اس جیسی قوم کے لئے ان حالات سے مخصوص ہے۔ یہ قابل نظر ہے۔

چونکہ صحیح مسلم میں بھی حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو سلام کرنے میں پہل نہ کرو۔ اگر انہیں کسی راستہ میں ملو تو انہیں تنگ راہ کی طرف نہ جائے۔ یہ مجبور نہ کرو۔ یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم عام ہے اور سلف و خلف میں اس مسئلہ کے متعلق اختلاف پایا جاتا ہے۔ لیکن اکثریت اسی طرف ہے کہ ان کو سلام کرنے میں پہل نہ کی جائے۔

اور ان کے سلام کا جواب دینے کے وجوب کے متعلق بھی اختلاف ہے جمہور اسے واجب سمجھتے ہیں اور یہی درست بھی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ ان کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں، جیسے بدعتی کے سلام کا جواب دینا ضروری نہیں ہوتا بلکہ غیر اولیٰ ہے۔ اور پہلی صورت زیادہ درست ہے۔ اور اس میں فرق یہ ہے کہ ہمیں اہل بدعت سے قطع تعلق کا حکم ہے تاکہ اس سے انہیں تعزیر و رزحہ کی جائے، خلاف اہل ذمہ کے کہ ان کی حالت دوسری ہے؟

آپ ایک جماعت کے پاس سے گزرے جس میں مسلمان، مشرکین، بت پرست اور یہودی تھے۔ آپ

نے انہیں سلام کیا (یہاں آپ کے خطاب سے مراد صرف مسلمان سے بھی ہو سکتا ہے) اور صحیح روایت میں ثابت ہے کہ آپ نے ہر قبل وغیرہ کو نامہ مبارک لکھا تو یہ سلام لکھا: (یعنی جو سیدھی راہ چلے اس پر سلامتی ہو لے)

اجازت چاہنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ | صحیح روایت میں آگے

سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اذن چاہنا تین بار ہوتا ہے۔ اس لیے اگر اجازت مل جائے تو ٹھیک ورنہ لوٹ جاؤ۔

اور صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اذن چاہنا محض دیکھنے کے لیے ہے۔

نیز آپ سے مروی ہے آپ نے فرمایا کہ جس نے آپ کے حجروں میں سے ایک حجرہ میں بھی دیکھنے کی (گوشش) کی، اس کی آنکھ نکال دی جائے۔ اور فرمایا کہ اجازت چاہنے کا طریقہ اسی لیے ہے (تاکہ) آنکھوں سے دیکھنے (کی ضرورت نہ رہے) اور صحیح روایت میں آپ سے منقول ہے فرمایا: اگر اجازت کے بغیر کسی آدمی نے تیرے (گھر میں) نظر ڈالی اور تو نے اسے کنکر مار دیا جس سے اس کی آنکھ پھوٹ گئی تو تجھ پر کچھ گناہ نہیں۔ نیز آپ سے منقول ہے کہ فرمایا: جو کسی کے گھر میں اجازت کے بغیر تانک جھانک کرے تو گھروالوں کو جانے دے کہ اس کی آنکھ پھوڑ دیں تو کوئی دیت یا قصاص نہ ہوگا اور صحیح مسئلہ یہ ہے کہ اذن چاہنے سے قبل سلام کرنا چاہیے۔

جب دریافت کیا جائے کہ تم کون ہو؟ جواب دیا جائے فلاں بن فلاں! | یا اپنے

یا لقب ظاہر کرے اور یہ نہ کہے کہ ”میں“ بلکہ جیسے حضرت جبریل علیہ السلام نے فرشتوں سے جب دروازہ کھولنے کو کہا تو انہوں نے پوچھا، کون؟

۱۔ اہل کتاب سے متعلق سلام کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح سنت یہاں ہے کہ انہیں اگر سلام کیا جائے تو ”السلام من اتباع الہدی کہے۔ باقی رہا اسے تنگ راستے کی طرف جانے پر مجبور کر دینا یہ بات آنحضرت کی اس افتاد کے طبع کے بالکل خلاف ہے جو آپ نے مشرکین تک کے لیے اختیار کر رکھی تھی، (رؤیس احمد جعفری)

انہوں نے جواب دیا کہ ”جبریل“ تمام آسمانوں پر یہی (سوال و جواب) ہوتا رہا۔
 اسی طرح صحیحین میں منقول ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک باغ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت ابو بکر
 صدیق رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور اجازت چاہی۔ آپ نے دریافت کیا۔ کون؟ عرض کیا، ابو بکر۔
 پھر عمر اور عثمانؓ حاضر ہوئے اور صحیحین میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کے پاس حاضر ہوا اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟
 میں نے کہا: ”میں“۔ آپ نے فرمایا:

میں میں گویا کہ آپ نے ناپسند فرمایا۔ اور جب ام ہانیؓ نے اجازت چاہی۔ تو آپ نے دریافت فرمایا
 یہ کون ہے؟

انہوں نے عرض کیا، ام ہانیؓ۔ آپ نے کنیت کے ذکر کو مکروہ نہیں سمجھا۔ اس طرح جب آپ نے
 ابو ذرؓ سے دریافت کیا کہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا، ابو ذرؓ، ایسے ہی البوقتادہؓ سے دریافت
 فرمایا، کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا البوقتادہؓ

یہی وہ اجازت جو کہ اللہ نے غلاموں کو اور ان بچوں کو حکم دی ہے جو ابھی رشد و بلوغت کو نہیں
 پہنچے اس کے تین مواقع ہیں۔ ایک فجر سے قبل، دوپہر کے وقت اور سوتے وقت۔ چنانچہ حضرت ابنے
 عباسؓ اس کا حکم فرمایا کرتے اور کہا کرتے کہ لوگوں نے اس پر عمل ترک کر رکھا ہے۔ ایک
 گروہ کا خیال ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے۔

پھینکنے کے آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ پھینک کو پسند کرتا ہے اور جمائی کو ناپسند کرتا ہے۔ لہذا جب تم میں سے کسی کو پھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو سننے والے مسلمان پر حق (واجب) ہے کہ جواب میں یرحمک اللہ کہے۔ رہی جمائی تو یہ شیطان کی طرف سے ہے لہذا جب تم میں سے کسی کو جمائی آئے تو چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے اسے روکے۔ کیونکہ جب تم میں سے کوئی جمائی لیتا ہے تو شیطان ہنستا ہے (بخاری)۔

اور صحیح روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کسی کو پھینک آئے تو اسے چاہیے کہ وہ الحمد للہ کہے اور اس کے بھائی یا رفیق کو چاہیے کہ جواب میں یرحمک اللہ کہے اور جب وہ یرحمک اللہ کہے تو پہلے شخص کو چاہیے کہ یرحمکم اللہ و یصلح بالکم (اللہ تمہیں ہدایت دے اور تمہارا حالات درست کر دے)۔

اور پھینکنے کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ابو داؤد نے حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب پھینک آئی تو آپ نے اپنا ہاتھ یا کپڑا چہرہ انور پر رکھ لیتے یا دوسرے نیچا کرتے یا آواز پست فرمایا (ترمذی)۔

نیز آپ سے منقول ہے کہ بڑی جمائی اور تیز پھینک شیطان کی جانب سے ہے۔

نیز منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جمائی لینے اور پھینک کے وقت آواز کے بلند کرنے کو ناپسند کرتا ہے اور صحیح روایت میں مروی ہے کہ ایک آدمی کو آپ کی مجلس میں پھینک آئی۔ آپ نے یرحمک اللہ فرمایا پھر دوبارہ اسے پھینک آئی تو آپ نے فرمایا اس آدمی کو زکام ہے۔ یہ مسلم کے الفاظ ہیں (کہ آپ نے دوسری

لہ اس لیے کہ پھینک ایک حد تک صحت کی علامت ہے اور جمائی یکسر کاہلی اورستی کی۔ (رعیس احمد جعفری)

مرتبه فرمایا، لیکن ترمذی نے اس سلسلہ کو سلمۃ سے نقل کیا ہے کہ ایک آدمی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں چھینک آئی اور میں موجود تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یرحمک اللہ پھر اسے دوبارہ چھینک آئی، پھر سہ بارہ (ایسا ہوا) تبسری بار) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس آدمی کو زکام ہے۔ ترمذی اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔

اور ابو داؤد نے حضرت سعید بن ابی سعید سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے موقوفاً نقل کیا ہے کہ تیرے بھائی کو اگر تین بار چھینک آئی تو وہ واقعی چھینک تھی اور جو اس سے زیادہ چھینکا وہ زکام ہے اور چھینک میں سنت وہی ہے جو تین بار ہو۔ یہی نعمت ہے جسے اللہ پسند کرتا ہے اند بدن کے ہلکا ہو جانے اور خراب قسم کے بخارات کے خارج ہو جانے کی علامت ہے اور جو تین بار سے بڑھ جائے (تو بیماری ہے) اس لیے ایسے آدمی کے لیے عافیت کی دعا کرنے کے متعلق اشارہ ہے کیونکہ زکام ایک مرض ہے اور اس صورت میں اس آدمی کے لیے ایک معقول عذر ہے۔ جس نے تین بار کے بعد تشمیت (دعا کرنا، چھوڑ دینا) اور اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اس مرض کے دفعینہ کے لیے جلدی کی جائے ویرنہ کی جائے ورنہ علاج مشکل ہو جائے گا۔ گویا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ کلام حکمت، علم اور ہدایت پر مشتمل تھے۔

دو اختلافی مسائل | دو مسائل ایسے ہیں جن میں لوگوں کا اختلاف ہے کہ چھینکنے والے نے جب الحمد للہ کہا تو بعض حاضرین نے سنا اور بعض نے نہیں سنا تو جنہوں نے

نہیں سنا کیا نہیں بھی اس کا جواب دینا لازم ہے؟

اس باب میں دو قول ہیں اور ظاہر مسئلہ یہ ہے کہ جب یہ یقین ہو گیا کہ اس نے حمد کہی تو پھر اس کا جواب ضروری ہے۔ اس میں جواب دینے کے لئے حمد کے الفاظ کا سماع شرط نہ ہونا چاہیے؛ کیونکہ مقصد تو حمد کرنا ہے جب حمد ہوگئی تو پھر اس کا جواب دینا خود بخود ہی لازم ہو گیا جیسے کوئی گونگا ہو۔ اور حمد کے لئے اس کے ہونٹ ہلتے نظر آجائیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا کہ اگر وہ اللہ کی حمد کرے تو اس کا جواب دو، یہی صائب رائے ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر حمد ترک کر دے تو حاضرین کے لیے مستحب ہے کہ اسے حمد کرنا یا ذکر آئیں؟

ابن عربیؒ کہتے ہیں کہ یاد نہ کر اٹھے کیونکہ ترک حمد کرنے والے کی یہ جاہلیت کا نتیجہ ہے۔ اور نو دہائی فرماتے ہیں کہ جس کا یہ خیال ہے اس نے غلطی کی چاہیئے کہ اُسے یاد کرا دے۔

ابراہیم نخعیؒ سے بھی یہی (یاد کرانا) منقول ہے۔ انہوں نے فرمایا یہ کام تو نصیحت، امر بالمعروف، نیک اور تقویٰ سے تعاون پر مبنی ہے۔ البتہ ظاہر حدیث ابن عربیؒ کے قول کو قوت دیتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کے لیے دعا یرحمک اللہ نہیں کی جس نے چھینک کر حمد نہیں کی تھی۔ اور نہ اُسے یاد دلایا تھا۔ یہ اس کی تعزیر کے لیے ہے۔ نیز اس لیے کہ جب اس نے اپنے آپ کو حمد کی برکت سے محروم کر دیا تو وہ دعا کی برکت سے بھی محروم ہو جائے گا۔ اس نے اللہ کو بھلا دیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے قلوب اور زبانیں اس کو جواب دینے اور اس کے لیے دعا کرنے سے پھیر دیں اور اگر نذکرہ مسنون ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل کرنے، اس کی تعلیم دینے اور اس کا رخیر سے تعاون کرنے کے لیے زیادہ اہل تھے

سفر کے اذکار و آداب

سفر پر جاتے وقت اور سفر سے واپسی کے وقت کی دعائیں

صحیح روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا۔
دو رکعت نفل سے آغاز | جب تم میں سے کوئی کسی کام کو ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ فرائض کے

علاوہ دو رکعت (نفل) پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے: اللهم اني استخيرك بعدك واستقدرك بقدرتك واسألك من فضلك العظيم۔ فانك تقدر ولا تقدر وتعلم ولا تعلم وانت علام الغيوب۔ اللهم ان كنت تعلم ان هذا الامر خير لي في ديني ومعاشي وعاجل أمري واجله فاقدره لي ويسر لي وبأهلك فيه وان كنت تعلمه شرًا لي في ديني ومعاشي وعاجل أمري واجله فاصرفه عني واصرفني عنه واقدر لي الخیر حيث كان شر رضني به۔

یعنی: اے اللہ میں تجھ سے بڑے علم کے ذریعہ طلب خیر کرتا ہوں اور تیری قدرت کے ذریعہ قوت چاہتا ہوں اور تیرے فضل عظیم کا سوال کرتا ہوں، کیونکہ تو قدرت والا ہے اور میں قدرت نہیں رکھتا اور تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو ہی تمام عیسائیوں کا جاننے والا ہے۔ اے اللہ اگر تو سمجھتا ہے (تیرے علم میں ہے) کہ یہ کام میرے لیے، میرے دین، میری معاش، میرے قریب یا دور کے معاملہ میں بہتر ہے۔ پھر اسے میرے لئے مقدر کر دے اور میرے لئے آسان فرما دے اور اس میں میرے لیے برکت عطا فرما اور تیرے علم میں اس کے اندر میرے لیے، میرے دین اور میری معاش اور میرے قریب یا دور کے معاملہ میں برائی (تکلیف) ہے تو اسے مجھ سے ہٹا

لے اور مجھے اس سے ہٹادے اور خیر جہاں بھی ہے اسے میرے لیے مقدر میں کر دے اور پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔

اور یہ دعا پڑھنے کے بعد آخر میں اپنی حاجت پیش کرے (بخاری)

یچنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جاہلیت کے غلط اوہام کی بجائے یہ طریقہ پیش فرمایا، جبکہ جاہلیت کے شگون یا استقسامِ اِزلام کے ذریعہ فال نکالی جاتی تھی جس کی نظیر آج کل قرعہ کی صورت میں اصل زمانہ کے مشرکین اور ان کے رفقاء نکالتے ہیں۔ جس کے ذریعہ وہ دیکھتے ہیں کہ عالم غیب میں ان کے لیے کیا کچھ مقرر ہو چکا ہے؟ (اور جاہلیت کے طریق کار) کو استقسام یعنی باب استعمال سے بتایا گیا، جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا مرحمت فرمائی، جس میں طلب کا مفہوم پایا جاتا ہے اور اس (غلط رسم) کے عوض یہ دعا مرحمت فرمائی، جس میں توحید اللہ تعالیٰ کی بندگی، احتیاج اور اس پر توکل ہے اور اس ذات سے سوال ہے جس کے ہاتھ میں تمام خیر اور بھلائی ہے۔ اس کے سوا نہ کسی سے بھلائی پہنچ سکتی ہے اور نہ اس کے سوا کوئی دکھوں کو دور کر سکتا ہے جب وہ اپنے بندے پر رحمت کا دروازہ کھولتا ہے تو کوئی اسے بند نہیں کر سکتا اور جب بند کرتا ہے تو شگون علم نجوم یا مطالع دیکھنے سے کوئی اسے کھول نہیں سکتا۔ اس لیے یہ دعا اہل سعادت اور اہل توفیق کے لیے نشانِ سعادت و برکت ہے جو اللہ تعالیٰ سے نیکی حاصل کرنے میں سبقت لے گئے۔ اور ایسے بد بخت مشرکین کے لیے اس میں کچھ حصہ نہیں جو اللہ کے ساتھ ساتھ اوروں کو بھی معبود بناتے ہیں۔ وہ عنقریب بہان لیں گے۔

اور مسند احمد میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے۔ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ سے استخارہ کرنا اور اس کی قضا پر راضی ہو جانا بنی آدم کی سعادت کی علامت ہے اور استخارہ کو ترک کر دینا اور اللہ کے فیصلہ پر ناراض ہونا بنی آدم کی بدبختی کی علامت ہے۔ مقصود یہ ہے کہ استخارہ حقیقت میں اللہ پر توکل کرنا (تمام امور) اسی کو تفویض کرنے اور اس کی قدرت، علم اور انتخاب سے تقسیم چاہنے کا نام ہے اور یہ صفات اپنے پروردگار کے فیصلہ پر راضی ہونے کے لوازمات میں سے ہیں اور جو ایسا نہیں وہ اسلام کا لذت شناس نہیں اور اگر ان صفات کے حصول کے بعد وہ اللہ کے فیصلہ پر راضی ہو گیا تو یہ اس کی سعادت کی علامت ہے۔

اور بیہقی وغیرہ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی

سفر کا ارادہ فرمایا تو بہ دعا بیٹھ کر اٹھتے وقت ضرور کی۔

اللهم بك انتشرت واليك توجهت وبك اعتصمت وعليك توكلت
اللهم انت تقتي وانت رجاتي اللهم الفنى ما اهتمنى وما لا اهتم له وما انت
اعلم به منى عز جارك وجل شئائك ولا اله غيرك اللهم سر ودنى التقوى
واغفر لى ذنبى ووجهنى للخير اينما توجهت۔

یعنی ”اے اللہ میں تیرے ہی سہارے اٹھا ہوں اور تیری ہی طرف رخ کیا ہے اور تیرے ہی (عہد) سے وابستہ ہوں اور تجھی پر توکل کیا ہے۔ اے اللہ تو ہی میرا اعتماد ہے۔ اور تو ہی میری امید ہے اے اللہ جس کام کا میں اہتمام کرتا ہوں اور جس کا نہیں کرتا ان میں مجھے کفایت فرما اور جس کو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے تیرا ہی پڑوسی عزت والا ہوا اور تیری ثنا بہت زیادہ ہے اور تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اے اللہ مجھے پرہیزگاری کا توشہ عطا فرما۔ اور میرے گناہ بخش دے اور جہیز میں رخ کروں میرا رخ بھلائی کی طرف پھیر دے“ یہ دعا پڑھنے کے بعد آپ (سفر پر) شریف لے جاتے۔

سوار ہوتے وقت کی دعا۔ اور جب آپ سواری پر سوار ہوتے تو تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ پڑھتے:

سبحان الذى سخر لنا هذا وما كنا له مقرنين واننا لى سرين المنقلبون
پھر پڑھتے: اللهم انى اسألك فى سفرى هذا البر والتقوى ومن العمل ما ترضى
اللهم هون علينا سفرنا وطولنا البعد اللهم انت صاحب فى السفر
الخليفة فى الاهل اللهم اصحبنا فى سفرنا واخلفنا فى اهلنا۔

یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اے اللہ میں اس سفر میں نیکی اور تقویٰ کا سوال کرتا ہوں۔ نیز ایسا عمل جس سے نوراضی ہو۔ اے اللہ ہم پر سفر آسان فرما دے اور ہمارے لیے اس کے بعد کو پبلیٹ دے۔ اے اللہ تو ہی سفر میں ساتھی ہے اور گھر میں نائب ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہمارا ساتھی بن جا، اور ہمارے گھر میں ہمارا نائب ہو جا۔

اور جب سفر سے واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

آیون تائبون ان شاء الله عابدون لربنا حامدون: یعنی واپس آنے والے، توبہ کرنے والے اگر اللہ نے چاہا عبادت کرنے والے اور اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔ اور امام احمد نے آپ سے یہ دعا بھی نقل کی ہے کہ آپ پڑھا کرتے: انت الصاحب في السفر والخليفة في الاهل اللهم اني اعوذ بك من الله في السفر وابتكابه في المنقلب اللهم اقبض لنا الارض وهون علينا السفر۔

اور جب واپس ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: تائبون عابدون لربنا حامدون۔ اور جب شہر میں داخل ہوتے تو یہ دعا پڑھتے۔ توباً توباً لربنا اوبالاً يغادر علينا حوباً۔ صحیح مسلم میں یہ دعا منقول ہے کہ جب آپ فرماتے تو یہ کہتے: اللهم انت الصاحب في السفر والخليفة في الاهل اللهم اصحبنا في سفرنا واخلفنا في اهلنا اللهم اني اعوذ بك من رعشاء السفر وكابة المنقلب ومن الحور بعد الكور ومن دعوت المظلم ومن سوء المنظر في المال والاهل۔

یعنی: اے اللہ تو ہی سفر میں میرا رفیق ہے اور گھر میں نائب (محافظ) ہے۔ اے اللہ ہمارے سفر میں ہماری رفاقت اور ہمارے گھر میں حفاظت فرما۔ اے اللہ میں سفر کی دشواریاں، واپسی کی جگہ کے دکھ اور (سفر) کے لپیٹنے کے بعد کے تھیر اور مظلوم کی بددعا اور مال اور گھر میں خراب حالت دیکھنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

اور جب آپ سواری پر چڑھنے کے لیے آپ رکاب میں پاؤں رکھتے وقت بسم اللہ کہتے تھے

اور جب اس کی پشت پر سوار ہو جاتے تو تین بار الحمد للہ اور تین بار اللہ اکبر کہتے۔ پھر یہ دعا پڑھتے: سبحان الله الذي سخر لنا هذا وما كنا مقرنين واذا الی ربنا المنقلبون پھر پڑھتے: سبحان الله تین بار، اس کے بعد لا اله الا انت سبحانك انی كنت من الضالمین سبحانك انی ظلمت نفسي فاغفر لی انت لا یغفر الذنوب الا انت۔ یعنی: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا۔ حالانکہ ہم اس کی طاقت نہ رکھتے تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں "اللہ پاک ہے"۔ تیرے سوا کوئی معبود

نہیں۔ تو پاک ہے۔ بے شک میں ظالموں میں سے ہوں تو پاک ہے۔ بیشک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں کا بخشنے والا کوئی نہیں۔

اور جب آپ سفر کے لیے جانے والے کسی صحابی کو الوداع کہتے۔ تو یہ دعا کرتے:

استودع اللہ دینک و امانک و خواتم عملک یعنی میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے عمل کا انجام اللہ کے سپرد کرنا ہوں۔

ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں مجھے زاد (راہ) دیجیے:-

آپ نے فرمایا اللہ تمہیں پرہیزگاری کا توشہ عطا کرے۔

اس نے عرض کیا، مزید (دعا فرمائیے) آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ تیرے گناہ بخشنے۔

اس نے عرض کیا مزید عنایت ہو۔ آپ نے فرمایا اور جہاں بھی تم ہو۔ اللہ تمہارے لیے بھلائی آسان کر دے۔

نیز ایک آدمی نے عرض کیا میں سفر کا ارادہ رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ سے ڈرنے اور ہر بلندی پر تکبر کہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ جب وہ واپس چلا تو آپ نے دعا کی۔ اللہم ازولہ الارض و ہون علیہ السفر یعنی اے اللہ اس کے لیے زمین سسکیڑ دے اور اس پر سفر آسان کر دے۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبر کہتے۔ اور جب دھلوان جگہ اترتے تو تسبیح کہتے۔ اس لیے نماز بھی اس طرح وضع کر دی گئی۔ حضرت انس نے فرمایا: کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب زمین کی اونچی اور بلند جگہ پر چڑھتے تو یہ کہتے۔

اللہم لك الشرف على كل شرف ولك الحمد على كل حال یعنی اے اللہ ہر بلندی پر تجھے ہی بلندی حاصل ہے اور ہر حالت میں تیری ہی حمد ہے۔

اور سفر حج میں آپ کا یہ دستور تھا کہ جب کھلا میدان آتا تو آپ نسبتاً تیز چلتے اور فرماتے تھے کہ فرشتے... ایسے (قافلہ) کے ساتھ شریک نہیں ہوتے جس میں کتیا گھنٹی ہو اور آپ اس بات کو ناپسند فرماتے کہ مسافر تنہا رات کو سفر کرے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ تنہا سفر میں کس قدر (خطرہ) ہے تو وہ رات کو تنہا نہ چلیں اور آپ نے فرمایا کہ ایک (مسافر) شیطان ہے اور دو (مسافر) دو شیطان ہیں

اور تین صحیح طور پر (مسافر) سوا ہیں، اور فرمایا کرتے تھے۔ کہ جب تم میں کوئی کسی مقام پر اترے تو یہ دعا پڑھے: اَعُوذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ یعنی میں ہر اس چیز کے شر سے جو اس نے پیدا کی۔ اللہ کے کلمات کی پناہ مانگتا ہوں۔ پھر اسے کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔ یہاں تک کہ وہ اس جگہ سے کوچ کرے۔

غزوہ میں شرکت کے وقت کی دعا | اور امام احمد نے نقل کیا کہ جب آپ غزوہ میں شریک ہوتے یا سفر فرماتے اور آپ کو کہیں پر رات آجاتی تو

یہ دعا پڑھتے: یا ارض ربی و ربک اللہ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّكَ و شَرِّ مَا فِیْكَ و شَرِّ مَا خَلَقَ فِیْكَ و شَرِّ مَا دَبَّ عَلَیْكَ اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ كُلِّ اَسَدٍ و اَسْوَدٍ و حِیةٍ و عَقْرَبٍ و مَنْ شَرِّ سَاكِنِ الْبَلَدِ و مَنْ شَرِّ وَاٰلِدِ و مَا وَاٰلِدِہٖ یَعْنِیْ اے زمین میرا پروردگار اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ میں تیرے شر سے اور جو کچھ تجھ میں ہے اس کے شر سے اور جو تجھ میں پیدا کیا گیا اس کے شر سے اور جو تیرے اوپر پھلتا ہے اس کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔ اور میں ہر شیر مار سیاہ، سانپ، بچھو، شہر میں رہنے والے، باپ اور پیدا ہونے والے (بچے) کے شر سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔“

نیز آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم سبزہ زاروں میں سفر کرو تو اونٹوں کو بھی زمین میں سے ان کا حصہ دیا کرو اور جب تم ویران مقام میں سفر کرو تو جلدی سے اُسے عبور کر جاؤ۔ ایک روایت کے لفظ یہ ہیں کہ وہاں سے گزرنے میں سرعت اختیار کرو اور جب تم پڑاؤ کراؤ تو راستہ کو چھوڑ دو۔ کیونکہ وہ جو پاؤں کی گزرگا ہیں ہیں اور رات کو کیڑے مکوڑوں کے مساکن۔

اور جب آپ کسی بستی کو دیکھتے جس میں آپ داخل ہونا چاہتے تو اسے دیکھ کر یہ دعا پڑھتے:

اللّٰهُمَّ رَبِّ السَّمٰوٰتِ و مَا اَظْلَمْنَ و رَبِّ الْاَرْضِیْنَ السَّبِیْحِ و مَا اَقْلَمْنَ و رَبِّ الشَّیْطٰنِیْنَ و مَا اَضْلَمْنَ و رَبِّ الرِّیَاحِ و مَا ذَرِیْنَ اِنَّا نَسْأَلُكَ خَیْرَ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ و خَیْرَ اَهْلِهَا و نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا و شَرِّ مَا فِیْهَا۔

یعنی: اے اللہ آسمان اور جو کچھ ان کے سایہ میں ہے ان کے پروردگار اور ساتوں زمینوں کے رب اور جو کچھ وہ لیے ہوئے ہیں اور شیاطین کے رب اور جنہیں انہوں نے گمراہ کیا اور ہواؤں کے رب

سے تشریف لاتے تو خاندان کے بچوں سے آپ کی ملاقات ہوتی۔ حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ ایک بار آپ سفر سے تشریف لاتے تو میں نے آپ کی طرف سبقت کی۔ چنانچہ آپ نے مجھے آگے بٹھالیا۔ پھر حضرت فاطمہ کے صاحبزادے، حسن یا حسینؑ تشریف لائے تو آپ نے انہیں اپنے پیچھے بٹھالیا۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم تینوں ایک سواری پر سوار مدینہ میں داخل ہوئے۔

اور سفر سے آنے والے کے ساتھ آپ معانقہ فرماتے اور اگر گھر والا ہوتا تو اس کا بوسہ لیتے۔ زہریؒ نے حضرت عروہؓ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر میں تھے۔ زید بن حارثہ مدینہ آئے انہوں نے حائضہ ہو کر دروازہ کھٹکھٹایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر اس طرف تشریف لے گئے اور اس حالت میں کہ آپ کا کپڑا گھسٹ رہا ہے۔ اللہ کی قسم اس سے قبل یا بعد میں نے آپ کو یوں (گلے میں قمیص نہ ہونا مراد ہے) کبھی نہ دیکھا تھا۔ آپ نے ان سے معانقہ فرمایا اور انہیں بوسہ دیا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب جعفرؓ اور ان کے رفقاء حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ملے اور دونوں کو بوسہ دیا اور معانقہ فرمایا اور شعبیؒ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ جب سفر سے واپس آتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور وہاں دو رکعتیں (نفل) پڑھتے۔

اذکارِ نکاح

خطبہ حاجت

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے خطبہ حاجت سکھایا جو یہ ہے۔

الحمد لله الذي نحمدك ونستعينك ونستغفرُكَ ونعوذُ بِكَ اللهُ من شرورِ افسنا وسيئاتِ اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلل فلا هادي له واشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمداً عبده ورسوله۔
پھر آپ تین آیات کی تلاوت فرماتے۔

(۱) يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله حق تقاته ولا تموتن الا وانتم مسلمون۔

(۲) يا ايها الناس اتقوا سر يكمر الذي خلقكم من نفسٍ واحده وخلق منها نر وجها۔

(۳) يا ايها الذين آمنوا اتقوا الله وقولوا قولا سديداً يصلح لكم اعمالكم ويغفر لكم ذبوبكم ومن يطع الله ورسوله فقد مناخر فوضراً عظيماً۔

شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ابو اسحق سے دریافت کیا کہ آیا یہ خطبہ نکاح ہے یا کچھ اور ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہر ضرورت کے لیے ہے۔

اور فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی عورت یا غلام یا چوپایہ حاصل کرے تو وہ اس کی پیشانی پکڑے

حصہ دوم

اور اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کرے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا نام لے اور کہے: اللہم انی اسألك خیرها وخیر ما جبلت علیہ و اعود بک من شرها و شر ما جبلت علیک یعنی اے اللہ میں تجھ سے اس کی بھلائی اور جو اس کی جبلت ہے اس کی بھلائی طلب کرتا ہوں اور میں اس کے شر اور اس کی جبلت کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔
نکاح کروانے والے جوڑے سے آپ فرمایا کرتے بارک اللہ لک و بارک علیک و جمع بینکما فی خیر، یعنی اللہ تمہارے لئے برکت کرے اور تم پر برکت کرے اور تم دونوں کو بھلائی پر اکٹھا کرے۔

اور فرمایا کرتے کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی زوجہ کے پاس جانا چاہے تو یہ دعا پڑھ لے:-
بسم اللہ اللہم جننا الشیطان و جنب الشیطان ما سر زقتنا یعنی اللہ کے نام سے اے اللہ ہمیں شیطان سے الگ رکھنا اور جو تو ہمیں (بچہ) عطا کرے اسے بھی شیطان سے الگ رکھنا (اس کے پڑھنے سے) اگر اسی دفعہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بچہ ہونا مقدر کر دیا ہے تو اسے شیطان کبھی ضرر نہ دے سکے گا۔

اپنے اہل یا مال میں خوش کن منظر دیکھے تو کیا کہے؟ | حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے گھر میں یا مال میں یا اولاد میں اگر نعمت عطا کرے اور وہ کہے: ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ تو موت کے سوا کوئی دکھ نہ دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولولا ان دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ - یعنی جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو یہ کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔



بیمار کو دیکھ کر کون سی دعا پڑھی جائے

سکون، خواب، وسوسوں اور شدت غضب کے وقت کی دعائیں

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: کہ جو آدمی بھی کسی بیمار کو دیکھے اور یہ دعا پڑھ لے تو اسے وہ مرض کبھی نہ ہوگا چاہے جو بھی ہو، دعا یہ ہے:-

الحمد لله الذي عافاني هما ابتلاك به وفضلني على كثير ممن خلق تفضيلا۔ یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے اس مرض سے محفوظ رکھا جس میں تجھے مبتلا کیا ہے اور مجھے کثیر مخلوقات پر یہ طور خاص افضلیت بخشی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مروی ہے کہ آپ کے سامنے شگون کا تذکرہ کیا گیا آپ نے فرمایا: کہ اس میں سب سے بہتر فال ہوتی ہے۔ یہ مسلمان کو ضرر نہیں دے سکتی۔ جب تم کوئی شگون دیکھو جسے تم برا سمجھتے ہو۔ تو یہ دعا کرو۔

اللهم لا ياتني بالاحسنات الا انت ولا يبدفع السيئات الا انت ولا حول ولا قوة الا بك یعنی اے اللہ صرف تو ہی بھلائیاں عطا کرتا ہے اور صرف تو ہی تکالیف ہٹاتا ہے اور تیرے سوا نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

اور حضرت کعبؓ یہ پڑھا کرتے تھے: اللهم لا طيرك ولا خيرك ولا سرب غيرك ولا حول ولا قوة الا بك یعنی اے اللہ تیرے شگون کے سوا کوئی شگون نہیں اور تیری بھلائی کے سوا کوئی بھلائی نہیں تیرے سوا کوئی رب نہیں اور تیرے علاوہ نہ توفیق ہے اور نہ قوت ہے۔

اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ یہ تو کل کی جڑ ہے اور جنت میں بندے کا خزانہ ہے اور جو بندہ بھی یہ کہے گا۔ پھر اپنے کام میں لگ جائے تو اسے کچھ ضرر نہ ہوگا۔

وحشت ناک خواب دیکھنے کے بعد کیا کہنا چاہیے | نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ اچھے خواب اللہ کی جانب

سے ہیں اور بُرے خواب شیطان کی طرف سے ہیں۔ اس لیے جو ایسے خواب دیکھے جس میں اس نے کوئی نامرغوب بات دیکھی ہو تو وہ بائیں جانب تین بار تھوک دے اور اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھے۔ اسے کچھ ضرر نہ ہوگا اور نہ کسی کو بتائے اور اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور صرف اسے بتائے جس سے محبت کرتا ہو اور جو کوئی ناپسند خواب دیکھے اسے حکم فرمایا کہ وہ پہلو کو بدل دے جس پر پہلے (سورہ) تھا اٹھ کر نماز پڑھ لے۔ چنانچہ آپ نے پانچ باتوں کا ارشاد فرمایا:

(۱) بائیں طرف تھوک دے۔

(۲) اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھے۔

(۳) کسی کو خبر نہ دے۔

(۴) جس پہلو پر تھا اس کو بدل لے۔

(۵) اور کھڑا ہو کر نماز پڑھے۔

جب اس نے یہ کام کر لیا تو ناپسند خواب اسے کچھ بھی ضرر نہ پہنچائے گا بلکہ یہ امور اس کے شر کو دور کر دیں گے۔

اور فرمایا کہ تعبیر نہ جاننے والے آدمی کے سامنے خواب بیان کرنے سے احتراز کرو گے اس نے تعبیر بتادی تو وہ تم پر پڑ گئی (اس لیے کہ) صرف سمجھ دار اور ایسے آدمی کے سامنے خواب بیان کرو، جس کو تم سے محبت ہو اور حضرت عمر بن خطابؓ کی عادت تھی کہ جب آپ کے سامنے خواب بیان کیا جاتا تو فرماتے: اے اللہ اگر یہ اچھا ہے تو ہمارے لیے ہو اور اگر یہ خراب ہے تو ہمارے دشمنوں کے لیے ہو۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جس کے سامنے خواب بیان کیا جائے اسے چاہیے کہ اچھی بات بہ طور تعبیر کے کہے اور تعبیر بتانے سے قبل خواب دیکھنے والے سے کہے کہ جو کچھ تو نے دیکھا ہے وہ بہت خوب ہے، پھر اس کے بعد تعبیر بتائے۔

اور عبدالرزاق نے عمر سے انہوں نے ایوب سے، انہوں نے ابن سیرین سے نقل کیا۔ بتلتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ جب خواب کی تعبیر بتانے کا ارادہ فرماتے تو کہتے: تو نے صحیح خواب دیکھا ہے یہ اس طرح ہے۔

حضرت صالح بن کیسان نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن مسعود سے مرفوع روایت کی ہے کہ ابن آدم کے قلب کے ساتھ موکل فرشتے کی رفاقت ہوتی اور ایک شیطان کی رفاقت، فرشتے کی رفاقت بھلائی کا وعدہ کرنا حق کی تصدیق کرنا اور اچھے اجر کی امید دلانا ہوتا ہے اور شیطان کی رفاقت، شرک کا وعدہ، حق کی تکذیب اور بھلائی سے ناامیدی پس جب تم فرشتے کی رفاقت محسوس کرو، تو اللہ کی حمد کرو، اور اس کا فضل مانگو اور جب تم شیطان کی رفاقت محسوس کرو تو ۲ عوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو اور استغفار کرو۔

حضرت عثمان بن عاص نے عرض کیا کہ میرے اور میری نماز اور قرأت کے درمیان شیطان حائل ہو گیا ہے انہوں نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جسے خنزیر کہتے ہیں۔ جب تو اسے محسوس کرے، تو اللہ کی پناہ مانگ اور اپنی بائیں جانب تین بار تھوک دے۔

اسی طرح ابی زبیل نے حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا کہ مجھے سینے میں کچھ (دوسوسہ) محسوس ہوتا ہے (ابن عباسؓ) نے پوچھا کیا ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ میں نے کہا اللہ کی قسم میں ہرگز زبان پر نہ لاؤں گا۔ انہوں نے فرمایا کیا کوئی شک کے کوئی بات؟

میں نے کہا ہاں! وہ کہنے لگے کہ اس سے کوئی بھی نجات نہ پاسکا جب تم سینے میں کچھ (دوسوسہ) محسوس کرو تو یہ آیت پڑھا کرو ۱ اول و ۱ آخر و ۱ ظاہر و ۱ باطن و ۱ کل شیء علیہ یہ ضروری ہے کہ ایک غیر مخلوق خالق تک انتہا ہو، جو دوسروں سے غنی ہو، قائم بنفسہ ہو، ہر چیز اس کی محتاج ہو۔ خود موجود بالذات ہو اور ہر چیز اس سے قائم ہو، قدیم ہو۔ اس کا آغاز نہ ہو، بالذات باقی ہو اور ہر چیز کی بقا اس سے ہو۔ یہی وہ ذات ہے، جو اول ہے کہ اس سے قبل کچھ نہیں۔ آخر ہے کہ جس کے بعد کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جس سے اوپر کچھ نہیں، باطن ہے کہ جس کے پرے (نیچے) کچھ نہیں۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ ایک دوسرے سے سوال کرتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ کہنے والا کہے گا۔ یہ اللہ ہے جس نے مخلوق کو پیدا کیا تو اللہ کو کس نے پیدا کیا؟ اب جس کو اس قسم کی کوئی غلط محسوس ہو وہ اللہ کی پناہ مانگے اور رک جائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ غصے کی چنگاری کو وضو سے بجھایا جاوے اور اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاوے۔ اگر بیٹھے

شدت غضب میں آپ کا قول و فعل

ہو تو لیٹ جاوے اور اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ پڑھو۔ چونکہ ابن آدم کے قلب میں غصہ اور شہوت آگ کی چنگاریاں ہوتی ہیں تو آپ نے وضو، نماز اور شیطان الرجیم سے اللہ کی پناہ مانگنے کے ذریعہ ان کو بجھانے کا حکم فرمایا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ اَخِیْرُ یَعْنٰی کیا تم لوگوں کو حکم دیتے اور اپنے آپ کو بھلا ڈالتے ہو؟ اب شدت شہوت بھی ان پر معمول ہوگی۔

چنانچہ جن باتوں سے اس چنگاری کو بجھانے کا حکم دیا وہ صبر اور نماز کے ذریعہ استعانت ہے اور حکم دیا کہ شیطانی وساوس کے موقع پر اللہ کی پناہ مانگو چونکہ تمام معاصی کا صدور غضب اور شہوت ہی سے ہوتا ہے اور غضب کا انجام قتل اور شہوت کا انجام زنا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے قتل اور زنا کا

ساتھ ساتھ ذکر کیا اور سورۃ النعام، سورۃ اسری اور سورۃ فرقان میں انہیں آپس کا رفیق قرار دیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت دی۔ وہ نماز اور استعاذہ سے غضب اور شہوت جیسی قوتوں سے پتے آپ کو بچا سکیں۔

مرغوب اور نامرغوب کام

اچھے کام کرنے والوں کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں

پسندیدہ چیز پر دعا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: الحمد لله الذی بنعمته تتم الصالحات۔

یعنی سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس کی نعمت کے باعث بھلائیاں مکمل ہوتی ہیں۔ اور جب کوئی نامرغوب (تکلیف) کی بات دیکھتے، تو پڑھتے: الحمد لله علی کل حال یعنی ہر حالت میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔

جب کوئی محبوب یا مناسب چیز پیش خدمت کرتا تو آپ اس کے لیے دعا فرماتے: چنانچہ جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کے لیے وضو کا انتظام کیا تو آپ نے دعا فرمائی: اے اللہ اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور اس کو تاویل (تعمیرات) کا علم سکھا۔

اور راستہ میں رات کو جب بوقتادہ نے آپ کو تھام لیا۔ جب آپ اپنی سواری سے ایک طرف کوچھک سے گئے تو آپ نے دعا دی۔ جس طرح تو نبی کی حفاظت کی۔ اس طرح اللہ بھی تیری حفاظت کرے نیز آپ نے فرمایا کہ جس کے ساتھ بھلائی کی جائے۔ اور وہ جزاک اللہ خیراً کہے تو اس نے گویا خوب تعریف کر دی۔

اور آپ نے عبد اللہ بن ابی ربیعہ سے قرض لیا پھر ادا کر دیا اور دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تیرے مال اور اہل میں برکت دے۔ بے شک قرض کا صلہ تعریف کرنا اور ادا کرنا ہوتا ہے اور جب اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ پیش کیا جاتا تو آپ اسے قبول کر کے اس سے زیادہ بدلہ دیتے اور

اگر مسترد کرتے تو عند فرماتے۔ جیسے آپ نے صعب بن بشامہ سے فرمایا جب انہوں نے شکار کا گوشت پیش کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا تھا ہم اسے رد نہ کرتے لیکن اس وقت، میں احرام سے ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے آگ لگ جانے کے موقع پر تکبیر کہنے کا حکم دیا۔ کیونکہ تکبیر اسے بھاد سے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ اہل مجلس اپنی مجلس کو ذکر الہی سے محروم رکھیں اور فرمایا کہ جو قوم بھی ایسی مجلس سے اٹھتی ہے۔ جس میں لوگ اللہ کا ذکر نہیں کرتے وہ گویا گدھے کی لاش پر سے اٹھ رہے ہیں۔ نیز فرمایا کہ جو آدمی ایسی جگہ سے اٹھے جہاں اللہ کا ذکر نہ ہوا ہو اسے اس پر حسرت ہوگی۔ نیز آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی مجلس میں بیٹھے اور اس میں کثرت سے لغو باتیں کر ڈالے۔ اگر اٹھنے سے قبل یہ کلمات کہہ ڈالے تو اس مجلس میں جو کچھ بھی اس سے خطا ہوگی ہوگی۔ معاف کر دی جائے گی؛ دعا یہ ہے۔

سبحانك اللهم ومجدك اشهد ان لا اله الا انت استغفرک و
 اتوب اليك یعنی: اے اللہ تو پاک ہے اور تیری ہی حمد ہے میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا
 کوئی معبود نہیں۔ میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تجھ سے توبہ کرتا ہوں۔

حضرت خالد بن ولید نے ایک مرتبہ رات کو پریشان خیالی کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ جب تم
 بستر پر جاؤ تو یہ دعا کہہ:

اللهم رب السوات السبع وما ظلت وما ظلت وما ظلت وما ظلت وما ظلت وما ظلت وما ظلت وما
 ظلت ورب الشياطين وما ظلت كذبي جاراً من شر خلقك كلهم جميعاً من
 ان يقرط احد منهم على ادا ان يطغى على عز جارك رجل تشارك ولا اله الا
 انت؛ یعنی: اے اللہ ساتوں آسمانوں اور جو کچھ ان کے زیر سایہ ہے ان کے رب اور ساتوں
 زمینوں اور جو کچھ ان میں ہے ان کے رب اور شیاطین اور جن کو انہوں نے گمراہ کیا سب کے رب
 اپنی تمام کی تمام مخلوق کے شر سے مجھے پناہ دینے والا بن جا کہ ان میں سے کوئی مجھ پر زیادتی نہ کرے
 یا مجھ پر سرکشی نہ کرے۔ تیرا پڑوسی عزت والا ہو گیا اور تیری شنا بڑی ہے۔ اور تیرے سوا کوئی معبود
 نہیں۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو گھبراہٹ اور اضطراب کے موقع پر یہ دعا بھی سکھایا کرتے تھے

اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شر غضبہ ومن شر عبادہ ومن شر
 ہملات الشیاطین وان یحضرون۔ یعنی میں اس کے غضب اور اس کے بندوں
 کے شر سے اور شیاطین کے وساوس کے شر سے اور اس بات سے کہ وہ آن موجود ہوں۔ اللہ کے
 کلم کلمات کے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔ منقول ہے کہ ایک آدمی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں شکایت کی کہ اسے نیند میں گھبراہٹ ہو جاتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تو بستر پر جایا کرے تو یہ
 دعا پڑھا کر۔ پھر آپ نے مذکورہ دعا فرمائی۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر اس سے یہ گھبراہٹ جاتی رہی۔



آنحضرت ﷺ کے ناپسندیدہ الفاظ

انانیت، تکبر اور نخوت کی مذمت

مشترکاً نہ الفاظ | ان میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی جائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی (دوسرے کے نام) کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ اس طرح یہ کہنا آپ کے نزدیک ناپسند تھا، کہ اگر وہ ایسا کرے تو وہ یہودی، نصرانی یا کافر ہو۔ اسی طرح مسلمان کو کافر کہنا اور بادشاہ کو ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ، یا شہنشاہ) کہہ کر پکارنا اسی پر قاضی القضاة کو قیاس کیا جاسکتا ہے۔ نیز آقا اپنے غلام یا لونڈی کو یوں کہے عبدی یا امتی میرا بندہ یا میری بندی۔ یا غلام اپنے آقا کو اس طرح پکارے۔ میرے پالنے والے (ربی) بلکہ آقا کو چاہیے کہ وہ میرا بچہ، میری بچی کہے اور غلام کو چاہیے کہ وہ میرا سردار یا میری سردار کہا کرے۔ اسی طرح ہوا کے چلنے پر اسے گالی دینا (مکروہ) ہے بلکہ اس وقت دعا کرے آئندہ اس کی بھلائی عطا کرے اور اس کے شر سے پناہ دے۔

اسی طرح بخار کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ فرمایا کہ یہ (بخار) بنی آدم کے گناہوں کو اس طرح دور کرتا ہے جیسے بھٹی لوہے کے میل کو دور کرتا ہے۔ اسی طرح مرغ کو گالی دینے کی ممانعت فرمائی۔ صحیح روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: مرغ کو گالی مت دو۔ کیونکہ زہ نماز کے لیے جگاتا ہے۔

نیز جہا بلیت کے نعرے کی طرف بلانا جیسے خاندان اور قوم و نسب کے نام پر بلانا یا فروغی مذاہب طرق اور مشائخ کے نام پر نعرے لگانا اور محض قوم پرستی وغیرہ کے باعث ایک کو دوسرے پر افضلیت

بخشتا۔ نیز مسلمان کو گالی دینا اور تیسرے کو الگ کر کے دو کا آپس میں سرگوشی کرنا یا عورت کا اپنے سر کے سامنے دوسری عورت کے محاسن بیان کرنا، یا اس طرح دعا کرنا۔ اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے اگر تو چاہے تو مجھ پر رحم کر۔ نیز کثرت سے قسمیں کھانا، نیز آسمان پر نظر آنے والے رنگوں کو تو سے قزح کا نام دینا، نیز اللہ کے نام پر سوال کرنا، مدینہ کو بیٹرب کہنا دیر تمام صورتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں مکروہ ہیں۔

نیز نامناسب حرکات میں سے یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنی زوجہ سے جماع یا دیگر آپس کی باتوں کا تذکرہ کرے جیسے کہ بعض لوگوں کی عادتِ خبیثہ ہے۔ نیز نہ عموا و ذکر و اوقالوا جیسے الفاظ سے حکایت کرنا بھی ناپسند کرتے تھے۔ نیز یہ کہ بادشاہ کو زمین میں خلیفۃ اللہ یا نائب اللہ کہا جائے کیونکہ خلیفہ اور نائب تو غیر موجود کے ہو سکتے ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ خود اپنے گھر سے غیر حاضر ہونے والے کا خلیفہ اور اپنے مومن بندے کا کارساز ہے۔

نیز انا، لی، عندی (میں، میرا، میرے نزدیک) کے الفاظ سے بھی بچنا چاہیے کیونکہ انہی تین الفاظ سے ابلیس، فرعون اور قارون گمراہ ہوئے۔

ابلیس انا خیر منہ (میں اس سے بہتر ہوں) اور فرعون ولی ملک مصر (اور مصر کا ملک میرا ہے) اور قارون، و انما اوتیتہ علی علم عندی (اور مجھے یہ (مال و زر) میرے علم کی بنا پر دیا گیا۔ جیسے) متکبرانہ (جملوں سے تباہ ہوا۔

اور سب سے بہتر انا (میں) بندے کے اس قول میں ہے (انا العبد المذنب) (میں گناہگار بندہ ہوں) اور لفظ لی جیسے کہ لی الجرم ولی المسکنة (میں مجرم و مسکین ہوں) اور عندی جیسے کہ غفر لی جدای و ہذلی و خطیئی و عندی و کل ذالک عندی - (میرا گناہ، لغزش، خطائیں اور عدرا گناہ بخش دے اور میرے پاس یہ تمام نقائص ہیں۔

جہاد و غزوات میں آپ ﷺ کی سنت طیبہ

جہاد کے اقسام و انواع مختلفہ و متعددہ

جہاد چونکہ اسلام کا ایک اعلیٰ اور عظیم الشان مسئلہ ہے۔ آپ نے ہر طرح کے جہاد میں حصہ لیا اور مجاہدین جنت میں بلند تر مقامات پر فائز ہوں گے۔

جیسا کہ انہیں دنیا میں رفعت کی خوشخبری دی گئی تو گویا یہ لوگ دنیا و آخرت ہر جگہ ہی بلند حیثیت کے مالک ہوں گے اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسی سلسلہ میں ایک بلند تر مقام پر فائز تھے چنانچہ آپ نے (جہاد) کی ہر قسم میں حصہ لیا۔ آپ کے تمام اوقات قلب و زبان اور ہاتھ سے جہاد میں مصروف تھے۔ اور آپ تمام جہانوں سے زیادہ ذاکر اللہ کے ہاں سب سے زیادہ قابل قدر تھے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث کرتے ہی جہاد کا حکم دیا اور فرمایا: **وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا فَذِلَّةً تُطَعُّ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا** یعنی اور اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ڈرانے والا بھیجتے۔ پس کافروں کی اطاعت مت کرو اور ان کے ساتھ خوب جہاد کرو۔

یہ سورۃ مکی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کے ساتھ دلیل، تقریر اور قرآن کی پیغام رسانی کے ذریعہ جہاد کا حکم دیا۔ اسی طرح منافقین کے ساتھ جہاد کا حکم دیا کہ انہیں دلیل دی جائے ورنہ اسلام کے غلبہ کے سامنے ذلیل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمُ جَهَنَّمُ وَبئس المصير یعنی؟ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کافروں اور منافقوں سے جہاد کرو اور

ان پر سختی کرو اور ان کا انجام جہنم ہے اور یہ بہت بُرا ٹھکانا ہے۔
 اس لیے کفار کی نسبت منافقین کے ساتھ زیادہ شدت کے ساتھ جہاد کا حکم ہے، کیونکہ منافقین کے ساتھ جہاد گویا خواص اور وارثین انبیاء کے ساتھ جہاد ہے جو عالم میں منقرض (بظاہر دین کے حامی) اس میں شریک اور معاون ہیں۔ چاہے یہ کم تعداد میں ہوں لیکن ان کا خطرہ زیادہ ہے۔
 نیز افضل جہاد یہ ہے کہ سخت ترین مقابلہ کے موقع پر حق بات کہی جائے جیسے کہ جابر حکومت کے سامنے زبان کھولنا جبکہ اس سے ایذا دہی کا خطرہ بھی ہو۔ اس (قسم) کے جہاد میں رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام کا کافی حصہ ہوتا ہے اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس سلسلہ میں کامل اور مکمل ترین مجاہد تھے۔
 تیز اللہ کے اعداء کے مقابلہ میں کیا جانے والا خارجی جہاد بندے کے داخلی جہاد کی فرع اور شاخ ہے۔ جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مجاہد وہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی (خوشنودی) کی خاطر اپنی ذات سے جہاد کیا اور مہاجر وہ ہے جس نے ان باتوں کو چھوڑ دیا جنہیں اللہ نے منع کیا ہے۔

تو ظاہر ہے کہ جہاد بالنفس باہر کے جہاد سے افضل ہے یہ دونوں دشمن ہیں۔ دو بندے کو ان دونوں سے جہاد کرنے کا مکلف کرنا کر دیا گیا۔ ان کے علاوہ ایک تیسرا دشمن بھی سامنے کھڑا ہے۔ اس سے جہاد کیے بغیر ان دونوں کا مقابلہ کرنا بھی محال ہے۔ اور وہ (تیسرا) بندے کو ان دونوں کا مقابلہ کرنے سے باز رکھنے اور اسے کمزور کرنے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان دونوں کے مقابلہ کے موقع پر وہ بندے کو مشقتوں، عیش سے ختم کر دینے، لذات و شہوات کے فوٹ ہو جانے کا تخیل پیش کرتا رہتا ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کیے بغیر ان دونوں سے مقابلہ کرنا بہت ہی دشواری بن جاتا ہے۔ گویا اس (سے جہاد کرنا) ان دونوں کے ساتھ جہاد کی جڑ ہے۔

اور یہ (تیسری طاقت) شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اتَّخِذُوا لِلشَّيْطَانِ لِكُلِّ عَدُوٍّ فَاتَّخِذُوا لَعَدُوِّهِ﴾ یعنی بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے۔ اسے اپنا دشمن ہی سمجھو۔

چنانچہ اسے دشمن سمجھنے کا حکم اس بات کا اشارہ ہے کہ اس سے جنگ کرنے اور مقابلہ کرنے کے لیے پوری وسعت اور ہمت سے کام لینا چاہیے۔ گویا ایسا دشمن ہے کہ بندے سے جنگ کرنے میں قطعاً سست نہیں پڑتا اور کوتاہی برتتا ہے۔ اس طرح یہ تین دشمن ہیں۔ جن سے بندے کو جنگ کرنے اور

جہاد کا حکم دیا گیا۔ اس دنیا میں بندہ ان سے مقابلہ کا مکلف بنا دیا گیا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے جانب سے اس پر ایک طرح کا امتحان و آزمائش ہے (چنانچہ جو لوگ اس امتحان میں کامیاب رہے) اللہ تعالیٰ نے انہیں بتایا کہ وہ ان میں سے پرہیزگاروں، احسان کرنے والوں، صبر کرنے والوں اور ایمان والوں کے ساتھ ہے اور (مومن جب اپنا دفاع نہیں کر سکتے تو اللہ اپنے مومن بندوں کا خود دفاع کرتا ہے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہی دشمنوں پر ظفر یابی حاصل کرتے ہیں اور اگر وہ ان کی مدافعت نہ کرتا تو دشمن انہیں اچکے پتے پر مدافعت ان کے ایمان و یقین کے مطابق ہوتی ہے اگر ایمان قوی ہوگا۔ تو مدافعت بھی قوی ہوگی۔ اس لیے جو بھلائی پائے اسے چاہیے کہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس کے علاوہ تکلیف دیکھے۔ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کرے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ اس سے اس قدر ڈرو جتنا کہ ڈرنے کا حق ہے اسی طرح فرمایا کہ جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے اور ڈرنے اور پرہیزگاری کا حق یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے، نافرمانی نہ کرے اس کا ذکر کرے اسے فراموش نہ کرے۔ اور شکر کرے، کفر نہ کرے۔ اسی طرح جہاد کا حق یہ ہے کہ اپنے آپ سے جہاد کرے۔ تاکہ اس کا قلب زبان اور تمام جوارح اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہو جائیں اور وہ بالکل ہی اللہ کا بن جائے اور اپنی ذات کا نام رہے اور شیطان کے وعدوں کی تکذیب، اس کے حکم کی نافرمانی اور اس کی ممانعت کی مخالفت کر کے اس (شیطان) کا مقابلہ کرے۔ کیونکہ وہ جھوٹی امیدیں دلاتا اور غلط تمنائیں دکھاتا ہے۔ محتاجی کا وعدہ کرتا اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ پرہیزگاری، ہدایت، عفت، صبر اور تمام ایمانی اخلاقیات سے منع کرتا ہے اس کے وعدوں کی تکذیب اور اس کے حکم کی نافرمانی کر کے اس کا مقابلہ کرو۔ اس طرح ان جہادوں کے ذریعہ ایک قوت و سلطوت پیدا ہو جائے گی جس کے ذریعہ خارج میں بھی اللہ کے دشمنوں کا قلب زبان، ہاتھ اور مال سے مقابلہ کیا جاسکے گا۔ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو جائے۔

جہاد انفس، جہاد الشیطان، جہاد الکفار، اور جہاد اللنا فقہین جہاد انفس کی بھی جہاد کے چار مراتب ہیں | چار اقسام ہیں:-

(۱) ایک یہ کہ ہدایت اور دین حق کی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش (جہاد) کرے کیونکہ اس کے بغیر معاش و معاد (دنیا و آخرت) میں نہ فلاح ہے اور نہ سعادت، اور اگر یہ چھن گیا تو دین کی بذختی مستط ہو گئی۔

(۲) دوسرے یہ کہ علم کے بعد عمل کے ذریعہ جہاد کرے۔ ورنہ عمل کے بغیر محض علم اگر مضر نہیں تو فائدہ بھی نہ دے گا۔

(۳) تیسرے یہ کہ جو علم کو نہیں جانتے انہیں سکھائے۔ ورنہ ان میں سے ہو جائے گا کہ جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت اور بینات کو چھپاتے ہیں۔ اور اس کا علم اسے نفع نہ دے گا اور نہ اسے اللہ کے عذاب سے چھڑائے گا۔

(۴) چوتھے یہ کہ اللہ کے دین کی دعوت پر تکالیف اور مخلوقات کی جانب سے آمدہ ایذاؤں پر صبر کرنے کی کوشش (جہاد) کرے اور محض اللہ کی رضا کے لیے یہ سب کچھ برداشت کرے۔

جب یہ چاروں مراتب حاصل ہو گئے تو وہ ربانیین میں بن گیا۔ کیونکہ سلف کا اس پر بات پر اجماع ہے کہ عالم اس وقت تک عالم ربانی نہیں بن سکتا جب تک حق کو نہ پہچان لے۔ اس پر عمل نہ کرے اور دوسروں کو بھی نہ سکھائے اس لیے جس نے علم حاصل کیا، تعلیم دی اور اس پر عمل کیا اسے آسمانوں میں مردِ عظیم (بزرگ) سمجھا جائے گا۔

شیطاں سے جہاد کے دو مراتب ہیں | ایک ان شکوک و شبہات کو دور کرنا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے اور جن سے ایمان میں نقص واقع ہو جاتا

ہے۔ دوسرے ان ارادوں اور شہوات کو اپنے آپ سے ہٹانا جو وہ انسان کے دل میں ڈالتا ہے۔ پہلی نوع کے جہاد کے بعد یقین کامل ہوتا ہے اور دوسرے کے بعد صبر حاصل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے

فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اُمَّةً يَتُوبُونَ بَا مَرْنًا لِمَا صَبَرُوا ۗ وَ اٰ كَانُوْا يَتٰوَبُوْنَ
یعنی ”اور ہم نے ان میں سے امام (پیشوا) بنائے جو ہمارے حکم سے ہدایت دیتے ہیں۔ جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے“

اس طرح آپ نے بتایا کہ صرف صبر اور یقین کے ذریعہ قامتِ دین حاصل ہو سکتی ہے صبر، شہوات اور غلط ارادوں کو دور کرتا ہے اور یقین شکوک و شبہات کو ختم کرتا ہے۔

کفار و منافقین کے خلاف جہاد کرنے کے تین مراتب ہیں | ایک ہاتھ سے اگر استطاعت ہو، دوسرے صورت عجز زبان سے اور

اگر اس سے بھی عاجز ہو تو قلب سے، یہ جہاد کے تین مراتب ہیں۔ جو مرگیا اور اس نے جہاد نہیں کیا اور نہ اس کے دل میں جہاد کا شوق پیدا ہوا۔ تو وہ نفاق کی ایک علامت پر مرا۔

جہاد و ہجرت کے بغیر اور ہجرت جہاد و ایمان کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتے | یہی تین لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار نہیں۔ اللہ نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هٰجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اُوْلٰئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَةًۢ مِّنْ اللّٰهِ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا یعنی بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ چونکہ ایمان لانا ہر آدمی پر فرض ہے اس لیے انسان پر ہر وقت دو ہجرتیں لازم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید، اخلاص، انابت، توکل، نخوف، انابت، توبہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور اطاعت کے خاطر ان کی طرف ہجرت۔ آپ کی خبر دہی کی تصدیق اور دوسروں پر آپ کی خبر دہی کو ترجیح دینا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کی طرف ہے اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہو کہ اسے باغ یا عورت (مقصود) ہے جس سے نکاح کرے تو اس کی ہجرت اسی طرف ہوگی۔

لہذا اس پر اللہ کی رضا حاصل کرنے اپنے شیطان سے (بچنے) کے لیے جہاد کرنا ہوگا۔ یہ سب فرض عین ہے۔ کوئی دوسرا اس معاملے میں کسی کی نیابت نہیں کر سکتا اور کفار و منافقین کے ساتھ جہاد میں امت کا کچھ حصہ دوسرے حصہ کی نیابت کر سکتا ہے۔ جبکہ اس طرح مقصود حاصل ہو سکے۔

اللہ کے نزدیک اکمل المخلوق وہ ہے جس نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے | اللہ کے ہاں مخلوقات بھی جہاد کے اختلاف

مراتب کے باعث مختلف درجات رکھتی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ کے نزدیک خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق سے اعلیٰ و اکرام ہیں۔ کیونکہ آپ نے جہاد کے تمام مراتب مکمل کیے اور اللہ کی خاطر جہاد کرنے کا حق ادا کر دیا اور بعثت سے لے کر وفات تک آپ نے جہاد کیا۔

کیونکہ جب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی: يَاۤ اٰیُّهَا الْمَدِیْنَةُ قَدْ اَنْزَلْنَا مِنْ سَمٰوٰتِنَا فِیْكَ سَیِّدًا وَّ شِیَابًا فَطَهِّرْ یعنی اے مکہ والے اٹھ۔ پس ڈرا اور اپنے پروردگار کی بزرگی بیان کر۔

چنانچہ آپ دعوت کے لیے کمر بستہ ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر مکمل طور پر ہنہمک ہو گئے اور دن رات اور پونشیدہ علانیہ ہر طرح تبلیغ کی۔ آخر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

فاصدع بما توامر یعنی جس کا آپ کو حکم ہوتا ہے اس کا کھل کر اعلان کر دیجئے۔ تو آپ نے اعلانیہ تبلیغ شروع کر دی اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کی۔ چنانچہ آپ نے ہر چھوٹے بڑے، آزاد و غلام، مرد و عورت، سرخ و سیاہ اور جن وانس کو (اللہ تعالیٰ) کا پیغام پہنچایا۔ پھر جو نہی آپ نے اعلانیہ دعوت و تبلیغ کا کام شروع کیا اور انہیں اپنے (مصنوعی) خداؤں سے الگ ہونے اور غلط روایات کو ترک کرنے کا حکم دیا تو وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے صحابہ کی ایذا دہی میں سخت ترین (اوپرے) ہتھیار پرتا آئے اور کئی انواع کی ایذائیں دینے لگے اور یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی سنت جاریہ ہے۔ جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: مَا يَقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَد قِيلَ لَكَ مِنْ قَبْلِكَ یعنی تجھ سے صرف وہی کچھ کہا جا رہا ہے جو تجھ سے پہلے رسولوں سے کہا گیا نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَكُنَّا لَكُ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينُ الْإِنْسِ وَالْحَيَّةِ يَعْنِي اس طرح ہم نے ہر نبی کے انسانوں اور جنات میں سے دشمن بنا دیئے ہیں۔

نیز فرمایا: كَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ قَالُوا سَاحِرٌ أَوْ مَجْنُونٌ أَمْ تَوَدُّونَ أَنْ تُدْعَىٰ بِلِسَانِ الْكُفْرِ قَوْلِ الْكُفْرِ طَاغُونَ۔ یعنی اس طرح ان سے قبل ان کے پاس کوئی رسول آیا تو انہوں نے کہا کہ جادو گر ہے یا مجنونوں کہا انہوں نے یہی وصیت کی تھی۔ بلکہ وہ ایک شریر قوم ہے۔

چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ سے تسلی دی (اور بتایا) کہ پہلے انبیاء میں ان کے لیے بھی اسوہ ہے۔

نیز آپ کے اتباع صحابہ کو بھی تسلی دی فرمایا: أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْعَىٰ لَكُمْ لِحْجَةٍ وَلَا يَأْتِكُمْ مِثْلَ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسْتَهْمِرًا لِبِئْسَ مَا لَكُمْ مِنْ صُرَاتٍ وَزَلْزَلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ نَصْرًا لِلَّهِ وَإِنَّ نَصْرًا لِلَّهِ قَرِيبٌ نَزَلَ بِآيَاتِهِ: أَلَمْ أَحْسَبُ النَّاسَ أَنْ تَتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ

ولقد فتننا الذين من قبلهم فليعلمن الله الذين صدقوا وليعلمن
 الكاذبين ۱ ۲ محسب الذين يعملون السيئات ان يسبقونا سوء ما يحكمون
 من كان يرجو لقاء الله فان اجل الله الات وهو السميع العليم ومن
 جاهد نفسه فانما يجاهد نفسه ان الله يغني عن العالمين والذين
 آمنوا و عملوا الصالحات لنكفرنهم عن سيئاتهم ولنجزينهم احسن الذي
 كانوا يعملون ووصينا ال انسان بوالديه حسنا وان جاهدك
 لتشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما اني مرجعكم فانبئكم بما
 كنتم تعملون والذين آمنوا و عملوا الصالحات لندخلنهم في
 الصالحين ومن الناس من يقول امنا بالله فاذا اؤذي في الله جعل
 فتنه الناس كعدا ب الله ولئن جاء نصر من ربك ليقولن اننا كنا معكم
 اوليس الله باعلم ببنائ في صدق و سر العالمين -

علا یعنی: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے۔ حالانکہ تم پر نہیں گزرے حالات
 ان لوگوں کے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک
 کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے، کب آئے گی اللہ کی مدد، سن رکھو، اللہ
 کی مدد قریب ہے۔

۲ کیا یہ سمجھتے ہیں لوگ کہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم یقین لائے اور ان کو نہ جانچ لیں گے؟
 اور ہم نے ان کو جانچا ہے جو ان سے پہلے تھے۔ سوالبتہ اللہ معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور
 البتہ معلوم کرے گا جھوٹوں کو۔ کیا یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ برائیاں کرتے ہیں کہ ہم سے بچ
 جائیں۔ بری بات طے کرتے ہیں جو کوئی اللہ کی ملاقات کی توقع رکھتا ہے سوالبتہ کا وعدہ
 آ رہا ہے اور وہ سننے والا جاننے والا ہے اور جو کوئی محنت اٹھا سواٹھاتا ہے اپنے ہی
 واسطے۔ اللہ کو جہاں والوں کی پروا نہیں اور جو لوگ یقین لائے اور کیے بھلے کام ہم ان
 پر سے ان کی برائیاں اتار دیں گے اور ان کو بہتر سے بہتر بدلہ دیں گے کاموں کا۔ اور ہم نے
 انسان کو اپنے ماں باپ سے بھلائی کے ساتھ رہنے کی تاکید کر دی اور اگر وہ تجھ سے زور

کریں کہ تو میرا شریک کرے جس کی تجھے خبر نہیں تو ان کا کہامت مان۔ مجھی تک پہنچا ہے تم کو سو میں بتلاؤں گا تم کو جو تم کرتے ہو اور جو لوگ یقین لائے اور بھلے کام کیے ہم ان کو نیک لوگوں میں داخل کر دیں گے اور ایک وہ لوگ ہیں کہ ہم اللہ پر یقین لائے۔ پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں ایذا پہنچے تو لوگوں کے ستانے کو اللہ کے عذاب کے برابر کرنے لگے اور اگر تیرے رب کی طرف سے مدد آ پہنچے تو کہنے لگیں ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ کیا یہ نہیں کہ اللہ خوب خبردار ہے جو کچھ سینوں میں ہے جہاں والوں کے ۴

انسان کو چاہیے کہ ان آیات کا سیاق اور ان میں بیان کردہ حکم اور عبرتوں کے غزینے دیکھے کیونکہ جب انسانوں کی طرف انبیاء علیہم السلام کو مبعوث کیا گیا تو دو باتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔ ایک یہ کہ کسی نے کہا ہم ایمان لائے اور کسی نے کہا نہیں لائے، بلکہ وہ کفر اور بدی پر جم گئے۔ اب جس نے آمنا کہا (کہ ہم ایمان لائے) پروردگار نے اس کا امتحان لیا، اس کی آزمائش کی اور کھوٹے میں امتیاز کرنے کے لیے اسے فتن میں مبتلا کر دیا اور جس نے کفر و انکار کیا وہ یہ نہ سمجھ لے کہ وہ اللہ کو عاجز کر دے گا اور اس پر سبقت لے جائے گا، کیونکہ تمام امور اسی کے سامنے لپیٹے جاتے ہیں۔

وکیف یعتبر المرء عنہ بذنبہ -

اذا کان یطوی فی ید یہ المرء اهل : یعنی :- اور انسان اپنے گناہوں کو لے کر اس سے

کیسے فرار ہو سکتا ہے۔

جبکہ اس کے سامنے سفر لپیٹا جا رہا ہے۔

اور امام شافعیؒ سے دریافت کیا گیا کہ انسان کے لیے کیا بات بہتر ہے وہ سطوت حاصل کر لے

یا مبتلا رہے؟

آپ نے فرمایا: تب تک اسے تسلط حاصل نہ ہوگا جب تک کہ اس کا امتحان (ابتلاء) نہ ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے اولی العزم پیغمبروں علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ابتلاء میں ڈالا۔ آخر جب

انہوں نے صبر کیا تو انہیں سطوت حاصل ہوئی۔ اس کے لیے کوئی بھی یہ خیال نہ کرے کہ وہ دکھوں سے منور

ہی محفوظ رہے گا اور مصائب و آلام میں مبتلا لوگوں کی عقول میں بھی تفاوت ہے سب سے بڑا عقلمند

وہ ہے جس نے تھوڑے سے ختم ہو جانے والے دکھ کے عوض طویل ترین اور دائمی دکھ کو بیچ دیا اور سب

سے بڑا بد بخت وہ ہے کہ جس نے طویل ترین اور دائمی دکھ مول لے کر تھوڑا سا ختم ہو جانے والا دکھ بیچ لیا۔ الغرض اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ وہ لوگوں کا ضرور امتحان لیتا اور انہیں مبتلائے (مصائب و آلام) کرتا، تاکہ امتحان کے ذریعہ پاک اور ناپاک قابلِ محبت و اکرام اور ناقابلِ کفار و مشرکین کا امتیاز ہو جائے اور قابلِ اصلاح نفوس کو امتحان کے ذریعہ پاکیزہ کر دیا جائے جیسے سونا گرم کرنے کے ابتلائے کے بغیر صاف و شفاف نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ”نفس“ اصل کے لحاظ سے جاہل اور ظالم ہے اور ظلم و جہالت کے باعث اسے بات کی ضرورت ہوئی کہ اسے گھلایا جائے اور اس کی صفائی کی جائے اگر اس گھر سے (صفائی و طہارت کے ساتھ) نکلا تو ٹھیک ورنہ جہنم کی بھٹی میں (جانا پڑے گا) اس لیے جب بندہ مہذب ہو گیا اور پاکیزہ اخلاق ہو گیا تو اسے جنت میں داخلہ کی اجازت مل جائے گی۔

دعوتِ اسلام

کفار کی ایذا رسانیاں، مسلمانوں کا استقلال، ہجرت کا حکم

سب سے پہلے کون اسلام لایا؟ | جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی طرف دعوت دی۔ تو ہر قبیلہ میں سے اللہ کے بندوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہی۔ چنانچہ صدیق الامت اور اسلام لانے میں پہل کرنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اللہ کے دین (پھیلانے میں) آپ سے تعاون کیا چنانچہ آپ نے ان کی رفاقت و صحبت میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلایا۔ یہی ابو بکرؓ ہیں جن کی مستعدی کے باعث عثمان بن عفانؓ و طلحہ بن عبید اللہ اور سعد بن ابی وقاصؓ نے اسلام قبول کیا۔

نیز صدیقۃ النساء حضرت خدیجہ بنت خویلد نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کی اور صدیقانہ صفات کی حامل ہوئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے (حضرت خدیجہؓ) نے عرض کیا۔ آپ خوش ہو جائیے۔ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی بھی رسوا نہ کرے گا۔ یہی فراست کاملہ تھی جس کے باعث آپ اس بات کی مستحق ہوئیں کہ ان کا پروردگار انہیں اپنے رسول جبریل علیہ السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سلام ارسال فرمائیے۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے آٹھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا | زیادہ مروی ہے۔ یہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت میں تھے۔ انہیں آپ نے اپنے چچا سے تربیت کرنے کے لیے لیا تھا۔

حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ

انہی حضرت زید بن حارثہ نے بھی اسلام قبول کیا۔ یہ حضرت خدیجہ کے غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

خدیجہ سے نکاح کیا تو انہوں نے انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمہ کے طور پر پیش کر دیا۔ ان (زید بن حارثہ) کے والد اور چچا فدیہ دینے حاضر ہوئے۔ ان دونوں نے نبی اکرم صلی علیہ وسلم کے متعلق معلوم کیا۔ پتہ چلا کہ آپ مسجد میں تشریف فرما ہیں۔ چنانچہ دونوں وہاں آئے اور عرض کیا: اے عبدالمطلب کے بیٹے، اے ابن ہاشم، اے سردار قوم کے بیٹے، آپ اللہ کے حرم کے محافظ اور اس کے پڑوسی ہیں۔ آپ مسکین کی مدد کرتے اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں ہم آپ کے پاس اپنے بیٹے کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، جو آپ کے پاس ہے ہم پر احسان کیجیے اور اس کا فدیہ قبول کر کے ہم پر کرم کیجیے۔

آپ نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ انہوں نے عرض کیا ”زید بن حارثہ“
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک اور کام کیوں نہ کر لیا جائے؟ انہوں نے عرض کیا وہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا، زید کو لاؤ۔ میں اسے اختیار دیتا ہوں اگر وہ تمہیں منتخب کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے منتخب کرے تو اللہ کی قسم میں اس آدمی کے نہیں جو اس اختیار سے اختلاف رکھتا ہو۔

ان دونوں نے عرض کیا آپ نے انصاف کیا اور بہت ہی خوب فرمایا؛ چنانچہ انہیں بلایا گیا آپ نے فرمایا کیا تم ان کو جانتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا جی ہاں۔

فرمایا یہ کون ہیں؟ عرض کیا یہ میرے والد ہیں اور یہ میرے چچا ہیں۔

فرمایا میں کون ہوں؟ یہ بھی تمہیں معلوم ہے اور تم نے میری صحبت بھی دیکھ لی اس لیے اب یا مجھے انتخاب کر لو یا ان دونوں کو منتخب کر لو۔

(حضرت زید بن حارثہ نے عرض کیا، میں کبھی بھی آپ کے علاوہ کسی اور کو منتخب نہیں کروں

گا۔ آپ میرے نزدیک باپ اور ماں کے مقام پر ہیں۔

وہ دونوں کہنے لگے، اے زید تعجب ہے تو آزادی اور اپنے والد اور چچا کے مقابلہ

میں غلامی قبول کرتا ہے؟

حضرت زید نے فرمایا: کہ ہاں! میں نے اس سستی میں ایسی بات دیکھی ہے کہ جس کے باعث میں اس کے سوا کبھی بھی کسی دوسرے کو منتخب کر سکتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ نے یہ معاملہ دیکھا تو انہیں دامن میں لے لیا اور فرمایا کہ میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ زید میرا بیٹا ہے یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا جب ان کے والد اور چچا نے (خوش کن) منظر دیکھا تو دونوں بہت خوش ہوئے اور واپس چلے گئے۔

غلط نسب کا اختیار کرنا جائز نہیں | اور حضرت زید بن محمد کے نام سے مشہور ہو گئے
آخر اللہ تعالیٰ نے اسلام نازل فرمایا اور حکم دیا کہ
لوگوں کو اپنے والدین کے نام سے یاد کرو۔ چنانچہ اس کے بعد انہیں زید بن حارثہ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔

جامع معمر میں زہری سے روایت ہے کہ ہمیں معلوم نہیں کہ زید بن حارثہ سے پہلے کوئی مسلمان ہوا ہو۔ یہی وہ صحابی ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب (قرآن مجید) میں خبر دی کہ ان پر اللہ نے اور اس کے رسول نے انعام کیا اور ان کا نام لے کر ذکر کیا۔

ورقہ بن نوفل کا قبول اسلام | ورقہ بن نوفل بھی اسلام لائے اور تمنا کی کہ جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نکال دیں گے۔ کاش

اس دن میں نوجوان ہوتا اور جامع ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خواب کے اندر اچھی حالت میں دیکھا۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے انہیں سفید لباس میں دیکھا آخر لوگ ایک ایک کر کے دین میں داخل ہونے لگے اور قریش نے اس کی مخالفت نہ کی۔ آخر جب آپ نے ان کے بناوٹی خداؤں کا پردہ چاک کیا کہ یہ نفع و نقصان کے مالک نہیں تو یہ لوگ بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے چچا ابو طالب کے ذریعہ حفاظت فرمائی جو قریش کے ایک شریف سردار تھے۔ ان کے باعث تکلیف دینے کی جرأت نہ کرتے تھے اور حکم الحاکمین کی یہ حکمت تھی کہ انہیں اپنی قوم کے دین پر قائم رکھے۔ کیونکہ اس میں سمجھ داروں

کی نگاہوں میں خاص قسم کے مصالحت تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی حالت یہ تھی کہ جو صاحب خاندان ہوتا۔ وہ خاندان کے باعث مشرکوں کی ایذاؤں سے محفوظ رہتا ورنہ نہیں چنانچہ بہت سے صحابہؓ کو مشرکین مکہ سے مصائب اور تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ جن میں سے عمار بن یاسر، ان کی والدہ اور ان کے گھر والے ہیں جنہیں اللہ کی راہ میں ایذائیں دی گئیں جب انہیں ایذائیں دی جا رہی ہوتیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرتے اور فرماتے اے آل یاسر صبر کرو، کیونکہ تم سے جنت کا وعدہ ہے

ان میں حضرت بلال بن رباح بھی تھے۔ انہیں اللہ کی راہ میں سخت ترین ایذائیں دی گئیں چنانچہ

حضرت بلال کی استقامت

اللہ کی خاطر ان کی اور ان کی قوم کی سخت اہانت کی گئی اور جوں جوں ایذا دی میں شدت ہوتی ان کے منہ سے احد، احد، ایک خدا، ایک خدا نکلتا۔ چنانچہ ورقہ بن نوفل وہاں سے گزرے اور کہتے، ہاں اللہ کی قسم اے بلالؓ ایک ہی (خدا) ہے، ایک ہی (خدا) ہے۔ اللہ کی قسم!

اور جب مسلمانوں کے خلاف کفار کی ایذائیں سخت تر ہو گئیں اور انہیں طرح طرح کے دکھ دیے جانے لگے تاکہ مجبور اور بے بس ہو کر لات اور سزائی کی پوجا شروع کر دیں چنانچہ اللہ کا دشمن ابو سہل، ہمار بن یاسر کی والدہ حضرت سمیہؓ کے پاس سے گزرا، انہیں ان کے خاوند اور بیٹے کو قبول اسلام کے باعث ایذا دی جا رہی تھی۔ ابو سہل نے ان کی شرمگاہ میں حبرہ مار دیا جس سے ان کی شہادت ہو گئی اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جب کسی غلام کے پاس سے گزرتے جسے ایذا دی جا رہی ہوتی تو اسے (کفار) سے خرید لیتے اور آزاد کر دیتے۔ ان میں سے حضرت بلالؓ، عامر بن فہیرہ، ام عیسیٰ، دنیرہ، نہدیہ اور ان کی بیٹی تھی اور بنی عدی کی ایک لڑکی بھی انہیں میں شامل تھی جسے عمرؓ اسلام سے قبل ایذا سے رہے تھے۔

اس موقع پر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے والد نے کہا۔ اے بیٹے تو کز در لوگوں کو آزاد کرو اور ہا ہے اگر تو کسی مضبوط جماعت کو آزاد کرتا تو کسی دن یہ لوگ تیرے کام آجاتے۔

حضرت ابو بکر نے فرمایا کہ جو کچھ میں چاہتا ہوں، وہی چاہتا ہوں۔

پہلی ہجرت حبشہ کی طرف اور جب ایذا میں شدید اختیار کر گئیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی بار حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت

دے دی۔ پہلے مہاجرین میں سے عثمان بن عفان، ان کی بیوی حضرت رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھیں۔ پہلی بار بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی۔ جن کے اسمائے مبارک یہ ہیں۔

عثمان، ان کی زوجہ محترمہ، ابو حذیفہ، ان کی بیوی سلمہ بنت سہیل، ابوسلمہ اور ان کی بیوی ام سلمہ، زبیر، عبدالرحمن بن عوف، عثمان بن مظعون، عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ بنت ابی ہشم، ابوسبرہ بن ابی دہم، حاطب بن عمرو، سہیل بن وہب اور عبداللہ بن مسعود۔

یہ لوگ چھپ کر مسلح حالت میں نکلے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا کہ ان کے ساحل پر پہنچتے ہی تجارت کی دو کشتیاں تیار تھیں، جن میں یہ سوار ہو کر حبشہ کی زمین کو روانہ ہو گئے۔ ان لوگوں نے بعثت کے پانچویں سال رجب کے مہینہ میں ہجرت کی۔ قریش بھی ان کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ چنانچہ ساحل تک آئے لیکن ان میں سے کسی کو نہ پکڑ سکے۔ پھر ان مہاجرین کو معلوم ہوا کہ قریش نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینے سے کنارہ کشی کر لی ہے۔ اس لیے پھر لوٹ آئے جب یہ لوگ مکہ سے صرف ایک دن کے فاصلے پر تھے تو خبر ملی کہ قریش تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلے سے زیادہ مخالفت کر رہے ہیں۔ چنانچہ ان میں سے بعض پناہ لے کر مکہ میں داخل ہو گئے جن میں حضرت ابن مسعود بھی تھے۔ یہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے آپ اس وقت غار میں مصروف تھے، انہوں نے آپ کو سلام کیا آپ نے کچھ جواب نہ دیا۔ ابن مسعود کو اس بات سے سخت رنج الاحق ہوا۔ یہاں تک کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نیا حکم نازل فرمایا ہے کہ نماز میں کلام مت کیا کرو۔

حبشہ کی طرف دوبارہ ہجرت کے حکم حبشہ سے جو مہاجرین واپس ہوئے ان پر اور ان کے خاندان پر قریش کے مظالم

پہلے سے شدید تر ہو گئے اور ان لوگوں کو ان سے سخت زحمتیں اٹھانی پڑیں آخر آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم نے انہیں دوبارہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا۔
دوسری مرتبہ ان لوگوں کا ہجرت کرنا قریش پر شاق گزرا۔ چنانچہ مہاجرین کو سخت ایذاؤں اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور وہ زیادہ سے زیادہ ہدفِ تم بنائے جانے لگے۔ خصوصاً جب قریش کو نجاشی کے حسن سلوک کی خبر ملی۔

دوسری مرتبہ جن لوگوں نے ہجرت کی ان کی تعداد تراسی مردوں پر مشتمل تھی بشرطیکہ عمار بن یاسر بھی ان میں شامل ہوں۔ ابن اسحاق نے فرمایا کہ رراوی اکوان کے متعلق شک ہے۔ اس قافلہ مہاجرین میں انیس عورتیں شامل تھیں۔

شاہ حبشہ کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ | مہاجرین نجاشی کی سلطنت میں اطمینان سے رہنے لگے۔ جب قریش کو

اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن عاص کو تحائف اور ہدایا دے کر نجاشی کی طرف دیکھا تاکہ وہ انہیں واپس کر دے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ حالانکہ اس کی فوج کے اعلیٰ افسران نے بھی سفارش کی تھی۔ لیکن پھر بھی اس نے یہ سفاکانہ مطالبہ قبول نہ کیا۔ آخر انہوں نے اسے یہ کہہ کر بہکانا چاہا کہ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق سخت رگتاخی کی بات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کے بندے تھے۔ چنانچہ اس نے مہاجرین کو دربار میں بلایا، حضرت جعفر بن ابی طالب اس جماعت کے رہنما تھے۔ جب ان لوگوں نے داخل ہونے کا ارادہ کیا تو حضرت جعفر نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی جماعت سے داخلہ کی اجازت چاہتی ہے اس نے دربان سے کہا ان سے کہو کہ یہ لوگ اپنی درخواست پھر دہرائیں۔ انہوں نے دوبارہ اس طرح کہا۔ پھر جب یہ جماعت اس کے (دربار) میں داخل ہوئی تو اس نے دریافت کیا کہ آپ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہیں۔

حضرت جعفر نے کھلیغص کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں۔ اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھایا اور کہنے لگا کہ عیسیٰ علیہ السلام اس سے ایک تنکا بھی زیادہ نہ تھے اس کے پادری چینیے۔

وہ کہنے لگا تم لاکھ پیچو!

مسلمانوں سے نجاشی نے کہا: جاؤ تم میری سلطنت میں مامون ہو، جو تمہیں ایذا دے گا اس کو سزا دی جائے گی۔ پھر وہ قریش کے دونوں قاصدوں سے کہنے لگا کہ اگر تم مجھے سونے لگا کر جا بلکہ پہاڑ بھی دے دو پھر بھی میں مسلمانوں کو تمہارے حوالے نہ کروں گا۔ اس کے بعد اس نے سردان قریش کے تحائف لوٹا دینے کا حکم دیا۔ آخر یہ لوگ رسوا ہو کر واپس آئے۔

عمر اور عم رسولؐ حضرت حمزہ کا قبول اسلام | حضرت حمزہ اس واقعہ کے بعد مسلمان ہو گئے۔ اس کے بعد ایک بڑی جماعت

نے اسلام قبول کیا اور رفتہ رفتہ اسلام پھیلنا شروع ہو گیا جب قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کام کو ترقی پذیر دیکھا اور محسوس کیا کہ یہ معاملہ بڑھ رہا ہے تو وہ جمع ہوئے تاکہ بنی ہاشم، بنی عبد المطلب اور بنی عبد المناف کے خلاف ایک معاہدہ کریں کہ نہ ان کے ساتھ خرید و فروخت کریں گے نہ نکاح کریں گے، نہ ان سے کلام کریں گے اور نہ ان کی مجالس میں بیٹھیں گے، جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حوالے نہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور اسے کعبہ کی چھت پر لٹکا دیا۔ کہتے ہیں کہ منصور بن عکرمہ بن عامر بن ہاشم نے یہ عہد نامہ لکھا تھا۔ ایک قول نضر بن حارث کے متعلق بھی ہے، لیکن صحیح تر قول یہ ہے کہ یہ آدمی بغیض بن عامر بن ہاشم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بد دعا دی، چنانچہ اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔

پھر بنو ہاشم اور بنو مطلب میں سے بعض اہل ایمان اور بعض اہل کفر سے مل گئے سوائے ابو لہب کے۔ کیونکہ اس نے قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم، بنی مطلب اور بنی ہاشم کے خلاف اکسایا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو شعب ابی طالب میں محبوس کر دیا گیا۔ یہ واقعہ بعثت کے ساتویں سال محرم کی رات کو پیش آیا اور کعبہ کی چھت پر وہ عہد نامہ لٹکا دیا گیا۔

یہ لوگ تین سال تک اس جگہ محصور و نظر بند رہے۔ ان کو تمام ضروریات زندگی مہیا کرنی بند کر دی گئیں۔ یہاں تک کہ انہیں سخت اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اور شعب رکھائی کے پیچھے سے ان کے بچوں کی آوازیں سنائی دیں۔ اس موقع پر ابو طالب نے اپنا مشہور

قصیدہ لامیہ لکھا۔

اور اس واقعہ پر بعض قریشی راضی تھے اور بعض ناپسند کرتے تھے جو ناپسند کرتے تھے۔ انہوں نے عہد نامہ کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی۔ چنانچہ ہشام بن عمرو اس سلسلہ میں مطعم بن عدی اور قریش کی ایک جماعت کے پاس گیا۔ انہوں نے بھی اس کی تائید کی اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عہد نامہ کے متعلق آگاہ فرمایا کہ اس پر (اللہ تعالیٰ) نے دیکھ بھیجی جس نے ظلم، قطع تعلق اور ستم رسانی کی باتیں چاٹ ڈالیں اور صرف اللہ کا نام مبارک باقی رہنے دیا۔ آپ نے اپنے چچا کو اس کی خبر دی، وہ قریش کی طرف نکلے اور انہیں بتایا کہ ان کے بھتیجے نے اس طرح کہا ہے اگر وہ جھوٹا نکلا تو ہم اس کے اور تمہارے درمیان سے ہٹ جائیں گے اور اگر وہ سچا نکلا تو تم مقاطعت اور ظلم سے باز آ جاؤ۔ انہوں نے جواب دیا تو نے انصاف کی بات کہی۔

چنانچہ انہوں نے عہد نامہ اتارا اور جب دیکھا تو جیسا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا تھا ویسا ہی معاملہ نکلا اس پر وہ پہلے سے زیادہ کفر پر اتر آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی حسب عہد اشعب ابی طالب سے نکل آئے۔

ابو طالب اور خدیجہ کا انتقال | ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ بعثت کے دو برس بعد وقوع پذیر ہوا اور اس کے چھ ماہ بعد ابو طالب

نے وفات پائی۔ اس کے تین دن بعد ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا بھی انتقال فرما گئیں۔ عہد نامہ کے ختم ہونے کے فوراً بعد ابو طالب کی وفات اور ام المومنین حضرت خدیجہ کی رحلت کے صدمات آپ کو سہنے پڑے اور قوم کے پست اور ذلیل طبقہ کے لوگوں سے سخت ترین ایذا میں پہنچنے لگیں۔

طائف کا سفر | چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف کی طرف تشریف لے گئے کہ (شاید وہ اسلام لے آئیں اور قوم کے مقابلہ میں آپ کے ساتھ تعاون و حمایت کا مظاہرہ کریں۔ آپ نے انہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن ان میں سے کسی کو بھی اس طرح مائل یا حامی نہ دیکھا بلکہ انہوں نے آپ کو سخت ترین ایذا دی اور آپ کو اپنی

قوم سے بھی زیادہ خوفناک نکالیف اور زحمتیں اٹھانی پڑیں۔ آپ کے غلام زید بن حارثہ آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ وہاں دس روز ٹھہرے آپ وہاں کے سردار کے پاس تشریف لے گئے اور اسلام کے متعلق گفتگو فرمائی لیکن وہ کہنے لگے کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ۔ اور غنڈوں کو آپ کے خلاف اکسایا۔ نیز اجرت پر بعض لوگوں کو حاصل کیا۔ وہ آپ کو پتھروں سے مارنے لگے یہاں تک کہ آپ کے پائے مبارک لہو لہان ہو گئے۔ زید بن حارثہ آپ کو بچاتے رہے۔ آخر ان کے سر پر زخم آگیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے غزوہ حالت میں واپس تشریف لے آئے راستہ میں آپ نے طائف کے متعلق مشہور دعا فرمائی۔ دعا یہ تھی: اے اللہ میں اپنی ضعف قوت اور کمی جیلہ اور لوگوں میں ناتوانی کی تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں۔ اے تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے! تو ہی ضعیفوں کا پروردگار ہے اور تو ہی میرا رب ہے، مجھے کس کے سپرد کرتا ہے۔ اس دور کی طرف جو مجھ سے ترش روئی کرتا ہے یا ایسے دشمن کی طرف جس کا تو مالک ہے اگر تو مجھ سے ناراض نہیں تو مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں۔ ہاں بس تیری (عطا کردہ) عافیت ہی میرے لیے وسیع ہے میں تیرے چہرے کے نور کی پناہ مانگتا ہوں جس کے صدقے اندھیرے اجالے بن گئے اور دنیا و آخرت کے امور اسی کے طفیل درست ہوئے۔ اس بات سے کہ مجھ پر تیرا غضب آئے۔ یا مجھ پر تیری ناراضی ہو۔ میرا چلنا صرف تیرے لیے ہے یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے اور تیرے سوا نہ تو نفع ہے اور نہ قوت ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ آپ فرمائیں تو اہل مکہ پر پہاڑ گرا دیں۔ اور یہ دونوں ان دو شہروں (مکہ اور تحائف) کے درمیان ہیں۔

آپ نے جواب دیا میں پُر امید ہوں شاید ان کی نسلوں سے ایسے لوگ پیدا ہوں۔ جو اس لالہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کچھ بھی شرک نہ کریں۔ واپسی پر جب آپ ایک کھجور کے پاس سے اترے تو رات کی نماز پڑھنے میں مصروف ہو گئے اور جنات کی ایک چھوٹی سی جماعت آپ کی طرف آئی۔ انہوں نے آپ کی تلاوت سنی مگر آپ کو پتہ نہ چلا یہاں تک کہ آپ سے یہ آیت نازل ہوئی۔

وَإِذَا صَرَفْنَا إِلَيْكَ نِزْوَاتٍ مِّنَ الْجَنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضَرُوا

قالوا انصتو فلما قضى ولو الى قومهم منذرين ه قالوا يا قومنا اناسمعتنا
 كتابا نزل من بعد موسى مصدا قالما بين يديه يهدى الى الحق والى
 طريق مستقيم ه يا قومنا اجيبوا داعى الله وامنوا به يغفر لكم من
 ذنوبكم ويجركم من عذاب اليمه ومن لا يجيب داعى الله فليس بمعجز فى الارض

وليس له من دونه اولياء اولئك فى ضلال مبين ۵

یعنی: اور جس وقت ہم نے آپ کی طرف کتنے لوگ جنوں میں سے متوجہ کر دیے وہ قرآن
 سننے لگے، پھر جب وہاں پہنچ گئے، بولے چپ رہو، پھر جب ختم ہوا اپنی قوم کی
 طرف دُرسناتے ہوئے اٹھے پھرے۔ بولے اے ہماری قوم ہم نے ایک
 ایک کتاب سنی جو موسیٰ کے بعد اتری ہے سب اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے
 والی حق اور سیدھے راہ کی ہدایت کرتی ہے۔ اے ہماری قوم اللہ کے بلانے
 والے کو مانو اور اس پر یقین لاؤ کہ تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو دردناک
 عذاب سے بچائے۔ اور جو اللہ کے بلانے والے کو نہ مانے گا تو وہ زمین میں
 بھاگ کر اللہ کو نہ تھکا سکے گا اور اس کا اس کے سوا کوئی مددگار نہیں وہ لوگ
 صریح بھٹکتے ہیں۔

طائف سے مکہ میں آپ کی واپسی | اور وادی نخلہ میں آپ چند دن ٹھہرے۔ زید بن
 حارثہ نے عرض کیا۔ قریش نے آپ کو نکال دیا

ہے اب آپ (مکہ) میں کیسے داخل ہوں گے؟ آپ نے فرمایا: اے زید جیسے تم دیکھ رہے
 ہو اللہ تعالیٰ نکلنے اور کامیابی کی کوئی راہ نکال دے گا۔ وہی اپنے دین کا مددگار اور اپنے
 نبی کو غلبہ دینے والا ہے، پھر آپ مکہ پہنچ گئے۔ چنانچہ آپ نے بنی خزاعہ کا ایک آدمی مطعم
 بن عدی کی طرف بھیجا کہ کیا میں تمہارے جوار میں داخل ہو جاؤں گا؟

اس نے جواب دیا ہاں! اور اپنے قوم اور بیٹوں کو بلا کر کہا کہ ہتھیار پہن لو اور خانہ کعبہ
 کے ارکان کے پاس کھڑے ہو جاؤ، کیونکہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے
 چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کے ہمراہ داخل ہوئے اور مسجد حرام تک پہنچ گئے
 اب مطعم بن عدی اپنی سواری پر کھڑا ہو گیا اور آواز دی، اے قریش کی جماعت! میں نے

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دے دی ہے اس لیے تم میں سے کوئی ان کی اہانت نہ کرے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رکن تک تشریف لے گئے اور استلام کیا، پھر دو رکعتیں پڑھیں پھر گھر تشریف لے آئے اور گھر میں داخل ہونے تک مطعم بن عدی کے ٹرکے ہتھیار سے مسلح آپ کے ساتھ رہے۔

معراج رسول صلی اللہ علیہ وسلم | پھر مسجد حرام سے لے کر بیت المقدس تک

براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی رفاقت میں آپ کو جسمانی سیر کرائی گئی۔ آپ وہاں اترے اور تمام انبیاء علیہم السلام کو امام بن کر نماز پڑھائی اور مسجد اقصیٰ کے دروازے پر براق باندھ دیا۔ ایک قول یہ ہے کہ آپ بیت لحم میں اترے اور وہاں نماز پڑھی لیکن یہ قول درست نہیں۔ پھر اسی رات بیت المقدس سے آسمان دنیا کی طرف تشریف لے گئے حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ کے لیے اجازت چاہی، دروازہ کھول دیا گیا۔ وہاں آپ نے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا، انہوں نے مرحبا کہا اور سلام کا جواب دیا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا اور اپنی دائیں جانب سعید ارواح اور بائیں جانب شقی ارواح کا منتظر دکھایا۔

پھر آپ جبریل کے ہمراہ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے اور انہوں نے آپ کے لیے دروازہ کھلوا دیا وہاں آپ نے یحییٰ بن زکریا اور عیسیٰ بن مریم علیہم السلام کو دیکھا، ان سے ملاقات فرمائی اور انہیں سلام کیا انہوں نے بھی جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ تیسرے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ چوتھے آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا۔ انہیں سلام کیا۔ انہوں نے جواب دیا اور مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ پانچویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں ہارون بن عمران علیہ السلام کو دیکھا ان سے علیک سلیک ہوئی انہوں نے بھی مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر آپ چھٹے آسمان پر تشریف لے گئے اور

وہاں موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے (سلام کا جواب دے کر) مرحبا کہا۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔
جب آپ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کیوں رو دیے؟ وہ فرمانے لگے کہ میں اس لیے رویا ہوں کہ میرے بعد ایک جوان کو نبی بنایا گیا اور اس کی امت میری امت سے بہت زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔

اس کے بعد آپ ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انہیں سلام کیا اور انہوں نے جواب دے کر مرحبا کہا۔ اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ پھر آپ کو سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ اس کے بعد بیت المعمور تک پہنچایا گیا اور اس کے بعد آپ کو اللہ جل جلالہ کے دربار اعلیٰ میں لے جایا گیا۔ آپ اللہ جبارک و تعالیٰ کے قریب ہو گئے۔ حتیٰ کہ دو کمان یا اس سے بھی کم فرق رہ گیا۔ پھر اللہ نے آپ کو حکم بھیجا جو چاہا اور آپ پر پچاس نمازیں فرض کی گئیں۔ چنانچہ آپ لوٹے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے انہوں نے دریافت کیا کہ کیا حکم ہوا؟ آپ نے فرمایا پچاس نمازوں کا، وہ کہنے لگے کہ آپ کی امت کو اس کی استطاعت نہ ہوگی، آپ اپنے پروردگار کے پاس واپس جائیے اور اپنی امت کے لیے تخفیف کی درخواست کیجیے۔ آپ نے حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف التفات فرمایا گویا ان سے مشورہ چاہتے ہوں۔ انہوں نے بھی اشارہ کیا کہ ہاں اگر آپ کی خواہش ہو۔ آخر آپ جبریل علیہ السلام کے ساتھ دوبارہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے اور وہ وہیں تھا۔ بعض طرق میں یہ بخاری کے الفاظ ہیں (اللہ نے دس نمازیں معاف فرمادیں۔ پھر آپ اترے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے اور انہیں خبر دی انہوں نے فرمایا کہ اپنے پروردگار کے حضور پھر جائیے اور تخفیف کی درخواست کیجیے۔ اس طرح آپ موسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے درمیان آئے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ پانچ نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب بھی واپس جانے اور تخفیف کی درخواست کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے بلکہ اب تو میں راضی ہو گیا اور تسلیم کر لیا۔ جب آپ چلے تو ندا کرنے والے نے ندا کی اور کہا کہ میں نے اپنا فریضہ دے لیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔

صحابہ کا اختلاف رائے | صحابہ کا اس میں اختلاف ہے کہ آپ نے اس شب کو پروردگار کی زیارت کی یا نہیں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ ایک قول یہ بھی ان سے منقول ہے کہ قلب سے دیکھا۔

حضرت عائشہ اور ابن مسعود کا انکار بھی ثابت ہے۔ ان دونوں نے فرمایا ہے کہ ولقد رآه نزلة اخرى عند سدرة المنتهى سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں اور حضرت ابو ذر سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا تو آپ نے فرمایا، میں نے ایک نور دیکھا ہے۔ یعنی میرے ادراک کی روایت کے درمیان ایک نور حائل ہو گیا۔ جیسا کہ دوسری روایت میں ہے کہ میں نے نور دیکھا اور عثمان بن سعید داری نے عدم روایت پر صحابہؓ کا اتفاق نقل کیا ہے۔

میرے نزدیک تخفیف نماز کی یہ روایت اگرچہ بخاری کی روایت کردہ ہے مگر محل نظر ہے۔ حقیقت یہ روایت ان اسرائیلیات میں سے ہے جو کسی نہ کسی طرح اسلامی اخبار و روایات میں داخل ہو گئی ہیں۔

اس روایت کا ماہصل کیا ہے؟

یہ کہ حضرت موسیٰ، آنحضرت سے زیادہ ددرا نیش تھے، آپ فخرِ سل اور خاتم انبیا ہونے کے باوجود ان کی رائے کے مطابق بار بار خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر حاضر ہوئے۔ یہ بات مزاج نبوت کے یکسر منافی ہے۔

آپ کے شوق عبادت کا یہ عالم تھا کہ عبادت کرتے کرتے پائے مبارک متورم ہو جاتے لوگ کہتے آپ تو معصوم ہیں آپ کیوں یہ تکلیف اٹھاتے ہیں؟ آپ جواب دیتے:

کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

ایسا نبی خدا کے پاس تخفیف نماز کی استدعا لے کر جاسکتا تھا؟ کلام کلام۔ (رئیس احمد جعفری)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس اللہ سرہ نے فرمایا کہ ابن عباس کا قول ہے کہ آپ نے رب تعالیٰ کو دیکھا اور آپ نے قلب سے دیکھا۔ آپس میں متضاد نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار تبارک و تعالیٰ کو دیکھا لیکن یہ واقعہ شب اسرا کا نہیں بلکہ یہ واقعہ مدینہ میں پیش آیا جبکہ آپ کی صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ پھر آپ نے رب تعالیٰ کی خواب میں زیارت کی خبر دی۔ اسی بنا پر امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الحقیقت دیکھا اور روایت انبیاء حق ہے اور امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ نہیں فرمایا کہ آپ نے دو آنکھوں سے بیداری میں دیکھا اور جس نے ان سے ایسا قول نقل کیا ہے۔ اسے غلط فہمی ہوئی چونکہ امام احمد نے ایک بار فرمایا کہ آپ نے دیکھا ایک بار فرمایا کہ آپ نے روحانی طور پر دیکھا تو اس لیے ان سے دونوں قول منقول ہو گئے۔ امام احمد سے ایک تیسرا قول بھی منقول ہے کہ آپ نے سر کی آنکھوں سے دیکھا۔ لیکن یہ ان کے بعض اصحاب کے تصرف کا نتیجہ ہے۔ امام احمد کی نصوص موجود ہیں لیکن ان میں یہ قول نہیں ملتا۔

خبر معراج کا کفار پر رد عمل | جب صبح ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو خبر دی کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو یہ عظیم آیات دکھائیں۔

انہوں نے سختی سے تکذیب کی اور اتہائی شدت سے ایذا دی اور ضرر رسانی پر اتر آئے اور آپ سے مطالبہ کرنے لگے کہ بیت المقدس کا علیہ بیان کریں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (بیت المقدس کو آپ کے سامنے ظاہر کر دیا کہ آپ نے اسے دیکھا اور اس کی تمام علامت بتانی شروع کیں اور وہ لوگ کسی بھی بات کو رد نہ کر سکے نیز ان کے سامنے راستہ میں اور واپسی پر ایک قافلے کا ذکر بھی کیا اور اس قافلے کے پہنچنے کا وقت بھی بتا دیا اور سب سے اگلے اونٹ کا پتہ بھی بتایا۔ اب معاملہ ایسا ہی تھا، جیسے آپ نے فرمایا تھا لیکن اس کے باوجود ان کی نفرت بڑھتی گئی اور ظالم لوگ انکار پر مصر رہے۔

امام زہری فرماتے ہیں کہ مدینہ روانگی سے ایک سال قبل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس اور پھر آسمان کی طرف معراج روحانی کر لیا گیا اور ابن عبد البر وغیرہ فرماتے ہیں کہ ہجرت اور معراج کے درمیان ایک سال دو ماہ کا وقفہ تھا اور معراج ایک بار ہوا۔ ایک قول میں دو

مرتبہ ہوا ایک بار بیداری میں اور ایک بار خواب میں۔ اس قول کے حاملین کا خیال یہ ہے کہ حدیث شریک اور آپ کے فرمان: پھر میں بیدار ہو گیا اور دوسری تمام روایات کو جمع کر سکیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ (اسراء) دوبارہ ہوا۔ وہی سے قبل ایک بار جیسے حدیث شریک ہی مذکور ہے اور یہ وہی سے قبل کا ذکر ہے اور ایک بار وحی کے بعد جیسا تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے۔

بعض نے کہا تین بار یہ واقعہ پیش آیا ایک بار وحی سے قبل اور دو بار وحی کے بعد حالانکہ یہ تمام ضبط ہے اور ار باب نقل کے ظاہر پرست ضعیف کا کارنامہ ہے کہ جب انہوں نے دیکھا کہ قصہ (معراج) میں بعض الفاظ دوسری روایات کے سیاق کے خلاف پڑتے ہیں۔ تو انہوں نے اسے ایک مرتبہ اور ہونا قرار دے دیا۔ اس کے بعد جوں جوں اختلاف روایات محسوس کیا معراج کے مزید واقعات مانتے چلے گئے اور صحیح وہی ہے کہ جس پر ائمہ حدیث متفق ہیں کہ واقعہ اسراء بعثت کے بعد اور ایک ہی بار ہوا۔

ہجرت کے متعلق جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء اور اعداء کے درمیان فرق کرنے کا سبب قرار دیا۔ اور جس سے اپنے دین کو غالب کرنے، اپنے بندے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کی ابتداء فرمائی۔

زہری فرماتے ہیں کہ مجھے محمد بن صالح سے انہیں عاصم بن عمر فتادہ اور یزید بن رومان وغیرہ سے روایت ملی۔ بتاتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے ابتدائی ایام میں تین سال تک مکہ میں چھپ کر رہے۔ پھر چوتھے سال اعلان عام کیا اور لوگوں کو دس سال تک دعوت اسلام دی۔ حج کے موسم پر حجاج کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے نیز عکرة بجنۃ، ذی الحجاز کے موسمی تہواروں پر بھی آپ تشریف لے جاتے اور دعوت اسلام دیتے اور اپنے پروردگار کے پیغامات پہنچاتے (اور فرماتے کہ اگر تم نے قبول کر لیا تو جنت ملے گی لیکن کوئی بھی آپ کی صدا پر لبیک نہ کہتا نہ حمایت پر تیار ہوتا۔ آخر آپ قبائل کے نام دریافت فرماتے اور ایک ایک قبیلہ کی قیام گاہ کا پتہ چلاتے اور فرماتے۔

اے لوگو! کہولاء الہ الا اللہ واللہ کے سوا کوئی معبود کار ساز نہیں تم عرب کے بادشاہ

بن جاؤ گے اور عجم کے لوگ تمہارا دین اختیار کریں گے اور جب تم ایمان لاؤ گے تو جنت میں بھی سردار ہو گے۔ ابو لہب آپ کے پیچھے رہتا اور کہتا:۔

ابو لہب کی ایذا رسانیاں | خبردار اس شخص کی اطاعت نہ کرنا۔ یہ صابی اور کذاب ہے چنانچہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا شدت سے انکار کرتے

اور آپ کو ایذا نہیں دیتے اور کہتے کہ تیرا خاندان اور قبیلہ تجھے خوب جانتا ہے (اس لیے) انہوں نے تیری اتباع نہیں کی اور آپ انہیں اللہ کی دعوت دیتے چلے جاتے اور کہتے، اے اللہ اگر تو چاہتا تو یہ ایسے نہ ہوتے۔ راوی کہتے ہیں کہ جن قبائل کے پاس نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعوت و تبلیغ کے لیے تشریف لے گئے۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں۔ بنو عامر بن صعصعہ، محارب بن حنفہ، قرارہ، غسارہ، مرة، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، بنو نکا، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرة اور قبیلہ حضرمی، لیکن ان میں سے کسی نے دعوت اسلام قبول نہ کی۔

اہل مدینہ کی آپ کی طرف رغبت اور قبول اسلام | اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی نفرت

کے لیے بھی انتظامات کر رکھے تھے۔ اوس اور خزرج مدینہ میں دو قبائل تھے جو یہودیوں میں سے اپنے دوستوں کے ذریعے اکثر سنتے رہتے ہیں کہ اس زمانے کے اندر ایک نبی مبعوث ہو گا ہم اس کا اتباع کریں گے اور عاد و دارم کی طرح تمہیں قتل کریں گے۔ اب عرب لوگوں کی طرح انصار بھی کعبہ مشرقہ کا حج کیا کرتے تھے۔ جب انصار نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دے رہے ہیں۔ انہوں نے آپ کے احوال کا بغور مطالعہ کیا اور بعض انصاری کہنے لگے کہ اللہ کی قسم لوگو جانتے ہو؟ یہی وہ شخص ہیں جن کا نام لے کر مدینہ کے یہودی تمہیں دھمکایا کرتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تم پر سبقت لے جائیں۔

سوید بن صامت اوس کا ایک آدمی تھا جو مکہ آیا ہوا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دعوت دی اس نے نہ انکار کیا نہ اقرار کیا۔ آخر انس بن رافع، ابو العیس بن عبد الاشہل کے

چند نوجوانوں کے ہمراہ حلف کے لیے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ ایسا بن معاذ جو ایک نوجوان تھا، کہنے لگا اب قوم، اللہ کی قسم ہم جس کام کے لیے آتے ہیں اس سے یہ اسلام ابہتر ہے۔ ابوالجیس نے اسے جھڑک دیا وہ خاموش ہو گیا۔ پھر ان کا حلف بھی مکمل نہ ہو سکا۔ اور وہ واپس مدینہ چلے گئے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حج کے موقع پر مقام عقبہ پر انصار کے بیعت عقبہ اولیٰ | چھ آدمیوں سے ملے جو خزرج کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے

بن کے نام یہ ہیں:۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ، عوف بن حرت، رافع بن مالک، قطیبہ بن عامر، عقبہ بن عامر، جابر بن عبد اللہ۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور مدینہ واپس چلے گئے۔ وہاں انہوں نے اسلام کی دعوت دینا شروع کر دی اور وہاں بھی اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ کوئی گھر ایسا نہ رہا کہ جہاں اسلام داخل نہ ہوا۔ اگلے برس بارہ آدمی حاضر ہوئے جابر بن عبد اللہ کے علاوہ چھ پہلے تھے۔ نیز ان کے ہمراہ معاذ بن حرت بن رفاعہ جو عوف مذکورہ کا بھائی تھا اور ذکوان بن عبد القیس بھی حاضر ہوا اور ذکوان مکہ میں ہی ٹھہر گیا۔ اس نے (بعد میں) مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ چنانچہ ان کو مہاجر انصاری کہا جاتا ہے۔

نیز عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلب، ابوالہشیم بن بنہان، عومیر بن مالک۔ یہ بارہ تھے۔ ابوزبیر نے حضرت جابر سے روایت کی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حج کے ایام میں لوگوں کی قیام گاہوں پر تشریف لے جاتے۔ مجنہ، عکاز وغیرہ کے تہواروں میں بھی جاتے اور ہر کون ہے جو مجھ پر ایمان لائے، میری حمایت و نصرت کرے حتیٰ کہ میں اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دوں، اسے جنت ملے گی۔

لیکن کسی کو حامی و ناصر نہ پاتے، معاملہ یہاں تک آن پہنچا تھا کہ کوئی آدمی مصر یا یمن سے اپنے قرابت داروں سے ملنے آتا تو آپ کی قوم اس کے پاس آتی اور کہتی۔

دیکھنا چننا، قریش کا نوجوان تمہیں فتنہ میں نہ ڈال دے۔ آپ ان لوگوں میں تشریف لے جاتے اور انہیں دین کی دعوت دیتے اور قریش آپ کی طرف انگلیوں سے اشارے کر رہے

ہوتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے یثرب سے لوگ بھیجے۔ ان میں سے ایک آدمی آتا اور ایساں لاتا پھر آپ اس کے سامنے قرآن پاک پڑھتے۔ وہ واپس لوٹ جاتا اور اس کے اسلام کے باعث اس کے گھرواے بھی مسلمان ہو جاتے حتیٰ کہ انصار کا کوئی گھر ایسا نہ رہا جہاں مسلمانوں کی ایک جماعت نہ پائی جاتی ہو۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی طرف بھیجا۔ ہم جمع ہوئے اور عقبہ کے مقام پر ہم نے بیعت کی۔ آپ کے چچا حضرت عباس نے کہا۔

اے میرے بھتیجے! میں اس قوم کو کچھ (قوی) نہیں سمجھتا جو تیرے پاس آتے ہیں۔ میں اہل یثرب کو خوب جانتا ہوں۔ پھر ایک دو آدمی آپ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عباس ان کے چہروں پر غور سے دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ہم اس قوم کو نہیں جانتے یہ نئے ہیں۔

ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کس بات پر آپ کی بیعت کریں! آپ نے فرمایا ہر حالت میں سننے اور اطاعت کی۔ خوشی اور سستی میں، تنگی و فراخی میں اللہ کے لیے خرچ کرنے پر، امر بالمعروف اور نہی وعین المنکر پر اس بات پر کہ تم اللہ کی اطاعت کرو اور ظلمت سے نہ ڈرو اور اس پر کہ جب میں وہاں آ جاؤں تو میری نصرت کرو اور جس سے تم اپنی جانوں، اپنی بیویوں اور اولاد کو بچاتے ہو۔ اسے مجھ سے بھی ہٹاؤ پھر تمہارے لیے جنت ہے۔

اسعد بن زرارہ کا انتباہ | ہم بیعت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ اسعد بن زرارہ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگا۔ اے اہل یثرب ٹھہرو! ہم ان کی طرف اونٹوں پر بار نہیں آئے اور ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا رسول ہے اور آج اس کا نکالنا تمام عرب کی مفارقت تمہارے بڑوں بڑوں کے قتل اور تمہارے ساتھ تلواروں سے جنگ کے برابر ہے۔ اب اگر تم اس بات پر استقلال (صبر) دکھا سکتے ہو۔ تو بیعت کرو اور تمہارا اجر اللہ کے ہاں ہوگا۔ اور اگر تمہیں اپنے آپ کا ڈر ہے تو بے شک اللہ کے ہاں تمہارا عذر ہے۔

اسلام مدینہ میں | وہ کہنے لگے اے اسعد ہم سے اپنا ہاتھ ہٹا لے ہم اس بیعت سے نہیں ہٹیں گے۔ پھر ہم ایک ایک کر کے اٹھے اور آپ نے ہم سے

وعدہ لے کر جنت کی خوشخبری عطا فرمائی اس کے بعد یہ لوگ مدینہ واپس چلے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ عمرو بن ام مکتوم اور معصب بن عمیر دو صحابی بھیجے جو مسلمان ہوئے۔ یہ دونوں صحابی انہیں قرآن مجید کی تعلیم دیتے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے۔ چنانچہ یہ دونوں صحابی ابی امامہ اسعد بن زرارہ کے ہاں ٹھہرے جب یہ چالیس کی تعداد کو پہنچ گئے تو معصب بن عمیر ہی ان کو جمع کرتے اور امامت کے فرائض انجام دیتے۔ آخر ان دونوں صحابیوں کے ہاتھ پر کثیر تعداد میں لوگ اسلام لائے: اسیر بن حضیر اور اسعد بن معاذ انہی میں شامل ہیں۔ نیز ان دونوں کے اسلام لانے پر نبی عبدالاشہل کے تمام مردوں اور عورتوں نے سوائے عمرو بن ثابت بن قس کے اسلام قبول کیا۔ عمرو بن ثابت یوم احد کو اسلام لایا اور اس وقت جہاد میں شریک ہوا اور ایک بھی سجدہ کرنے سے پہلے شہادت پائی۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

عمل قلیل تھا اور اجر کثیر

پھر مدینہ میں اسلام پھیل گیا اور غالب ہونے لگا۔ اس کے بعد معصب مکہ واپس آگئے۔ اور اس سال حج کے موقع پر کثرت سے انصاری مسلمان شریک ہوئے ہمشرکین اور براد بن معرور کا سردار حاضر خدمت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہوا۔ عقبہ کی آخری رات جب رات کا ابتدائی ثلث گزر چکا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تہتر مرد اور دو عورتیں حاضر ہوئیں نے اپنی قوم اور مکہ کے کفار سے پوشیدہ طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی تاکہ یہ لوگ جس بات سے اپنی عورتوں، بچوں اور بڑوں کی حفاظت کرتے ہیں آپ کی بھی حفاظت کریں اس رات کو سب سے پہلے براد بن معرور نے بیعت کی، جب اس نے بیعت کی تو اس کا ہاتھ سفید تھا اس نے آپ کی طرف جلدی کی اور حضرت عباس اس کی بیعت کو موکد کرنے کے لیے تشریف لائے۔ اس وقت یہ اپنی قوم کے دین پر تھے اور اس رات کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے بارہ کا انتخاب فرمایا جن کے اسمائے مبارک حسب ذیل ہیں:-

اسعد بن زرارہ، سعد بن ربیع، عبداللہ بن رواحہ، رافع بن مالک، براد بن معرور عبداللہ

بن عمرو بن حرام جو حضرت جابر کے والد تھے اور اسی رات کو یہ اسلام لائے تھے۔ سعد بن عبادہ منذر بن عمر اور عبادہ بن صامت یہ مذکورہ حضرات تو قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور تین افراد قبیلہ اوس سے انتخاب فرمائے، اسید بن حضیر، سعد بن خلیثمہ اور رفاعہ بن عند المنذر۔ ایک قول میں رفاعہ کی جگہ ابوالثیم بن تیہان کا نام لیا گیا ہے۔ دو عورتیں یہ تھیں: ام عمارۃ نسیبہ بنت کعب بن عمرو اور یہی وہ عورت ہیں کہ جن کے رڑ کے حبیب بن زید کو مسیلمہ نے شہید کیا تھا اور دوسری عورت اسماء بنت عمرو بن عدی تھیں۔

جب یہ بیعت مکمل ہو گئی تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ کیا اہل عقبہ پر اپنی تلوار سے مسلح ہو کر حملہ کر دیں؟ آپ نے انہیں اس بات کی اجازت نہ دی۔ اور شیطان اہل عقبہ کو سنانے کے لیے چلا آیا۔ جیسے دور سے آواز آرہی ہو۔ اے اہل غائب تمہیں معلوم ہے کہ محمد اور اس کے صحابی ساتھی تمہارے خلاف جنگ کرنے کے لیے جمع ہو چکے ہیں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ کے دشمن میں تیرے لیے ضرور فارغ ہوں گا۔

اہل مدینہ کے قبول اسلام پر قریش کا اضطراب

پھر آپ نے حکم دیا کہ اپنے اپنے اہل مدینہ کے قبول اسلام پر قریش کا اضطراب

صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے سردار قبائل انصار کے پاس آئے اور کہنے لگے اے قوم خزرج! ہمیں معلوم ہوا ہے کہ تم گزشتہ رات ہمارے اس آدمی (حضرت محمد) سے ملے ہو اور تم نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ تم نے ہمارے مقابلہ میں رڑنے کی بیعت کر لی ہے۔ اللہ کی قسم، عرب میں کوئی قبیلہ ایسا نہیں کہ جو ہمیں اس سے زیادہ مبغوض ہو۔ چنانچہ خزرج کے مشرکین کھڑے ہوئے اور انہوں نے یقین دلانے کی خاطر قسمیں کھانے لگیں۔ کہ نہ یہ بات تھی اور نہ ہمیں اس کا علم تھا۔

اور عبد اللہ بن ابی کہنے لگا کہ یہ غلط ہے۔ یہ بات ہی نہ تھی اور میری قوم اس جیسے آدمی سے بتلانے فتنہ نہیں ہو سکتی۔ اور اگر میں یثرب میں ہوتا کہ میری قوم میرے مشورے کے بغیر ایسی بات نہ کرتی۔ چنانچہ قریش لوٹ کر چلے گئے اور براء بن معرور نے کوچ کیا اور وادی

یاجج میں اپنی مسلمان قوم سے جا ملا۔ قریش نے بھی انہیں تلاش کیا اور سعد بن عبادہ کو پکڑ لیا اور ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ رسی سے باندھ دیا اور مارنے اور گھسیٹنے لگے اور ان کے بال نوچنے لگے، یہاں تک کہ انہیں مکہ لے آئے۔ آخر مطعم بن ادرعہ بن حنظلہ بن امیہ آئے اور انہوں نے ان کو چھڑایا۔ جب انصار نے انہیں نہ پایا تو آپس میں واپس جانے کے لیے مشورہ کیا۔ را بھی مشورہ کر رہے تھے کہ سعدان کے پاس واپس پہنچ گئے اور سب انصاری واپس مدینہ چلے گئے۔

مسلمانوں کو مدینہ ہجرت کی اجازت | اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو مدینہ کی طرف ہجرت

کرنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ سب سے پہلے ابوسلمہ بن عبدالاسد اور ان کی بیوی سلمہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ لیکن رام سلمہ کو روک دیا گیا اور ایک سال تک مجوس رکھا گیا۔ نیز ان کا بچہ بھی ان سے الگ کر دیا گیا۔ ایک سال کے بعد یہ اپنے بچے کے ہمراہ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئیں۔

اس کے بعد لوگ کثرت سے یکے بعد دیگرے مدینہ جانے لگے آخر مکہ میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم، ابو بکرؓ اور علیؓ کے سوا کوئی مسلمان نہ رہا۔“

آنحضرت ﷺ کی ہجرت

اہل مدینہ کا جوش و خروش کے ساتھ والہانہ استقبال

مشرکین کی چال | جب مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ مدینہ جا چکے اور اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو لے کر اس اور خندرج کے پاس پہنچ چکے ہیں اور انہیں یقین ہو گیا کہ (مدینہ) ان کے لیے ایک جائے امن بن چکا ہے۔ اور ویسے بھی اہل مدینہ شوکت و سطوت کے مالک ہیں تو انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اندیشہ ہوا کہ کہیں آپ بھی وہیں تشریف نہ لے جائیں۔ ایسا ہوا تو یہ معاملہ سنگین صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ وہ دارالندوہ (مشورت خانہ) میں جمع ہوئے اس موقع پر وہاں کے حل و عقد میں سے کوئی بھی غیر حاضر نہ تھا۔ کہ آپ کے بارے میں صلاح کی جائے۔ نیز ان کا بڑا ابلیس "بھی ایک نجدی بوڑھے کی صورت اختیار کر کے کبل اوڑھے شریک ہوا۔ ان سب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خوب تبادلہ خیالات کیا۔ ہر آدمی اپنی رائے پیش کرتا لیکن یہ بوڑھا (ابلیس) اسے رد کر دیتا اور اس پر رضا مندی ظاہر نہ کرتا۔

آخر ابو جہل کہنے لگا۔ میرے ذہن میں ایک ایسی اسکیم آئی ہے۔ جس تک ابھی تمہارا ذہن نہیں پہنچ سکا۔

کہنے لگے: وہ کیا ہے؟

اس نے جواب دیا، میرا خیال ہے کہ ہم قریش کے ہر قبیلہ کا ایک مضبوط اور نوجوان

میں پھر انہیں تیز تلواریں دیں اور وہ یکبارگی ایک آدمی کی طرح محمد پر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح ان کا خون قبائل میں منقسم ہو جائے گا۔ اس کے بعد بنی عبد المناف کی کچھ سمجھ میں نہ آئے گا کہ اب کیا کیا جائے؛ کس سے انتقام لیں؛ کیونکہ تمام قبائل سے دشمنی مول لینا ان کے لیے محال ہو گا آخر ہم سب مل کر ان کی دیت ادا کر دیں گے۔

بڑھارا ابلیس کہنے لگا اس نوجوان نے کیا خوب کہا، خدا کی قسم رائے ہے تو یہ ہے کہتے ہیں کہ اس عہد کے بعد یہ لوگ منتشر ہو گئے۔

پھر حضرت جبریل علیہ السلام اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے وحی لے کر حاضر ہوئے اور آپ کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور فرمایا کہ آج رات آپ اپنے بستر میں نہ سوئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کو چہرہ ڈھانکے حضرت ابوبکر کے ہاں تشریف لائے یہ تشریف آوری بالکل خلاف معمول تھی۔

آپ نے فرمایا تمہارے ہاں جو آدمی بھی ہو اسے باہر کر دو۔

انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! یہ آپ کے گھر کے ہی لوگ ہیں آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے یہاں سے ہجرت کا حکم فرمایا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا مجھے شرف رفاقت حاصل ہو گا؛ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں!

حضرت ابوبکر نے عرض کیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میرے پاس دو سواریاں ہیں ایک قبول فرمائیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیمت دے کر لوں گا! اور حضرت علیؓ سے فرمایا آج کی رات تم میرے بستر پر سو جاؤ۔

قریش کے لوگ جمع ہو کر دروازے کی نگرانی کرنے لگے کہ موقع پاتے ہی ٹوٹ پڑیں۔ یہ باہم مشورہ کرنے لگے کہ کون سب سے بڑا بد بخت اور شقی ہو گا۔ جو یہ کام (قتل محمد) انجام دے گا؛

آل حضرت کا مقصد، ہجرت | جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور آپ نے میدان سے مٹی کی ایک مٹھی لی اور اسے اُنکے

سر کی طرف پھینکا، کیفیت یہ تھی کہ وہ آپ کو دیکھ نہیں رہے تھے اور آپ یہ ایک آیت تلاوت فرما رہے تھے۔

وجعلنا من بین ایدیاہم سداً ومن خلفہم سداً فاغثنناہم فہم لا یبصرون یعنی، اور ہم نے ان کے سامنے اڑ کر دی اور ان کے پیچھے اڑ۔ پس ہم نے ان پر بے ہوشی طاری کر دی کہ وہ دیکھ نہ سکتے تھے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کی طرف تشریف لے گئے۔ بعد ازاں دونوں خانہ صدیق کے ایک خیمہ سے باہر نکلے۔ اس اثنا میں ایک آدمی آیا اور آپ کے دروازے پر لوگوں کو دیکھا تو پوچھا: کس کا انتظار کر رہے ہو؟

جواب بلا محمد کا!

وہ کہنے لگا تم نامراد و ناکام رہے۔ اللہ کی قسم وہ تمہارے قریب سے گزر کر جا چکے ہیں اور تمہارے سر پر مٹی ڈال کر گئے ہیں، وہ کہنے لگے اللہ کی قسم ہم نے انہیں نہیں دیکھا اور اپنے سر سے مٹی جھاڑتے ہوئے اُٹھے۔

ان کے نام جو آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آئے تھے یہ ہیں: ابو جہل، ابولہب، ابی بن خلف اور حجاج کے دونوں لڑکے بنیہ اور منبہ۔ حکم بن عاص، عقبہ بن ابی معیط، نضر بن حارث، امیہ بن خلف، زمعہ بن اسود، طعیمہ بن عدی۔

حضرت علیؑ اور کفار قریش | جب صبح ہوئی تو حضرت علی بستر سے اٹھے۔ کفار نے (علیؑ) سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق پوچھا انہوں

نے جواب دیا، میں کیا جانوں!

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکرؓ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے اور اس میں داخل ہو گئے۔ مگر وہی نے دروازے پر جالاتن دیا اور عبد اللہ بن اریقظیشی کو جو راہ نما تھا۔ اجرت پر لے لیا گیا وہ قریش کے دین (شُرک) پر تھا لیکن اس سلسلہ میں امین تھا۔ آپ

نے دونوں سواریاں اس کے حوالے کیں اور تین روز کے بعد غارِ ثور پر ملنے کا وعدہ فرمایا۔ قریش نے مسجد میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی، انہیں ناقہ تک بھی سہنا پڑا۔ آخر غار کے دروازے پر پہنچ گئے۔ اور وہاں ٹھہر گئے صحیحین میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول اگر کسی آدمی نے اپنے قدموں تلے دیکھ لیا تو ہم نظر آجائیں گے۔ آپ نے عرض کیا اے ابو بکر تمہارا ان دو کے متعلق کیا خیال ہے کہ جن کا تیسرا رفیق اللہ ہے۔ غم مت کرو کیونکہ اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے اور حالت یہ تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر بالائے سران کی باتیں سن رہے تھے۔ لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کا معاملہ کفار پر پوشیدہ کر دیا۔ عامر بن فہیرہ بکریاں چرانے کے بہانے آپ کے پاس آیا کرتا اور مکہ کی خبریں سن کر آپ کو اطلاع کر دیا کرتا تھا۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں ہم نے انتظامِ سفر کیا اور ایک چمڑے کی تھیلی میں آپ کا زاو راہ رکھ دیا۔ پھر اسماء بنت ابی بکر نے اپنے نطق (کمر بند) کا ایک ٹکڑا پھاڑ کر تھیلی میں اس سے باندھ دیا اور دوسرا حصہ پھاڑ کر مشک کا منہ باندھ دیا۔ اسی وجہ سے یہ ذاتِ انطاقیں کے نام سے مشہور ہوئیں۔ اور مستدرک حکم میں حضرت عمر سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکر کے ہمراہ نکلے۔ حضرت ابو بکر کبھی آپ کے سامنے چلتے اور کبھی پیچھے چلنا شروع کر دیتے آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سبب دریافت فرمایا، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول مجھے ڈر ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی آنے رہا ہو تو میں آپ کے پیچھے چلتا ہوں، پھر خطرہ ہوتا ہے کہ سامنے سے کوئی نہ آن دھمکے۔ چنانچہ آپ کے آگے آگے چلنے لگتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اے ابو بکر اگر کوئی تکلیف آئے کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میری بجائے تم اس سے دو چار ہو! انہوں نے جواب دیا: بے شک! قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔

جب غار پر پہنچے، ابو بکر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ذرا اپنی جگہ پر رہیے میں آپ کے لیے غار صاف کر لوں (ابو بکر) اندر گئے اور اسے صاف کیا اور جب اوپر آنے لگے۔ پھر یاد آیا کہ ابھی تک سوراخوں کو صاف نہیں کیا، اس لیے پھر عرض کیا: اے اللہ

کے رسول ٹھہریئے میں سوراخوں کو بھی صاف کر لوں۔ پھر اندر گئے اور سوراخوں کو بھی صاف کیا اس کے بعد عرض کیا اے اللہ کے رسول اندر تشریف لائیے پھر دونوں اندر داخل ہو گئے۔ اور غار میں تین راتیں ٹھہرے۔ یہاں تک کہ قریش کی تلاش ختم ہو گئی۔ اس کے بعد عبد اللہ بن اریقظ دونوں سواریاں لے کر حاضر ہو گیا اور سفر شروع کر دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے عامر بن فہیرہ کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور رہنما ان کے سامنے چلنے لگا اور اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت کر رہا تھا۔ اور ان کی رفاقت میں تھا۔ سفر کرنے اور منزل پر اترنے میں اللہ کی نصرت شامل تھی۔

جب کفار انہیں گرفتار کرنے سے بازو نہیں ہو گئے تو انہوں نے آپ کی اور ابو بکر کی گرفتاری کا انعام مقرر کر دیا، چنانچہ لوگوں نے سرگرمی سے تلاشی شروع کر دی اور اللہ تو اپنے امور پر غالب ہے۔ جب آپ بنی مدیج کے ایک قبیلے کے پاس گزرے تو قبیلے کے ایک آدمی نے آپ کو دیکھ لیا اور اپنے قبیلہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ میں نے ساحل پر ایک سایہ سا دیکھا ہے اور یہ محمد اور اس کے اصحاب کے سوا اور کوئی نہیں۔ سراقہ بن مالک سارا معاملہ سمجھ گیا اس نے چاہا کہ وہ گرفتار کرے۔ کہنے لگا نہیں، بلکہ یہ تو فلاں فلاں آدمی ہیں جو اپنے کسی کام سے گئے ہیں۔ پھر تھوڑی دیر ٹھہرا۔ اس کے بعد اٹھ کر اپنے خیمہ میں چلا گیا اور اپنے خادم سے کہنے لگا کہ خیمے کے پیچھے سے گھوڑا نکال دو، میں ٹیلے کے پیچھے تمہیں ملوں گا۔ پھر اس نے نیزہ لیا اور اسے نیچا کر کے زمین پر لکیریں ڈالتا چل پڑا۔ جب وہ قریب ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سننے لگا۔ ابو بکر بار بار پیچھے مڑ کر دیکھ رہے تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھلی جانب التفات نہ فرماتے۔

سراقہ بن مالک کا تعاقب | حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول یہ سراقہ بن مالک ہم تک آن پہنچا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی۔ چنانچہ اگلے گھوڑے کے دونوں پاؤں زمین میں دھنس گئے۔ وہ کہنے لگا مجھے معلوم ہے جس جرم کی مجھے سزا ملی ہے یہ آپ کی بددعا کا نتیجہ ہے میرے لیے اللہ سے دعائے (خیر) کیجیے، میں سہمہ کرتا ہوں کہ لوگوں کو آپ کی رتلاش سے واپس کر دوں گا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی اور وہ آزاد ہو گیا۔

اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے سند خوشنودی مرحمت فرمائیے۔ حضرت ابو بکرؓ نے چمڑے کے ٹکڑے پر آپ کے حکم سے تحریر لکھ دی۔

فتح مکہ تک یہ تحریر سراقہ کے پاس موجود تھی اس دن وہ تحریر لے کر حاضر ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے صلہ عطا فرمایا اور فرمایا: آج دفا اور بھلائی کا دن ہے۔

سراقہ نے سند خوشنودی لے کر آپ کی خدمت میں زاد راہ اور دو سواریاں پیش کیں۔ آپ نے فرمایا: ہمیں ان کی ضرورت نہیں بلکہ دشمن کی جستجو کو ناکام بنا دو وہ کہنے لگا آپ مطمئن رہیں اور واپس چلا گیا اور دیکھا کہ لوگ آپ کی تلاش میں ہیں کہنے لگا میں تمہارے لیے خبر لایا ہوں اور تمہیں اطمینان ہونا چاہیے کہ وہ یہاں نہیں ہیں۔ یہ شخص دن کی ابتدا میں آپ کے خلاف تھا اور دن کے آخر میں آپ کا جانثار بن چکا تھا۔

مدینہ کے راستے میں آپ کا ایک معجزہ پھر آپ چلتے رہے یہاں تک کہ ام معبد خزاہیہ کے خیموں کے پاس سے گزرے

یہ ایک توانا عورت تھی اور خیمے کے صحن میں بیٹھی ہوتی اور جو گزرتا اسے کھلاتی پلاتی۔ آپ نے پوچھا تمہارے ہاں کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے عرض کیا اللہ کی قسم اگر ہمارے یہاں کچھ ہوتا تو ہم آپ کی مہمان نوازی سے محروم نہ رہتے۔ بکری کا دودھ خشک ہو چکا ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیمے کے ایک طرف ایک بکری دکھی آپ نے فرمایا اے ام معبد یہ بکری کیسی ہے؟ اس نے عرض کیا کمزوری کے باعث یہ بکری ریورڈ کے ساتھ نہیں جاسکی آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کا دودھ ہے؟ اس نے عرض کیا یہ اس مرحلہ سے گزر چکی ہے۔

آپ نے فرمایا کیا تو مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دیتی ہے؟ اس نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں اگر آپ کو دودھ مل سکے تو آپ بے شک وہ ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کھیری پر ہاتھ پھیرا، اللہ تعالیٰ کا نام مبارک لیا اور دعا فرمائی وہ قبول ہوئی اور بکری کے تھن دودھ سے بھر گئے۔ پھر آپ نے گھردالوں سے برتن طلب کیا اور اس میں دودھ نکالا۔ یہاں تک کہ جھاگ برتن پر چڑھ آیا۔ چنانچہ آپ نے

رام معبد آکر دودھ پلایا اور وہ پی کر سیر ہو گئی اپنے اصحاب کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے۔ پھر آپ نے خود نوش فرمایا۔ اس کے بعد دوبارہ دودھ نکالا یہاں تک کہ برتن بھر گیا۔ پھر آپ وہاں سے آگے بڑھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے چلے، کچھ دیر ہی گزری تھی کہ اس کا شوہر ابو معبد دہلی پتلی بکریوں کو ہنکاتا آگیا جو کمزوری کے باعث گری پڑتی تھیں۔ جب اس نے دودھ دیکھا تو تعجب ہوا، پوچھا یہ کہاں سے ملا، جبکہ بکری بھی خشک ہو چکی ہے اور گھر میں دودھ بھی نہ تھا وہ کہنے لگی: اللہ کی قسم ہمارے ہاں سے ایک مبارک انسان کا گزر ہوا جس کی بات اس طرح تھی اور ایسے ایسے اس کے حالات تھے۔

اس نے کہا: اللہ کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہی آدمی ہے جسے قریش تلاش کر رہے ہیں۔ اسے ام

آنحضرت کا علیہ اور شمائل

معبد ذرا ان کی صفت تو بیان کرنا۔ ام معبد نے فرمایا: چہرہ تاباں، اخلاق پاکیزہ اور ستہرے بڑے سر نے آپ کو بوجھل نہیں کیا اور چھوٹے سر نے آپ کو عیب دار نہیں کیا، قامت و صورت، حسین و جمیل، آنکھیں فراخ اور سیاہ، بال کافی اور کلمے، آواز جاندار، گردن مسطح، خوبصورت، سر گمین، بلند قامت، اقرن (جس کی بھوئی آپس میں ملی ہوں) خوب سیاہ بالوں والے، جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو وقار چھا جاتا ہے اور جب کلام فرماتے ہیں تو حسن طاری ہو جاتا ہے۔ تمام لوگوں سے زیادہ جمیل، ددر سے دیکھو تو زیادہ خوبصورت اور قریب سے دیکھو تو سب سے زیادہ حسین اور جمیل، شیریں کلام، بزرگ، جن کی زبان پر فضول اور واہیات باتیں نہیں آتیں۔ کلام کیا ہے، پر دئی ہوئی کوڑیاں ہیں جو ترتیب سے گرتی ہیں کوئی آنکھ ان میں پستہ قدی کا عیب نہیں نکال سکتی اور نہ لمبے قد کا نقص تلاش کر سکتی ہے۔ وہ دو شاخوں کے درمیان ایک ایسی شاخ ہے جو سب سے زیادہ تروتازہ اور حسین ہے۔ اس کے رفقاء اسے گھیرے رہتے ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے وہ سنتے ہیں اور جب حکم کرتا ہے تو فوراً تعمیل کرتے ہیں۔ مخدوم اور مطاع ہے، نہ تنگ نظر اور نہ بے مغز ہے۔

ابو معبد کہنے لگا: اللہ کی قسم یہی وہ آدمی ہے جس کے متعلق قریش باتیں کرتے ہیں۔

میں نے آپ کی مصاحبت کا ارادہ کر لیا ہے اور اگر مجھ سے یہ ہو سکا تو میں ضرور یہ کام کروں گا۔
 مدینہ میں تشریف آوری اور استقبال

دوسری طرف انصار کو معلوم ہو چکا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مدینہ کی طرف چل چکے ہیں وہ ہر روز مدینہ سے نکل کر دوپہر تک آپ کا انتظار کرتے جب دھوپ تیز ہو جاتی تو اپنی عادت کے مطابق گھروں کو واپس آ جاتے۔ یہ بعثت کا تیسرا سال ربيع الاول کے مہینے کی بارہ تاریخ منگل کا دن تھا۔ حسب عادت انصار باہر آئے جب سورج کی گرمی تیز ہو گئی واپس لوٹ آئے (اتفاق) سے یہود کا ایک آدمی کسی ضرورت کے پیش نظر مدینہ کے قلعوں میں سے ایک قلعے پر چڑھا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو دیکھا۔ جن کے آگے بڑھنے سے سراب زائل ہو رہا تھا۔ وہ یہودی اذور سے چلایا۔ اے نبی قبیلہ یہ ہے وہ تمہارا سردار یہ تمہارا بزرگ ہے جس کا تم انتظار کر رہے تھے۔

انصار نے جلدی سے ہتھیار سجایے۔ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استقبال کریں اور مرحبا اور تکبیر کی آوازیں بنی عمرو بن عوف میں گونجنے لگیں مسلمانوں نے آپ کی تشریف آوری کی خوشی کی خوشی میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور نبوت کی شان کے مطابق خوش آمدید کہا۔ چکر لگاتے ہوئے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گھیر لیا، آپ یکسر سکون و طمانیت تھے۔ اسی حالت میں وحی نازل ہوئی۔

فان الله هو مولاه وجبريل وصالح المؤمنين والملائكة بعد ذلك ظهروا
 یعنی: پس بے شک اللہ تعالیٰ ہی اس کا رفیق اور جبریل اور نیک لوگ ایمان والے

اور فرشتے اس کے مددگار ہیں۔

پھر آپ چل پڑے اور بنی عمرو بن عوف کے علاقے قباء میں اترے۔ آپ کلثوم بن ہدم کے پاس اترے ایک قول یہ ہے کہ سعد بن خلیثمہ کے پاس اترے پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ چنانچہ آپ بنی عمرو بن عوف کے ہاں چودہ شب تک مقیم رہے اور یہاں مسجد قباء تعمیر کی۔

مدینہ کی پہلی مسجد مسجدِ قباؑ نبوت کے بعد یہ پہلی مسجد تھی، جس کی آپ نے بنیاد رکھی۔ جب جمعہ کا دن ہوا تو آپ اللہ کے حکم کے مطابق سوار

ہوئے۔ آخر بنی سالم بن عوف میں جمعہ کی نماز کا وقت آگیا۔ آپ نے وادی کے درمیان کی مسجد میں (صحابہ) کو جمعہ پڑھایا۔ اس کے بعد سوار ہوئے، لوگوں نے اونٹنی کی مہار پکڑ لی۔ آپ نے فرمایا: اس کا راستہ چھوڑ دو، کیونکہ یہ مامور ہے۔ چنانچہ اونٹنی چلتی رہی۔ انصار کے جس گھر کے پاس آپ گزرے وہ فرمائش کرتا کہ آپ یہاں تشریف فرما ہوں، لیکن آپ فرماتے اسے چھوڑ دو، یہ مامور ہے (اسے جہاں اللہ کا حکم ہوگا بیٹھ جائے گی) وہ چلتی رہی۔ آخر کار اس جگہ پہنچی جہاں آج کل مسجد نبوی ہے اور بیٹھ گئی۔ آپ نہ اترے۔ پھر اٹھی اور تھوڑی سی چلی۔ پھر اس نے پھلی جانب دیکھا اور لوٹ آئی اور پہلی جگہ پر بیٹھ گئی۔ پھر آپ اترے اور یہ بنی بخاری میں سے آپ کے ننھیالی رشتہ دار کا مکان تھا۔ یہ اللہ کی توفیق سے تھا کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ایک قریبی عزیز کے گھر میں اتارنا پسند فرمایا۔ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کے متعلق گفتگو کرنے لگے۔

اور حضرت ابوایوب انصاریؓ آپ کے کجاوے کی طرف عجلت سے حاضر ہوئے اور سامان اپنے گھر میں اٹھا لائے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان اپنے سامان سفر کے ساتھ ہوتا ہے اور صحیح حاکم میں حضرت علی سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ میرے ہمراہ کون ہجرت کرے گا؟ انہوں نے جواب دیا: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت براءؓ فرماتے ہیں کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہمارے پاس سب سے پہلے مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم تشریف لائے۔ یہ دونوں بزرگ لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ پھر حضرت عمارؓ، بلالؓ اور سعد تشریف لائے۔ ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیس سواروں کے ساتھ تشریف لائے۔ ان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی میں نے دیکھا کہ لوگوں کو اس قدر کبھی بھی فرحت نہ ہوئی۔ جس قدر آپ کی تشریف آوری کے باعث ہوئی۔ یہاں تک کہ میں نے عورتوں بچوں اور لونڈیوں کو کہتے دیکھا یہ اللہ کے رسول تشریف لائے ہیں۔

اور حضرت انس فرماتے ہیں کہ جس دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے اس سے زیادہ میں نے کوئی حسین اور روشن دن نہیں دیکھا اور جس دن آپ کی وفات ہوئی اس دن سے زیادہ قلیح اور تاریک دن میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

بہر حال آپ نے حجرے اور مسجد کی تعمیر ہونے تک حضرت ایوب کے گھر میں قیام فرمایا آپ حضرت ابو ایوب کے گھر میں قیام پذیر تھے۔ زید بن حارثہ اور ابو رافع کو دردا ونٹ اور پانچ صد درہم دے کر مکہ کی طرف بھیجا۔ چنانچہ یہ دونوں آپ کی دونوں صاحبزادیوں حضرت فاطمہ اور حضرت ام کلثومؓ نیز حضرت سودہ بنت زمعہ (جو آپ کی زوجہ محترمہ تھیں) اور اسامہ بن زید، ان کی والدہ ام یمن کو لے کر واپس آ گئے۔ البتہ حضرت زینب کو ان کے خاوند ابو العاص بن ربیع نے نہ آنے دیا اور عبداللہ بن ابی بکر حضرت ابو بکر کے اہل اعیال کو لے کر چلے آئے جن میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

مسجد نبوی کی تعمیر | زہری فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی مسجد کی چوکی پر بیٹھ گئی۔ اس وقت مسلمان یہاں نماز ادا کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ جگہ ردیمیم انصاری لڑکوں سہل اور سہیل کی ملکیت میں تھی اور یہاں (اونٹوں کے) باندھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی جو اسعد بن زرارہ کی زیر پرورش تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لڑکوں سے اس زمین کی فروخت اور تعمیر مسجد پر گفتگو کی اور دونوں کہنے لگے، نہیں بلکہ اے اللہ کے رسول ہم اسے آپ کی خاطر قیمت کے بغیر اہمہ کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ چنانچہ آپ نے ان سے یہ زمین دس دینار میں خرید لی۔ اس وقت یہ صرف چار دیواری کی صورت میں تھی، اس کی چھت نہ تھی اور اس کا قبلہ بیت المقدس کی طرف تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل اسعد بن زرارہ یہیں پر مسلمانوں کو نماز اور جمعہ پڑھا یا کرتے تھے اور اس میں غنہ قد اور کھجور کے درخت تھے۔ اور مشرکین کی قبریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق مشرکین کی قبریں اکھاڑ دی گئیں۔ کھجور اور دوسرے درخت کاٹ دیئے گئے اور قبلہ کی طرف سے مسجد ہموار کی گئی۔ اور قبلہ کی مسجد کا طول ایک سو گز اور دوسری طرف اس قدر یا اس

سے کم بنایا گیا اور تین گز بنیاد بنائی گئی۔ اس کے بعد کچی اینٹوں سے مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تعمیر میں حصہ لیتے اور اینٹیں اور پتھر اٹھا کر لاتے اور یہ شعر پڑھتے:

اللهم لا عيش الا عيش الآخرة

فاغفر لنا نصا، اللهم هاجرة

یعنی: اے اللہ زندگی صرف آخرت کی زندگی ہے۔

پس انصار اور مہاجرین کو بخش دے۔

اس مسجد کا قبلہ بیت المقدس کی طرف بنایا گیا اور تین دروازے بنائے گئے۔ ایک آخر میں دروازہ بنایا گیا۔ دوسرا باب الرحمة اور تیسرا دروازہ تھا جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کے ستون کھجور کے تنے سے بنائے گئے اور چھت کھجور کے پتوں سے بنائی گئی۔ عرض کیا گیا آپ اس کی چھت نہ ڈالیں گے! آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے غیمے کا سا کوئی خیمہ نہیں اور آپ نے مسجد کے متصل کچی اینٹوں سے حجر تعمیر کروائے اور ان پر کھجور کے پتوں اور شاخوں کی چھت ڈلائی۔ جب اس کام سے فارغ ہو گئے تو مسجد کے مشرقی حصہ کے متصل حضرت عائشہ کے لیے ایک حجرہ تعمیر کروایا اور یہی آج آپ کی آرام گاہ ہے۔ حضرت سودہ زعمہ کے لیے دوسرا حجرہ بنوایا۔

انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات | اس کام سے فارغ ہونے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انس بن

ماک کے گھر میں انصار اور مہاجرین کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) قائم فرمائی۔ یہ کل نوے آدمی تھے نصف انصار اور نصف مہاجر تھے۔ آپ نے ان کے درمیان ذوی الارم کے علاوہ موت کے بعد ان کی وراثت کی بنیاد پر مواخات قائم فرمائی آخر جب غزوہ بدر ہوا اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

والوا الارحام بعضهم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ۔

یعنی: اور قرابت دار اللہ کی کتاب میں بعض کے لیے زیادہ مستحق ہیں۔

تو مرنے کے بعد وراثت کا معاملہ صرف اقارب تک محدود ہو گیا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ نے دوسری مرتبہ مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی اور اس دوسری مرتبہ حضرت علی کو اپنا بھائی بنایا۔ پہلا قول قوی ہے۔ اگر آپ کسی مہاجر سے اپنی اخوت قائم فرماتے تو آپ کی اخوت کے سب سے بڑے مستحق وہ تھے جو آپ کو تمام مخلوق سے زیادہ محبوب ہجرت میں آپ کے مصاحب غار میں آپ کے انیس تمام صحابہؓ سے افضل و اکرام تھے۔ یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اور آپ نے یہ بھی فرمایا: اگر میں اہل زمین میں سے کسی کو خلیل (دوست) بناتا تو ابو بکرؓ کو بناتا۔ لیکن یہ میرے بھائی اور رفیق ہیں اور اسلام کی بنیاد اخوت پر ہے۔ یہاں نام اخوت مراد ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہود سے معاہدہ صلح کیا۔ اور ایک عہد

یہود کے بہت بڑے عالم عبداللہ بن سلام سرعت سے حاضر ہوئے اور اسلام میں داخل ہو گئے۔ البتہ عام یہود کفر پر جمے رہے۔

قوم یہود کے تین قبائل تھے۔ بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ تینوں نے آپ سے جنگ کی۔ آپ نے قینقاع پر احسان فرمایا۔ بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا اور بنو قریظہ قتل ہوئے۔ اور ان کی اولاد کو غلام بنا لیا گیا۔ بنو نضیر کے متعلق سورہ محشر اور بنو قریظہ کے متعلق سورہ احزاب نازل ہوئی۔

تحويل قبلہ اور مومنین کا امتحان

یہود، نصاریٰ اور مشرکین کی قیاس آرائیاں

بیت المقدس کعبہ کی طرف | نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ بیت المقدس کی طرف
 رخ کر کے ناز پڑھتے تھے لیکن چاہتے تھے
 کہ کعبہ مشرفہ کی طرف رخ کرنے کا حکم مل جائے۔ آپ نے حضرت بھریل علیہ السلام سے کہا
 میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ قوم یہود کے قبلہ سے میرا رخ بدل دے۔
 انہوں نے عرض کیا، اپنے رب سے دعا کیجیے اور درخواست پیش کیجیے، کیونکہ میں تو
 فقط بندہ ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرف دیکھتے اور اس لگائے رکھتے کہ شاید حکم مل جائے
 آخر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری، قد نرى تقلب وجهك في السماء فلنولينك
 قبلة ترضاها فول وجهك شطر المسجد الحرام۔

یعنی ہم آپ کا رخ آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں پس ہم یقیناً اس قبلہ کی طرف پھیر دیں
 گے جسے آپ چاہتے ہیں پس اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیر لیجیے۔

یہ واقعہ مدینہ تشریف آوری کے سولہ ماہ بعد غزوہ بدر سے دو ماہ قبل پیش آیا۔ محمد بن سعد
 فرماتے ہیں کہ ہمیں ہاشم بن قاسم نے انہیں ابو معشر نے بتایا انہیں محمد بن کعب قرظی سے روایت
 ملی فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی نبی نے کسی نبی سے قبلہ یا سنت کے معاملہ
 میں خلاف نہیں کیا۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف
 رخ کیے رکھا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ الْاَوَّلِيَّةَ۔

بل شہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف تشریف لے کر آئے اور مسلمانوں، مشرکین، یہود اور منافقین کا امتحان تھا، پناہ پناہ مسلمانوں نے کہا ہم ایمان لائے اور اطاعت کی اور کہا ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ سب ہمارے ہی رب کی طرف سے ہے، مشرکین نے کہا بس طرح ہمارے قبلہ کی طرف محمدؐ رجوع کر آئے ہو سکتا ہے کہ ہمارے دین کی طرف لوٹ آئیں، حالانکہ آپؐ نے حق کی بنا پر رجوع فرمایا تھا، اور تو یہود کہنے لگی کہ انہوں نے اس سے قبل قبلہ انبیاء کی مخالفت کی۔ اگر یہ نبی ہوتے تو اسی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے۔ اور منافقین کہنے لگے ہم نہیں سمجھتے کہ محمدؐ کس طرف رخ کرنا چاہتے ہیں؛ اگر پہلی صورت حق یہ تھی تو انہوں نے اسے ترک کر دیا۔ اور اگر دوسری صورت حق تھی تو پہلے باطل پر تھے۔

اس طرح جہلا کی جانب سے کئی باتیں کی جانے لگیں اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہی ہوا یعنی وان كانت لكبيره الا على الذين هدى الله، یعنی اگرچہ یہ رجوع قبلہ ابھاریا ہے مگر ان پر رجوع نہیں جن میں اللہ نے ہدایت دی۔

بلاشبہ اللہ کی جانب سے اپنے بندوں کا امتحان تھا تاکہ دیکھے کہ کون رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتا ہے! اور کون اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹ جاتا ہے۔

ایک اہم اور عظیم واقعہ | چونکہ کعبہ کی شان اور اس کا معاملہ ایک عظیم واقعہ ہے اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اپنی قدرت کاملہ سے منسوخ کیا

اور فرمایا کہ وہ اس سے بہتر یا اسی جیسا حکم نافذ کرے گا۔ اس کے بعد جو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتا، خدا کی طرف سے اسے زجر توہین کی جاتی۔ اس کے بعد یہود و انصاری کا اختلاف ذکر کر کے بتایا کہ یہ آپس میں کہا کرتے ہیں کہ تم کسی رنج پر نہیں ہو اور بندوں کو ان کی موافقت کرنے اور خواہشات کے اتباع سے منع فرمایا، اس کے بعد ان کا کفر و شرک بیان کیا اور ان کا قول بتایا کہ یہ کہتے ہیں خدا کا بیٹا ہے، حالانکہ وہ اس اہتمام سے پاک اور بلند ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ مشرق مغرب اسی کا ہے اور بندے جدھر اپنا رخ کرتے ہیں وہ اس طرف موجود ہوتا ہے اور وہ بہت ہی عطا کرنے والا جاننے والا ہے۔ اسی لیے اس کی عظمت و وسعت اور احاطہ کے

باعث بندے کا رخ جس طرف بھی ہوگا اللہ تعالیٰ کو رپا لے گا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول سے
 دوزخیوں کے متعلق باز پرس کریگا۔ جو اسکی تصدیق و اتباع نہیں کرتے۔ پھر بتایا کہ اہل کتاب یعنی
 یہود و نصاریٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تب تک راضی نہ ہونگے جب تک کہ وہ ان کی اطاعت
 نہ کریں۔ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو اللہ کے مقابلہ میں انکا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ مددگار اسکے
 بعد اہل کتاب پر کیے گئے انعامات اور خوف قیامت کا تذکرہ فرمایا اور خانہ کعبہ کے معمار حضرت
 ابراہیمؑ کا تذکرہ کیا اور ان کی مدح و تعریف فرمائی اور بتایا کہ ہم نے انھیں تمام لوگوں کا امام بنا دیا۔
 اس کے بعد اپنے گھر بیت الحرام کا تذکرہ فرمایا اور حضرت خلیل علیہ السلام کو جس طرح
 تمام لوگوں کا امام بنایا تھا، اسی طرح بیت اللہ کو بھی ان سب کا امام (قبلہ و سر کنواثر اریا۔
 پھر بتایا کہ جو اس امام سے شکر کشی کرے گا وہ تمام لوگوں سے زیادہ نادان اور بے مغز
 ہوگا، اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ ان کی اقتداء کریں اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف نازل کیا گیا ہے، اس پر ایمان
 لائیں۔ پھر جن لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ اور ان کے اہل بیت کو یہودی یا نصرانی کہا،
 ان کے قول کو رد کیا۔ ان تمام مباحث کو تحویل قبلہ کا مقدمہ بنا کر ذکر کیا۔
 ان تمام احتیاطوں کے باوجود تحویل قبلہ کا فیصلہ لوگوں کو سخت ناگوار گذرا، سوا ان
 لوگوں کے جنھیں اللہ نے ہدایت دی اور اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا
 ہے۔ سیدھے راہ کی طرف ہدایت ہے چنانچہ انھیں قبلہ کی طرف ہدایت فرمائی اور
 یہی وہ قبلہ ہے جو ان کے قابل ہے اور امت محمد اس کی اہل ہے کیونکہ یہ سب
 سے زیادہ افضل و اعلیٰ قبلہ ہے اور وہ تمام امم سے متوسط اور افضل ہے۔

افضل قبلہ افضل امت کے لیے | چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے افضل

فرمایا جیسے ان کے لیے سب سے زیادہ افضل رسول اور سب سے زیادہ افضل کتاب
 منتخب فرمائی اور انھیں خیر القرون میں بھیجا اور سب سے افضل شریعت عطا فرمائی اور
 اسے اعلیٰ اخلاق دیا اور افضل مقام کرمیت فرمایا اور جنت میں اس کے لیے سب

سے اچھے گھر بنائے اور قیامت کے روزان کے لیے سب سے اعلیٰ موقف بنایا جو
 ایک اونچے ٹیلے پر ہوگا باقی لوگ نیچے ہوں گے۔ پس پاک ہے وہ ذات جو جسے
 چاہتی ہے اپنی رحمت سے محض فرماتی ہے اور یہ اللہ کا کرم ہے جسے چاہتا ہے عطا
 فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑا ہی فضل والا ہے۔

جہاد کی فضیلت

مجاہد کے مراتب، شہید اور غازی

اِس حضرت کا معمول اور سنت | اِس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ
 ایک تیر کے عوض اس کے بنانے کو بشرطیکہ وہ غیر کی
 خواہش رکھتا ہو نیز کھینچنے والے اور پھلانے والے سب کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ لہذا
 تیر اندازی کرو، سواری کرو اور سواری سے تمہارا تیر پھلانا میرے لیے زیادہ پسندیدہ ہے۔
 اور آدمی.... کا لہو دہب باطل ہے۔ سو امکان کے ساتھ تیر چلانا یا اپنے گھوڑے کو جنگی
 کاموں کے لیے سدھانا اور اپنی بیوی سے چاڈ پیار کا برتاؤ کرنا، جسے اللہ تعالیٰ نے تیر
 اندازی سکھائی پھر وہ اسے بے پروائی کے باعث بھول گیا تو اس نے کفرانِ نعمت کا
 ارتکاب کیا۔ (مسند احمد)

اور اہل سنن و ابن ماجہ کی روایت ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر اسے چھوڑ دیا اس
 نے میری نافرمانی کی۔

امام احمد نے روایت کی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کیا: مجھے وصیت فرمائیے۔
 آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ ہر اچھی چیز کی جڑ
 یہی ہے اور تجھ پر جہاد کرنا لازم ہے۔ کیونکہ یہ اسلام کی رہسانیت ہے اور کچھ پر ذکر الہی اور
 تلاوتِ قرآن لازم ہے۔ کیونکہ یہ آسمان پر تیری حیات ہوں گے اور زمین پر تیرے یار۔
 نیز آپ نے فرمایا کہ جو مر گیا اور اس نے جہاد نہ کیا یا جہاد کی تیاری نہ کی یا مجاہد کے اہل
 کوئی بھلائی نہ کی اسے قیامت سے قبل ضرور دکھ پہنچے گا۔

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب لوگ درہم و دینار خرچ کرنے سے نخل کریں گے اور سود کا کاروبار کریں گے اور پرواؤں کے پیچھے چل پڑیں گے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ترک کر دیں گے تو اللہ تعالیٰ ان پر مصائب نازل کرے گا اور اس وقت تک وہ مصائب دور نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے دین کی طرف نہ لوٹ آئیں۔

ابن ماجہ نے حدیث نقل کی ہے کہ جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس طرح ملاقات کرے گا کہ اس کے بدن پر جہاد کا ذرا بھی نشان نہ ہو اس کے بدن پر نشان رن فرمائی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لا تلقوا ما یدیکم الی التہلکة؛ یعنی، اپنے تئیں ہلاکت میں نہ ڈالو، معزز ابو ایوب فرماتے ہیں ہلاکت میں ڈالنے کا مطلب ترک جہاد ہے۔ نیز صحیح حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جنت زیر سایہ شمشیر ہے۔ نیز آپ سے مروی ہے فرمایا: کہ جو مال دینار اور اسیم دزر کے لیے جہاد کرے وہ اجر سے محروم ہے۔

آپ دن کے آغاز میں جہاد پسند فرماتے ہیں جس طرح سفر کے لیے ابتدائے دن کو موزوں سمجھتے تھے اور اگر ابتدائے دن میں جنگ شروع نہ کرتے تو غروب آفتاب، ہواؤں کے چلنے اور نزل نصرتِ خدا تک مؤخر فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:-

جو آدمی بھی فوت ہوا اور اللہ کے ہاں اس کا اچھا مقام ہو۔ تو وہ دنیا اور جو کچھ دنیا کے اندر ہے سب کے عوض بھی دنیا کی طرف لوٹنا پسند نہیں کرتا۔ سوائے شہید کے کہ جب وہ شہادت کی فضیلت دیکھتا ہے تو چاہتا ہے کہ اسے دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے۔

دبا قتل کیا جائے۔ ایک روایت میں ہے اسے دس بار قتل کیا جائے۔

جب غزوہ بدر کے موقع پر حارثہ بنت نعمان کا لڑکا شہید ہو گیا تو وہ پوچھنے لگی میرا

بچہ کہاں ہے؟

آپ نے فرمایا: کہ وہ فردوسِ اعلیٰ میں ہے۔ نیز آپ نے فرمایا: کہ شہداء کی ارواح ہنر پرندوں کے پیٹ میں ہوتی ہیں۔ ان کے لیے عرش پر معلق قندیلیں ہیں۔ وہ جنت

میں جہاں چاہتی ہیں بسر کرتی رہتی ہیں۔ پھر ان قندیلوں کی طرف چلتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی طرف جھانکتا ہے اور دریافت فرماتا ہے کہ کیا تمہیں مزید کسی چیز کی تمنا ہے؟ (شہداء) عرض کرتے ہیں ہم جنت میں جہاں چاہتے ہیں بسر کرتے ہیں۔ اب ہم کس بات کی تمنا کریں! اللہ تعالیٰ تین بار ان سے دریافت فرماتا ہے۔ جب وہ دیکھتے ہیں کہ جواب دیے بغیر چھٹکارا نہ ہوگا۔ تو کہتے ہیں اے پروردگار۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری ارحام کو ہمارے اجسام میں لوٹا دے حتیٰ کہ ہم دوبارہ تیری راہ میں قتل ہوں۔ چنانچہ جب اللہ اذیکھتا ہے۔ کہ انہیں حاجت نہیں تو انہیں چھوڑ دیا جاتا ہے۔

نیز آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شہید کے کئی انعامات ہیں یہ کہ خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی بخش دیا جاتا ہے اور جنت میں اس کی جگہ دکھادی جاتی ہے۔ اسے ایمان کا لباس پہنایا جاتا ہے اور حور العین سے اس کی شادی کر دی جاتی ہے، اسے عذابِ قبر سے پناہ دی جاتی ہے اور وہ بڑے دن (قیامت) کی گھبراہٹ سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک یا قوت دنیا و ما نہیں سے زیادہ بیش قیمت ہوتا ہے اور حسین آنکھوں والی حوروں سے اس کا نکاح کر دیا جاتا ہے۔ وہ اپنے ستر اقراب کے لیے سفارش کر سکتا ہے (احمد ترمذی)

نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابرؓ سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں نہ بتا دوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے کیا فرمایا؟ انہوں نے عرض کیا ارشاد!

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی سے حجاب کے بغیر کلام نہیں فرمایا اور تیرے والد کے ساتھ کھلم کھلا گفتگو کی۔ فرمایا اے میرے بندے میرے حضور سب اپنی تمنائیں کر میں اسے پورا کروں گا۔ انہوں نے عرض کیا، اے پروردگار مجھے دوبارہ زندہ کر دے تاکہ میں تیری راہ میں پھر سے لذتِ قتل حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ تو طے ہے کہ دوبارہ دنیا کی طرف لوٹا یا نہ جائے گا۔ انہوں نے عرض کیا اے پروردگار پھر ہمارے پیچھے پیغام پہنچا دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی۔

اولاً تحسین الذین قتلوا فی سبیل اللہ
 ۲ مو اتا بل ا حیا ع عند سہمیر زقون۔

یعنی ان لوگوں کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہوئے مردہ گمان نہ کرو بلکہ وہ زندہ ہیں وہ اپنے پروردگار کے ہاں سے رزق پاتے ہیں۔

اور سنن میں آیا ہے کہ شہید کی اپنے ستر گھردالوں کے بارے میں سفارش قبول ہوتی ہے۔ مسند میں مروی ہے کہ افضل شہداء وہ ہیں کہ جو رڑائی کی صف میں اس طرح جائیں کہ ادھر ادھر توجہ نہ کریں، یہاں تک کہ قتل ہو جائیں۔ وہی جنت کے اعلیٰ مقامات کی طرف دوڑ رہے ہیں اور تیرا پروردگار ان کو ردیکھ کر اسبرت سے اہنستا ہے۔ اور جب دنیا میں تیرا رب کسی کی طرف دیکھ کر سنس دے تو پھر کوئی حساب کتاب نہیں۔ اور شہداء کے کئی مراتب ہیں۔

(۱) ایک وہ آدمی جو مومن ہے، اس نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ اللہ کی تصدیق کی یہاں تک کہ قتل ہو گیا۔ یہ وہ شہید ہے جس کی طرف لوگ گردنیں اٹھا اٹھا کر دیکھیں گے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی گردن اٹھائی۔ یہاں تک کہ آپ کی ٹوپی مائل بہ سقوط ہو گئی۔

(۲) دوسرا آدمی وہ مومن ہے جس نے دشمن کا مقابلہ کیا گویا اس کی جلد پر کانٹا چبھ رہا ہے۔ اسے تیراں کر دگا اور وہ قتل ہو گیا یہ دوسرے درجہ میں ہے۔

(۳) وہ مومن جس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ نیک عمل کیے اور برائی بھی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا، اللہ کی تصدیق کی، اور قتل ہو گیا تو یہ آدمی تیسرے درجے میں ہے۔

(۴) اور ایک آدمی جس نے اپنے رب پر بہت ہی زیادہ ظلم و زیادتی کی۔ پھر دشمن کا مقابلہ کیا اللہ کی تصدیق کی، یہاں تک کہ قتل ہو گیا تو یہ چوتھے درجہ میں ہے۔

اور مسند و صحیح ابن خبان میں روایت ہے کہ مقتول تین طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ مومن جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرے، دشمن کا مقابلہ کرے اور راہ خدا میں شہید ہو جائے تو یہ ممتحن شہید ہے جو اللہ کے عرش کے نیچے اس کے خیمہ میں ہے۔ انبیاء علیہم الصلوٰۃ السلام صرف بہ اعتبار نبوت اس سے افضل ہے۔ دوسرا وہ مومن جس نے گناہ

کیا، برائیاں بھی کہیں اور اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کیا، یہاں تک کہ دشمن سے مل کر اس سے جنگ کی اور قتل ہو گیا تو ایک ہی آواز نے اس کے گناہ اور برائیاں مٹا دیں اور تلوار نے اس کے گناہ ختم کر دیئے اور وہ جنت کے جس دروازے سے چاہے داخل ہو سکے گا۔ کیونکہ اس کے آٹھ دروازے ہیں اور دوزخ کے سات۔ اور تیسرا وہ منافی جس نے اپنی جان و مال سے جہاد کیا، دشمن کا مقابلہ کیا اور اللہ کی راہ میں جنگ کی۔ آخر قتل ہو گیا۔ تو وہ آگ میں جاٹے گا (یہ جہاد) اس کے نفاق کو نہ مٹا سکے گا۔ نیز صحیح روایت میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: کانرا اور اس کا قاتل دوزخ میں کبھی بھی جمع نہ ہوں گے۔

سب سے بڑا جہاد ظالم حاکم کے سامنے کلہو حق

سنن ابن ماجہ میں ہے کہ سب سے بڑا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہنا ہے۔ نیز مروی ہے کہ آپ کی امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق کی خاطر جہاد کرتا رہے گا۔ اور انہیں نیچا دکھانے اور مخالفت کرنے والا فرزند دے سکے گا۔ یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ کے متعلق اپنے اصحابؓ سے فرار نہ ہونے کی بیعت لیا کرتے تھے۔ بسا اوقات آپ نے موت پر بھی بیعت لی ہے، جہاد پر بھی بیعت لی ہے۔ جس طرح اسلام پر قائم رہنے کی بیعت لی ہے اور فتح سے قبل ہجرت پر بیعت لی ہے، توحید پر، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر بیعت لی ہے اور فقراء صحابہؓ سے اس بات پر بیعت لی ہے کہ وہ کسی سے کچھ نہ مانگیں گے اس کے بعد حال یہ تھا کہ کسی کے ہاتھ سے کوڑا گر جاتا تو وہ اسے پکڑنے کے لیے خود اترتا اور کسی سے نہ کہتا کہ ذرا اسے اٹھا دو۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد دشمن اور منازل سفر کے متعلق صحابہؓ سے بہ کثرت مشورہ فرماتے۔

آل حضرت اکثر مشورہ فرمایا کرتے تھے

مستدرک میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کسی کو اپنے اصحاب سے مشورہ کرتے نہیں دیکھا۔ نیز آپ سفر میں پیچھے رہتے کمزور

کو ساتھ ملا کر چلاتے اور نہ چل سکنے والے کو ساتھ سوار کر لیتے اور چلنے میں آپ تمام لوگوں سے زیادہ نرم روی سے کام لیتے اور جب آپ کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تو جنگی چال سے کام لیتے۔ مثلاً آپ نے جب غزوہ حنین کا ارادہ فرمایا تو دریافت فرمایا کہ نجد کا راستہ کون سا ہے اور اس کا پانی کیسا؟ اور وہاں کون کون دشمن ہے وغیرہ؟

آپ فرمایا کرتے کہ لڑائی فراست کا نام ہے۔ نیز آپ جاسوسوں کو بھی ارسال فرماتے وہ دشمن کی خبریں لاتے اور اس کے عساکر کا پتہ چلاتے اور جب آپ دشمن کو دیکھ پاتے تو ٹھہر جاتے دعا کرتے اور اللہ سے مدد چاہتے۔ آپ اور آپ کے صحابہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرتے اور اپنی آواز نرم رکھتے اور آپ شکر مرتب کرتے۔ ہر سمت میں صفیں قائم کرتے اور سامنے کی جانب مبارزت فرماتے۔ آپ جنگ کے لیے مخصوص لباس پہنتے۔ بسا اوقات آپ نے دوزرہیں بھی زیب تن کیں۔ نیز آپ کے پرچم اور جھنڈے بھی ہوتے۔ جب آپ کسی قوم سے مقابلہ کرتے تو تین دن تک وہاں ٹھہرتے پھر واپس آتے۔ جب حملہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو انتظار فرماتے۔ اگر وہاں اذان کی آواز سنتے تو حملہ نہ کرتے۔ ورنہ حملہ کر دیتے۔ کبھی آپ دشمن پر رات کو حملہ کرتے اور کبھی دن کو اچانک حملہ کر دیتے اور آپ جمعرات کو صبح سویرے نکلنا پسند کرتے اور جب لشکر کسی جگہ اترتا تو آپ ایک دوسرے کو اس طرح ترتیب دیتے کہ اگر ان پر چادر ڈال دی جاتی تو سب کو کافی ہو جاتی۔ نیز آپ صفیں مرتب کرتے اور جنگ کے وقت اپنے ہاتھ سے انہیں ٹھیک فرماتے اور کہتے اے فلاں اگے بڑھو، اے فلاں پیچھے ہٹ جاؤ۔ آپ اس آدمی کو پسند فرماتے جو اپنی قوم کے جھنڈے تلے جنگ کرے اور جب دشمن سے ملاقات کرتے تو فرماتے:

اللہم منزل الكتاب ومجرى السحاب وهازم الاحزام هزمهم وانصرنا عليهم — یعنی اے اللہ کتاب نازل کرنے والے اور بادل چلانے والے اور عساکر کو شکست دینے انہیں شکست دے اور ان کے خلاف ہماری مدد فرما۔

یہ یعنی حنین کی بجائے نجد کی معلومات حاصل فرمائیں لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہم نجد جائیں گے کیونکہ یہ فلسفہ بیانی ہوتی اور ہر نبی معصوم ہوتا۔
(رائیس احمد بھٹو)

نیچہ دعا بھی کیا کرتے:

یعنی: اے اللہ تو ہی میرا بازو ہے اور تو ہی میرا مددگار ہے اور تیری ہی مدد ہی سے میں جنگ کرنا ہوں۔“

جب جنگ خوب تیز ہو جاتی اور لڑائی شدت اختیار کر جاتی اور دشمن آپ کی طرف بڑھنے کا ارادہ کرتا تو فرمایا کرتے۔

انا النبى لا كذب

انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں (یہ) جھوٹ نہیں۔

میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

اور جب لڑائی خوب گرم ہو جاتی تو لوگ آپ کے پاس آن کر پناہ چاہتے آپ دشمن

کے سب سے زیادہ قریب ہوتے۔

جنگ کے موقع پر مسلمانوں کے خفیہ شعار نیز لڑائی میں آپ صحابہ کا ایک نشان

مقرر فرمادیتے۔ جب وہ آپس میں ملیں تاکہ دشمن دھوکہ دے کر شریک نہ ہو سکے ایک بار ان کا شعار یہ تھا امت امت ایک بار یا منصور شعار مقرر کیا گیا ایک بار ہمہ لا ینصرون شعار تھا آپ زرہ اور خود پہن لیتے اور

اور تلوار کو قلاوے میں رکھتے۔ نیزے اور عربی کمان اٹھاتے ہوئے۔ نیز آپ ڈھال سے بھی تحفظ فرماتے اور لڑائی میں آپ اکڑ کر چلنے کو پسند کرتے۔ آپ نے منجینق سے کام

لیا اور اسے اہل طائف کے لیے استعمال کیا آپ عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرماتے تھے۔ لڑائی کے دوران میں آپ جسے بالغ سمجھتے اسے قتل کرتے اور جو بالغ

نہ ہوتا اسے قتل کرنے سے حیا کرتے۔ جب آپ کوئی فوج بھیجتے تو اسے اللہ سے

ڈرنے کی وصیت فرماتے اور فرماتے اللہ کے نام سے اور اللہ کی راہ میں سفر شروع

کرو اور جو اللہ کا انکار کرے اس سے جنگ کرو اور مثلاً (ہاتھ پاؤں کاٹنا) نہ کرو اور نہ دھوکہ دو اور نہ بچے کو قتل کرو۔ نیز آپ دشمن کے علاقہ کی طرف قرآن مجید لے کر سفر کرنے

کی ممانعت فرماتے اور آپ فوج کے امیر کو حکم دیتے کہ دشمن سے جنگ کرنے سے قبل اسے دعوت دو۔ یا اسلام اور ہجرت قبول کرے یا ہجرت کے بغیر محض اسلام قبول کرے (لیکن مؤخر صورت میں مسلمانوں کی طرح غنیمت کا حق دار نہ ہوگا اور پاپس چیز یہ ادا کرے۔ اگر یہ شرط قبول ہوں تو ٹھیک ورنہ اللہ سے مدد چاہو۔ اور جنگ کرو اور جب آپ دشمن پر ظفر باریاب ہونے تو منادی کرنے کا حکم فرماتے اور تمام غنائم جمع کی جائیں اور چھنی ہوئی چیزیں مالکوں کو دی جائیں۔ پھر مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ خمس نکالتے اور باقی فوج پر تقسیم کر دیتے۔ سوار کو تین حصے مرحمت فرماتے۔ ایک حصہ آدمی کا اور دو حصے گھوڑے کے اور پیدل کو ایک حصہ فرماتے یہی مسلک آپ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور غنیمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حصہ ہوتا تھا۔ اسے صفی کہتے تھے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت صفیہ صفی میں سے تھیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے بنی زہیر بن قیس کی طرف جو مکتوب مبارک ارسال فرمایا اس میں ہے کہ اگر تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔ اور مال غنیمت میں سے خمس ادا کرو اور صفی ادا کرو، تو تمہیں اللہ اور اس کے رسول کی امان ہے اور آپ کی ذوالفقار نام کی تلوار بھی صفی میں سے تھی اور مسلمانوں کی مصلحت کے پیش نظر جو غزوه سے غائب ہوتا تو اس کا آپ حصہ مقرر فرماتے جیسے آپ نے حضرت عثمان کا بدر میں حصہ مقرر کیا۔ جب وہ غزوه بدر میں آپ کی صاحبزادی کی تیمارداری کے باعث حاضر نہ ہو سکے۔ آپ نے فرمایا کہ عثمان اللہ اور اس کے رسول کے کام میں گیا ہے۔ چنانچہ ان کا حصہ نکالا گیا۔

نیز صحابہ جنگ کے موقع پر خرید و فروخت کرتے تھے۔ آپ انہیں دیکھتے اور منع نہ فرماتے ایک آدمی نے عرض کیا کہ مجھے آج اس قدر نفع حاصل ہوا ہے کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا۔ آپ نے دریافت فرمایا کس قدر! اس نے عرض کیا میں خرید و فروخت کرتا رہا یہاں تک کہ تین سو اوقیہ حاصل کر رہے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں زیادہ نفع کی بات بتاؤں! اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کے بعد دو رکعتیں (نوافل) نیز صحابہ غزوات میں دو طریق پر خدمات مستعار لیتے تھے۔ ایک یہ کہ آدمی جہاد کے

یہ جہاں جا رہے اور اثنائے سفر میں خدمت کے لیے آدمی نوکر رکھ لیے۔ دوسرے یہ کہ جو جہاں میں جا رہا ہے وہ دوسرے کا مال اجرت پر لے لے اسے جعلی کہا کرتے تھے۔ اس کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ غازی کے لیے اس کا اپنا اجر ہے اور جعل کے لیے جعل یعنی مال دینے کا، اجر اور غازی کے (دونوں) اجر ہیں۔

اور مالِ غنیمت میں دو طرح شرکت کیا کرتے تھے۔ ایک شرکتِ بدنی دوسرے یہ کہ ایک آدمی اپنا اونٹ یا گھوڑا دوسرے کو اس شرط پر دیتا ہے کہ اس پر پڑھ کر جہاد کرے اور جو مالِ غنیمت ملے اس کا نصف اسے ادا کرے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوا کہ ایک تیر کے دو حصے کیے گئے۔ چنانچہ ایک کو تیر مل گیا اور دوسرے کو اس کا پھلا اور پر ملا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عمرؓ اور سعدؓ نے بدر کے دن شرکت کی۔ حضرت سعدؓ دو قبیلے آئے ہیں اور عمرؓ خالی ہاتھ آئے۔ کبھی آپؐ سوار فوج اور کبھی فوج ارسال فرماتے۔ لیکن فتح ہو جانے کے بعد جو آتا اس کا حصہ مقرر نہ فرماتے۔

دشمن کا مال بھی ناجائز طور پر نہیں کھایا جاسکتا | غزوات میں آپ کے ہمراہ مسلمان

شہداء، انگور اور کھانا حاصل کرتے تو کھایتے اور اسے منام میں نہ لے جاتے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ایک لشکر نے کھانا نیز شہد مالِ غنیمت میں حاصل کیا۔ آپ نے اس میں سے خمس (پانچواں حصہ) وصول نہ فرمایا اور حضرت عبداللہ بن مغفل کو خیبر کے دن چربی کا ایک مشکیزہ ملا۔ وہ کہنے لگے آج میں اس میں سے کسی کو کچھ نہ دوں گا۔ (ابوداؤد) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور مسکرا دیئے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت ابن ابی اونی سے دریافت کیا گیا۔ کیا آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں از قبیل طعام اشیاء کا خمس دیا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: فتح خیبر کے دن ہمیں کھانا ہاتھ لگا۔ جو بھی آتا حسبِ ضرورت لے کر چلا جاتا۔ بعض صحابہ سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں اخروٹ کھا لیا کرتے اور تقسیم نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ہم اپنے سامان سفر کے پاس آتے اور اسے بھرا ہوا پاتے۔

دشمن کی لاش کا بھی حلیہ نہیں بگاڑا جاسکتا | آپ غزوات میں لوٹ مار کرنے اور

سے منع فرماتے۔ آپ نے فرمایا جس نے ایک بار لوٹ کی وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک مرتبہ لوٹ کے مال سے چند دیگیچیاں چولھے پر رکھی گئیں۔ آپ نے انہیں الٹ دینے کا حکم فرمایا۔ چنانچہ ابو داؤد نے ایک انصاری کی روایت نقل کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے۔ لوگوں کو سخت حاجت لاحق ہوئی اور بڑی مشقت اٹھانی پڑی پھر انہیں مالِ غنیمت ملا تو تقسیم کرنے کی بجائے (اسے لوٹ کے مال سے) ہماری دیگیچیاں ابل رہی تھیں کہ اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمان کے سہارے چلتے ہوئے تشریف لائے اور اسی سے دیگیچیاں الٹ دیں۔ پھر فرمایا۔

لوٹ کا مال مردار سے حلال نہیں ہوتا اور مردار لوٹ سے حلال نہیں ہوتا۔

نیز آپ نے مالِ غنیمت کے جانور پر سواری کرنے کی ممانعت فرمائی کہ جب کمزور ہو جائے تو لوٹا دے اور اسی طرح مالِ غنیمت میں سے لباس نہیں پہنا کہ جب پرانا ہو جائے تو لوٹا دے (اس کی بھی ممانعت فرمائی) البتہ حالتِ جنگ میں اس سے استفادہ کرنے کی ممانعت نہیں کی۔

خیانت کسی حالت میں جائز نہیں | اور آپ غلولِ خیانت کر کے مال چھپالینا کی

سخت ترین مخالفت کیا کرتے تھے۔ فرمایا کرتے یہ قیامت کے دن اس کے مرتکب پر عار ہوگی، آگ ہوگی اور رسوائی ہوگی۔ جب آپ کے غلام مدغم کو تیر لگا تو صحابہ کہنے لگے: اسے جنت مبارک ہوگی۔

آپ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے غزہ خیبر کے دن مالِ غنیمت تقسیم کرنے سے پہلے جو چادر اس نے لے لی تھی وہ اس پر آگ کی صورت میں بھلائی جا رہی ہے یہ سن کر ایک آدمی ایک یاد دہانے آیا، تو آپ نے فرمایا ایک یاد دہانے آگ کے۔

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے۔ غلول اور

اس کی شدت دربرائی کا ذکر کیا اور فرمایا میں تباہت کے دن تم میں سے کسی کو اس طرح نہ ملوں کہ اس کی گردن پر بکری سوار ہو اور پیچ رہی ہو یا گھوڑا اس کی گردن پر سوار ہنہنا رہا ہو۔ اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے اور میں کہوں گا کہ تیرے لیے میرے بس میں کچھ نہیں۔ میں نے تمہیں (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کسی کی گردن پر خاموش (سونا چاندی) سوار ہو اور وہ کہے اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے میں کہوں گا کہ میں تجھے اللہ تعالیٰ سے بچانے کے لیے کسی چیز کا مالک نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کا حکم) پہنچا دیا تھا یا کوئی ایسا ہو کہ جس کی گردن پر گھڑی رکھی ہو، جس سے اس کا سانس بند ہو رہا ہو اور وہ کہے۔ اے اللہ کے رسول میری مدد فرمائیے تو میں کہوں گا تیرے متعلق مجھے کچھ اختیار نہیں۔ میں نے تجھے (اسلام کا حکم) پہنچا دیے تھے۔ نیز سامان کے ایک بہریدار کے مرنے کے بعد آپ نے فرمایا یہ آگ میں ہے۔

چنانچہ (صحابہ) آگے اور اس کی تلاشی لی تو دیکھا کہ اس نے ایک عباد کی خیانت کی تھی۔ ایک غزوے میں صحابہؓ نے کہا کہ فلاں شہید ہے، فلاں شہید ہے۔ یہاں تک کہ آدمی کے پاس سے گزرے اور کہنے لگے کہ فلاں بھی شہید ہے۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے دوزخ میں ایک چادر یا عباد کی وجہ سے دیکھا جو اس نے خیانت سے چھپالی تھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے ابن خطاب جاؤ اور جا کر لوگوں میں منادی کر دو کہ جنت میں ایمان والوں کے سوا کوئی داخل نہ ہوگا۔

خیبر کے دن ایک آدمی فوت ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا اپنے ساتھی کا جنازہ (خود) ہی پڑھ لو۔ (مارے غم) کے لوگوں کے چہرے متغیر ہو گئے۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے ساتھی نے اللہ کی راہ کے مال میں کچھ خیانت کی ہے۔ چنانچہ سامان کی تلاشی لی تو یہودیوں کا ایک منکہ دستیاب ہوا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔

جب آپ کو مالِ غنیمت حاصل ہوتا تو حضرت بلالؓ کو حکم فرماتے سب لوگ مالِ غنیمت لے کر حاضر ہو جاتے آپ اس کا خمس نکال لیتے اور (باقی) تقسیم فرمادیتے۔ ایک آدمی

رفیقہ سیم کرنے کے بعد بالوں کی ایک لگام لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 کہ تو نے بلال کی ندامتیں ارستیں؟ اس نے عرض کیا ہاں!
 آپ نے فرمایا کہ پہلے لانے میں کیا رکاوٹ پیش آئی تھی؟ اس نے عذر کیا۔ آپ نے
 فرمایا تو اسے قیامت کے روز لائے گا۔ اب میں تجھ سے ہرگز قبول نہ کروں گا!

جنگ آج سے ۱۲ برس پہلے بھی ہوتی تھی آج بھی ہوتی ہے، دشمن کے سپاہی آج سے ۱۲ سو برس
 پہلے بھی لڑتے تھے، آج بھی لڑتے ہیں، آج سے ۱۲ سو برس پہلے کا زمانہ جہالت کا زمانہ تھا، بربریت
 سفاکی، وحشت اور جفاکاری کا زمانہ تھا آج کا زمانہ، انسانیت، تہذیب، شائستگی اور مدنیت کا
 زمانہ ہے، لیکن کیا آج کے زمانے میں بھی دشمن کے ساتھ وہی سلوک ہوتا ہے، وہی رعایتیں کی جاتی
 ہیں۔ وہی سہولتیں عطا ہوتی ہیں جو آج سے چودہ سو برس پہلے عرب کے امی نے عطا فرمائی تھیں؟
 حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر شعبہ میں ایک عظیم الشان انقلاب سے دنیا کو
 روشناس کیا اور یہ ایسا انقلاب تھا جو آج بھی بالکل تازہ اور نیا معلوم ہوتا ہے۔

پہلی اور دوسری جنگ عظیم کی یاد، اس کے اثرات و نتائج آج بھی بہت سے دماغوں میں تازہ
 ہوں گے۔ ان دونوں جنگوں میں فاتح نے مفتوح کے ساتھ جو سلوک کیا اور جس طرح اسے تڑپا
 تڑپا کر ہلاک کیا اور جس طرح مفتوحہ شہروں کو پامال کیا، اس کی مثال کیا پیغمبر صحرا کے عہد گرامی
 میں بھی ملتی ہے!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی جنگ بھی ایک رحمت ہے، اگرچہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت
 کے باعث اس کا اعتراف نہ کریں!

(رئیس احمد جعفری)

جہاد اور اس کی فضیلت

جہاد کی قسمیں مجاہد کے درجات اللہ کی نعمت

احکام جہاد کے تدریجی مرحلے | جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی اور اپنے مومن بندوں

کی نصرت و فوجی عداوت اور باہمی جنگ کے بعد ان کے قلوب میں محبت ڈال دی چنانچہ اللہ تعالیٰ کے انصار اور مومنین نے آپ کو ہر سیاہ و سفید دشمنی سے بچانے کی کوشش کی اور آپ کی خاطر ہر قسم کا جہاد کیا اور اپنے والدین، اولاد اور بیویوں پر آپ کو ترجیح دی اور آپ ان کے نزدیک اپنی زندگی سے کہیں زیادہ قابلِ محبت تھے (چنانچہ عرب اور یہود نے مل کر ان کا مقابلہ کیا جنگ اور عداوت پر اتر آئے۔ اور ہر جانب سے ان پر حملہ کر دیا اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ انہیں صبر اور معاف کرنے اور درگزر کرنے کا حکم دے رہا تھا۔ آخر ان کو بھی شوکت و قوت حاصل ہوئی اور ان کے بازوؤں میں بھی توانائی آگئی تو انہیں جہاد کی اجازت دی گئی لیکن یہ فرض تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا و اتوا اللہ علی نصر لقد یر یعنی جن سے

مقاتلہ کیا جاتا ہے، انہیں اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم کیا گیا اور اللہ ان کی مدد پر قادر ہے۔

آیہ جہاد کے بارے میں انکار | ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔ اور یہ اذان مکہ میں داخل ہے۔ یہ نظریہ کئی دلائل

سے غلط ہے، ایک تو یہ کہ اللہ نے مکہ میں قتال کی اجازت نہیں دی تھی اور نہ مسلمانوں کو کوئی خاص شوکت حاصل تھی کہ جس کی بنا پر وہ مکہ میں قتال کر سکتے۔ دوسرے آیت کا

سیاق اس پر دلالت کرتا ہے کہ اذان ہجرت اور گھروں سے خارج کرنے کے بعد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، الذین اخرجوا من ديارهم بغير حق الا ان يقولوا ربنا الله يعني جنہیں اپنے گھروں سے ناسحق نکالا گیا مگر وہ مرت یہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور یہ ہاجرین کی جماعت تھی۔ تیسرے کہ مستدرک حاکم میں حضرت عائشہؓ نے انہوں نے مسلم بطین سے انہوں نے حضرت سعید بن جبیر سے انہوں نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو ابو بکرؓ نے فرمایا، مشرکین نے اپنے نبی کو نکال دیا، انا لله وانا اليه راجعون یہ یقیناً ہلاک ہو جائیں گے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اذن للذین یقاتلون بانہم ظلموا، یہ قتال کے متعلق پہلی آیت ہے۔

جہاد فرض قرار دیا گیا | اس کے بعد ان کے مقابلہ میں جو مقاتلہ کریں، جہاد کرنا فرض قرار دیا گیا، اور فرمایا، وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین

یقاتلونکم، یعنی اللہ کے راستہ میں ان سے جنگ کر دو جو تم سے برسر پیکار ہیں۔ اس کے بعد تمام مشرکین کے خلاف جہاد فرض ہو گیا، اب یہ یا تو فرض عین ہے جیسے دوائیوں میں سے ایک سڑکی ہے، یا مشہور قول کے مطابق فرض کفایہ ہے۔ بہر حال از روئے تحقیق جہاد کرنا فرض عین ہے، دل سے یا زبان سے یا ہاتھ سے، اس طرح ہر مسلمان پر واجب ہے کہ وہ انواع جہاد میں سے کسی نہ کسی نوع کا جہاد کرے۔

ربا جہاد نفس و جان کے ساتھ جہاد کرنا، یہ فرض کفایہ ہے اور جہاد بالمال کے متعلق رو قول مردی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ واجب ہے کیونکہ قرآن مجید میں جہاد بالانفس اور جہاد بالمال کو ایک ہی انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

انفروا خفافاً وثقلاً وجاهدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہ ذالکم خیر لکم ان کنتم تعلمون۔

اس آیت میں آگ سے نجات اور گناہوں کی بخشش اور دخول جنت کو اس جہاد سے مشروط کر دیا، پینا نچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يا ايها الذين امنوا هل ادلكم على تجارةٍ تنجيكم من عذاب اليم؟ تؤمنون
 بالله ورسوله وتجاهدون في سبيل الله باموالكم وانفسكم ذالك
 خير لكم ان كنتم تعلمون ۝ يغفر لكم ذنوبكم ويداخلكم رحمته
 تجري من تحتها الانهار ومسكن طيبة في جنات عدن ذالك الفوز العظيم ۝
 یعنی اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایسی تجارت کی خبر دوں (جو) تمہیں دردناک عذاب
 سے نجات دے، تو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہو اور اللہ کے راستہ
 میں اپنے مال اور جان کے ساتھ جہاد کرتے ہو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ اگر تم
 جانتے ہو۔ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں باغات میں داخل کر دے گا جن
 کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور پاکیزہ مکانات عدن کے باغات میں، یہ بہت
 بڑی کامیابی ہے۔“

پھر جب کہ مدعیانِ محبت کی کثرت ہو گئی تو ان سے مطالبہ ہوا کہ دعوے کے ثبوت میں
 دلیل پیش کریں (اور وہ ثبوت یہ تھا)

قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله يعني کہہ دو، اگر تم اللہ
 سے محبت کرتے ہو، تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت رکھے گا۔“
 اس پر تمام مخلوق پیچھے ہٹ گئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور
 آپ کی سنت طیبہ و اخلاق حسنہ میں (سب اللہ) محدود ہو گئی۔ اس طرح ان سے ایک
 واضح عدالت طلب کی گئی، اور فرمایا گیا کہ تزکیہ کے بغیر عدالت قبول نہیں کرتے (اور تزکیہ
 بھی ایسا کہ جس کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہوں اور کسی ملامت سے نہ
 ڈریں۔ اس مقام پر محبت کے کئی دعوے دار پیچھے ہٹ گئے اور مجاہدین کھڑے رہے
 پھر کہا گیا کہ محبت کرنے والوں کی جان اور مال ان کا اپنا نہیں۔ اس لیے جس پر عہد نامہ
 ہوا وہ حوالے کر دیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کا جان و مال خرید لیا کہ انھیں
 جنت ملے گی۔ اور ضروری ہے کہ یہ عہد جہانبین کی طرف سے تسلیم کیا جائے اور جب
 تجارت نے خریدی ہوئی چیز کی عظمت اور قیمت کا اندازہ کر لیا جس کے مبارک ہاتھوں پر

عہد ہو رہا ہے۔ اس کے جلال اور جس کتاب میں عہد ہو رہا تھا اس کتاب کا مرتبہ و مقام محسوس کر لیا، تو انھیں یقین ہو گیا کہ اس مبیعہ کی وہ شان و عظمت ہے جو کسی دوسرے مبیعہ کی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے انھیں معلوم ہو گیا کہ اگر اسے چند کھوٹے درہم (دنیا) کی خاطر بیچ دیا گیا۔ تو یہ سخت نقصان اور واضح بددیانتی ہوگی۔ چنانچہ انھوں نے بغیر کسی قیل و قال کے اپنی رضا مندی اور اختیار و ارادہ کے ساتھ مشتری کے ساتھ بیع کر لی۔ اب جب بیع مکمل ہو چکی اور مبیعہ (پینزا) حوالے کر دی گئی، تو انھیں بتا دیا گیا کہ اب تمہارے مال اور تمہاری جان ہماری ملکیت بن چکی ہے۔ اور ہم انہیں تمہارے پاس جو کچھ تمہارا ہے بہتر اور تمہارے اموال کے ساتھ مزید اموال تمہیں دیں گے۔ اور یہ مت سمجھو کہ جو اللہ کے راستہ میں قتل ہوئے وہ مر چکے ہیں، بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس۔ سے انھیں رزق دیا جاتا ہے، اور ہم سے تمہارے مال اور تمہاری جانیں نہیں مانگتے کہ تم پر نفع چاہیں بلکہ اس لیے کہ چیز کی قبولیت کے بعد اس کے جو دوسرا کا اثر ظاہر ہو۔ اور مزید عطا کرنا بڑی قیمت ہے۔ پھر ہم نے قیمت اور خریدی ہوئی چیز بھی تمہیں عطا کی۔

حضرت جابرؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ | دیکھیے حضرت جابرؓ کے واقعہ میں کہ

ایک اونٹ خریدا پھر اس کی قیمت ادا کی اور زیادہ (قیمت) عطا فرمائی (مزید برائے) اونٹ بھی واپس کر دیا۔ اور ان کے والد غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے والد کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فیاضانہ (سلوک) بتایا، اور خبر دی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے گفتگو فرمائی۔

اور مزید برائے اس عہد پر مدح و تعریف بھی فرمائی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا نہ اگر میری امت پر سختی نہ (نظر) آتی تو میں ہر لشکر کے پیچھے بیٹھتا اور میں چاہتا ہوں کہ مجھے اللہ کے راستہ میں قتل کیا جائے۔ پھر زندہ کیا جائے پھر قتل کیا جائے پھر مجھے زندہ کیا جائے اور فرمایا، اللہ کے راستہ میں جہاد کرنے والے کی مثال اس روزے دار کی رح ہے جو اللہ کے احکام پر عامل و قائم ہو اور روزے اور نماز سے بالکل سست

نہ ہو۔ یہاں تک کہ مجاہد اللہ کے رستہ سے واپس آجائے اور مجاہد فی سبیل اللہ کے ساتھ اللہ کا دندہ ہے کہ وہ اس سے دنیا کرے گا اور اس سے جنت میں داخل کرے گا یا اسے اجر اور مال غنیمت سمیت واپس کرے گا۔

نیز آپ نے فرمایا، اللہ کے راستہ میں جانا یا آنا لینا اور دینا کی تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ نیز اپنے رب تبارک و تعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ میرے بندوں میں سے جو بندہ بھی میرے راستہ میں میری رضا کی خاطر نکلے گا۔ میں اسے ضمانت دوں گا کہ اسے جو اجر یا غنیمت ملے گی اس کے ساتھ واپس کر دوں گا اگر میں نے اس کو ملے لیا تو اسے بخش دوں گا اس پر رحم کر دوں گا اور اس سے جنت میں داخل کر دوں گا۔

اور فرمایا کہ اللہ کے راستہ میں جہاد کرو، کیونکہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جنت کے دروازے میں سے ایک دروازہ ہے اور اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ غم و اندوہ سے نجات دیتا ہے۔ نیز فرمایا، کہ جنت میں تہذیب و جہاد ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان آسمان و زمین کے برابر فاصلہ ہے اس لیے بسبب اللہ سے درخواست کرو، تو فردوس کی درخواست کرو، کیونکہ یہ اوسط اور اعلیٰ جنت ہے اور اس کے اوپر رحمن کا عرش ہے اور یہیں سے جنت کی انہار شروع ہوتی ہیں۔ نیز فرمایا جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے اسے جنت کے دربان بلائیں گے جو ہر دروازے پر ہوں گے تو جو اہل نماز سے ہو گا اسے باب الصلوٰۃ سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل جہاد میں سے ہو گا اسے باب جہاد سے بلایا جائے گا۔ اور جو اہل صدقہ میں سے ہو گا اسے باب الصدقہ میں سے بلایا جائے گا، اور جو اہل صیام و روزہ داروں میں سے ہو گا اسے باب الریان سے بلایا جائے گا۔

حضرت ابو بکرؓ کا مرتبہ بلند | حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان، کیا کوئی ایسا بھی ہو گا جسے ہر دروازے سے بلایا جائے گا؟ آپ نے فرمایا، ہاں! اور مجھے امید ہے کہ تم ان میں سے ہو گے۔

سنن ابن ماجہ میں مروی ہے کہ جو اللہ کی راہ میں ^{سنت} جہاد کرنے والے کے درجات

بیچے اور اپنے گھر میں ٹھہرا رہے اسے ہر درہم کے عوض سات سو درہم عطا کرے گا، اور جو اللہ کی راہ میں اپنی جان سے جہاد کرے اور نطقہ بھی اپنے پاس سے کرے تو اسے ایک درہم پر سات لاکھ درہم عطا ہوں گے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَاءُ یعنی اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا عطا کرتا ہے۔“

نیز آپ نے فرمایا جو اللہ کی راہ میں مجاہد کی مقروض کی ادائے قرض میں یا مکاتب (غلام) کی آزادی حاصل کرنے میں مدد کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے (عرش) کے سایہ میں جگہ دے گا، جس دن اس کے (عرش) کے بغیر کوئی سایہ نہ ہوگا اور فرمایا جس کے قدم اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوئے، اللہ نے انہیں آگ پر حرام کر دیا اور فرمایا کہ نخل اور ایمان ایک آدمی کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے، اور اللہ کی راہ میں غبار اور جہنم کا دھواں ایک بندے کے چہرے پر اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ ایک جگہ ”ایک دل میں“ کے الفاظ منقول ہیں۔ ایک جگہ ”ایک آدمی کے پیٹ میں“ مذکور ہے۔ ایک جگہ ”ایک مسلمان کے نتھنوں میں“ تحریر ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ جس کے قدم اللہ کی راہ میں دن کی ایک ساعت غبار آلود ہو گئے تو وہ آگ پر حرام ہیں۔ نیز ان سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایک آدمی کے پیٹ میں اللہ کی راہ کی غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہیں کرتا اور اللہ کی راہ میں جس کے قدم غبار آلود ہوئے اللہ نے اس کے تمام جسم پر آگ حرام کر دی اور جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن روزہ رکھا اللہ تعالیٰ نے اس سے تیز چلنے والے سوار کے ایک ہزار سال کے سفر کے برابر آگ دردی کر دی۔ اور جسے اللہ کی راہ میں ایک زخم پہنچا، اس پر شہداء کی مہر لگ گئی۔ قیامت کے دن اس کا نور ہوگا، جس کا رنگ زعفران کا سا اور جس کی خوشبو مشک کی سی ہوگی۔ تمام پہلے اور بعد میں آنے والے اسے پہچان لیں گے اور کہیں گے کہ فلاں پر شہداء کی مہر ہے اور جو اللہ کی راہ میں ادنیٰ کے

حصہ پر جہاد کرے گا۔ اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ نیز آپ نے فرمایا ایک دن رات اللہ کی راہ میں پہرہ دینا، ایک ماہ کے روزے اور قیام سے بہتر ہے اور اگر اسی حالت میں فوت ہو گیا تو اس کا عمل جاری رہے گا۔ اور اس کا رزق برابر آتا رہے گا اور فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

اور فرمایا، کہ کوئی آدمی بھی جب مر جاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے۔ سو اس کے جو اللہ کی راہ میں پہرہ دیتے فوت ہو جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا ہی رہتا ہے، اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز فرمایا کہ اللہ کی راہ میں ایک دن کا پہرہ دینا گھر میں ایک ہزار دن (کی عبادت) سے افضل ہے۔

امام احمدؒ نے آپ کی روایت نقل کی کہ جو مسلمانوں کے ساحل کا تین دن پہرہ دے اسے ایک سال کے درباط اکا ثواب ہو گا۔ نیز آپ سے مروی ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک رات پہرہ دینا اس سے افضل ہے کہ ایک ہزار رات کا قیام کرے اور اس کے رہزار ایام کا روزہ رکھا جائے۔ نیز آپ نے فرمایا، اس آنکھ پر آگ حرام کر دی گئی۔ جو اللہ کے ڈر سے آنسو بہائے یا رو دے اور اس آنکھ پر آگ حرام کر دی گئی، جو اللہ کی راہ میں بیدار ہو۔

نیز آپ نے فرمایا جسے جہاد میں ایک تیر کا حصہ ملا، اسے جنت میں ایک درجہ حاصل ہوا۔ اور فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر چلا یا وہ آزاد راگ سے اسے، اور جو اللہ کی راہ میں بوڑھا ہوا، قیامت کے دن اس کے لیے ایک نور ہو گا، ترمذی کے نزدیک ایک درجہ سو سال کے برابر ہے، نسائی کے نزدیک پانچ صد سال (کے سفر) کا ایک درجہ ہوتا ہے۔

میدان جنگ کی باتیں

اسیرانِ جنگ، فدیہ، جنگی غلام، جاسوسی، مالِ غنیمت

مکہ بزرگ شمشیر فتح ہوا یا از روئے صلح جنگی قیدیوں میں سے بعض کو از راہ احسان آپ نے رہا کر دیا، بعض سے فدیہ لیا اور چھوڑ دیا۔ بعض پر چاکری عائد کر دی اور بعض کو قتل کیا۔ حسب تقاضائے مسلمات آپ نے یہ جملہ صورتیں اختیار فرمائی ہیں۔

بدر کے قیدیوں کو آپ نے فدیہ دے کر رہا کر دیا۔ اور فرمایا، اگر معطم بن عدی زندہ ہوتا اور تجھ سے سفارش کرتا تو میں انہیں ابھی چھوڑ دیتا۔

صلح حدیبیہ میں ستر مسلح آدمیوں نے حملہ کرنا چاہا انہیں پکڑ لیا گیا۔ آپ نے ان پر احسان فرمایا اور چھوڑ دیا، ابنِ حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال کو گرفتار کیا گیا، تو آپ نے اسے مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا۔ پھر آزاد کر دیا اور وہ اسلام لے آیا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپ نے صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ حضرت صدیقؓ نے فدیہ کر کے چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تاکہ مسلمانوں کو دشمن کے مقابلہ میں قوت حاصل ہو جائے تو شاید اللہ تعالیٰ انہیں اسلام کی ہدایت دے دے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اللہ کی قسم میرا خیال وہ نہیں جو ابو بکرؓ کا ہے، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج ہم نے انہیں پکڑ لیا ہے تو ہمیں ان کی گردنیں مار دینی چاہئیں کیونکہ یہ لوگ کفر کے امام اور پیشوا ہیں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی رائے کو تسلیم فرمایا اور حضرت عمرؓ کی رائے کو ترجیح نہ دی۔ جب صبح ہوئی حضرت عمرؓ حاضر ہوئے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور

ابوبکر و دونوں رو رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ اور آپ کے ساتھ ابوبکر کس وجہ سے رو رہے ہیں! اگر مجھے ردنا آگیا، تو میں رو دوں گا اور اگر ردنا آیا تو آپ کے گریہ کے باعث تکلف سے رو دوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہ گریہ نذیبہ کی وجہ سے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

مَا كَانَ لِلْبَنِيِّ إِذْ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ تَبِيعَ فِي الْأَرْضِ يَسْتَأْذِنُ بَنِي كَوْفَرٍ
بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ
ابوبکر و عمر کی تشبیہ ابراہیم و نوح سے | اس سلسلہ میں لوگوں کی در رائیں ہیں:-

حضرت عمرؓ کے قول کو ترجیح دی۔ دوسرے گروہ نے حضرت ابوبکرؓ کے قول کو اس وجہ سے ترجیح دی کہ حکم اسی طرح قائم رہا۔ کتاب نے اسے حلال کر دیا۔ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی۔ نیز صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ابوبکرؓ کو ابراہیم اور عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی اور عمرؓ کو حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام سے مشابہ بتایا اور ان قیدیوں کے اسلام لانے کے باعث خیر عظیم حاصل ہوا اور ان کے اصلوب سے مسلم اولاد ہونے اور نذیبہ لینے کی وجہ سے مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوئی۔ باقی رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گریہ، تو وہ رحمت کے سبب تھا۔ جب آپ نے دنیا چھوڑنے والوں پر عذاب کا نزول ہوتے دیکھا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ نے دنیا کی خواہش کی ہی نہیں تھی اور ان کا مطلب تو محض مسلمانوں کی خیر خواہی تھا۔

انصار نے اجازت چاہی کہ عمر رسولؐ عباس سے نذیبہ کی رقم نہ لی جائے۔

آپ نے فرمایا، ایک درہم بھی نہ چھوڑ۔

۱۔ میں ایسی تمام روایات کو عمل نظر سمجھتا ہوں، جن سے کسی دوسرے شخص کی رائے، آنحضرت کے مقابلہ میں ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہو۔ یہ چیز نشانِ محمدی کے بھی خلاف ہے، اور مرتبہ رسالت کے بھی۔

۲۔ اسلام کی مسادات کے سامنے عمر رسولؐ اور ایک عام شخص میں کوئی فرق نہیں۔ (رئیس احمد جعفری)

مسلمہ بن اکوع نے ایک لونڈی کی درخواست پر جو حضرت ابو بکرؓ نے کسی غزوہ میں آپؐ کی خدمت میں ہدیہ کے طور پر پیش کی تھی۔ آپؐ نے عطا فرمادی۔ مسلمہ نے اسے مکہ بھیجا۔ اور کچھ مسلمانوں کو اس کے عوض میں رہا کر دیا۔ اور عقبہ بن ابی معیط اور نضر بن حوثر کو قتل کر دیا گیا کیونکہ یہ دونوں اللہ اور اس کے رسول سے سخت ترین عداوت رکھتے تھے۔

امام احمدؒ نے سفر ت ابن عباسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ کچھ قیدی ایسے تھے جن کے پاس فدیہ دینے کے لیے مال نہ تھا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھادیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ کسی کام کو بھی فدیہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

آپؐ کی سنتِ طیبہ یہ تھی کہ گرفتار ہونے سے قبل جو اسلام سے آتا وہ ہرگز غلام نہ بنایا جاتا اور جس طرح اہل کتاب کے گرفتار شدگان غلام بنائے جاتے اس طرح عرب قیدیوں کو بھی غلام بنا لیا جاتا۔ حضرت عائشہ کے پاس باندی تھی۔ آپؐ نے فرمایا، اسے آزاد کر دو، کیونکہ یہ بنی اسماعیل سے ہے۔ اور جب آپؐ نے بنی مصطلق کے غلاموں کو تقسیم فرمایا تو حضرت جویریہ بنت حوثر ثابت بن قیس بن شماس کی چاکری میں آگئیں جن سے انہوں نے مکاتبت کر لی۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت کی رقم ادا فرمائی اور نکاح فرمایا۔ آپؐ کے نکاح کے بعد اس رشتہ کی وجہ سے بنی مصطلق کے ایک سو غلام آزاد کر دیئے گئے۔ اور یہ خالص عرب تھیں۔

۱۔ صرف عداوت ہی نہیں رکھتے تھے، مندرہ پرواز، فتنہ انگیز اور حد درجہ شریر بھی تھے ورنہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم تو اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو معاف کر دیتے تھے۔ (درمیں احمد جعفری)

۲۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علم کی آپؐ کی نظر میں کس درجہ اہمیت اور وقعت تھی۔

۳۔ اس سے بڑی دلیل ان فقہاء کے خلاف کوئی نہیں ہو سکتی، جو مسلمان کو غلام تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلام غلامی کو ساقط کر دیتا ہے۔

۴۔ انصاف کے زمانہ میں کوئی جنگی قیدی غلام نہیں بنایا گیا سوا وقتی طور پر کسی مصلحت کے ماتحت

اور پھر کوئی اڑے کو پورے کے پورے آزاد کر دیئے گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باندی
مال اور بچہ میں جدائی نہ کرائی جائے! | مال سے اس کے بچے کو علیحدہ

کرنے کی ممانعت فرماتے تھے، اور فرمایا کرتے۔

جو مال اور اس کے بچے کے درمیان جدائی ڈالے گا، قیامت کے روز اللہ اس کے
 اور اس کے محبوب کے درمیان جدائی ڈال دے گا۔ آپ کے پاس غلام آتے تو آپ مجموعی
 طور پر بخشتے تاکہ ان میں جدائی نہ پڑے۔

آپ سے ثابت ہے کہ آپ نے مشرکین
مسلمانوں کے خلاف جاسوسی | میں سے ایک جاسوس کو قتل کیا اور یہ بھی ثابت

ہے کہ آپ نے حاطب کو قتل نہیں کیا، حالانکہ انھوں نے جاسوسی کی تھی۔ حضرت عمرؓ نے ان
 کے قتل کی اجازت مانگی تو آپ نے فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھ کر
 فرما دیا تھا، اب تم جو چاہو کرو۔ میں نے تمہیں بخش دی۔ اس سے امام شافعیؒ، احمد اور
 ابو حنیفہ رحمہم اللہ نے استدلال کیا ہے کہ مسلمان جاسوس کو قتل نہ کیا جائے۔ اور امام مالکؒ
 اور اصحاب احمد رحمہم اللہ قتل کا فتویٰ دیتے ہیں اور یہی رائے زیادہ قوی بھی ہے اور اللہ
 تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت طیبہ یہ
مشرکین کے غلام مسلمان علاقہ میں آزاد | تھی کہ مشرکین کے غلام اگر مسلمانوں کے

علاقہ میں آجاتے تو انھیں آزاد سمجھتے اور فرماتے، یہ اللہ عزوجل کے آزاد کردہ ہیں۔ نیز آپ کی سنت
 طیبہ یہ بھی تھی کہ کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس کے پاس جو کچھ ہوتا، اسی کے پاس رہنے دیتے۔ نیز
 زمانہ کفر اور جنگ میں کافر مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی جانی و مالی نقصان پہنچا چکے ہوں (اسلام لانے
 کے بعد ان پر جرمانہ عائد نہ کرتے)۔

۱۔ صلہ رحم کی اسلام نے زیادہ سے زیادہ تاکید کی ہے اور یہ چیز دشمنوں اور میدان جنگ کے مریفوں کیساتھ ہی ہے،
 ۲۔ مجرم بہر حال مجرم ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، اسلام اس طرح کی کوئی تفریق پسند نہیں کرتا۔
 ۳۔ تبلیغ اسلام کا سب سے بڑا اور کامیاب ذریعہ یہی طرز عمل ہے۔ (رئیس احمد جعفری)

حضرت صدیقؓ نے مرتدین کے گھروں سے مسلمانوں کی جان و مال کا خون بہا دینا چاہا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اللہ کی راہ میں قیل ہوئے ان کا اجر اللہ پر ہے اور شہید کا خون بہا نہیں ہوتا۔ پناغہ حضرت عمرؓ کے قول پر صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔

غنیمت کی زمین کے متعلق آنحضرتؐ کی سنتِ طیبہ

نضیر، اور خیبر کی زمینیں غائبین کے درمیان تقسیم فرمائیں۔ مدینہ منورہ کو قرآن مجید نے فتح کیا تھا کتاب، اللہ ہی کے باعث وہ مسلمان ہو گئے تھے، اور اپنے دین پر سختی سے قائم رہے مگر مکہ بزدور قوت فتح ہوا تھا، اس لیے تقسیم نہیں کیا گیا۔ علمائے کرام کے نزدیک اس کی حیثیت متعین کرنا بھی مشکل ہو گئی ہے۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ یہ چونکہ دارالمناسک و مناسک حج کی جگہ ہے اور یہ مسلمانوں پر وقف ہے اور وہ تمام اس میں شریک ہیں اس لیے اس کی تقسیم محال ہے۔ اس وجہ سے بعض علمائے کرام اس کی فردخت یا اجارہ ممنوع بتاتے ہیں۔ اور بعضوں نے اس کی اچھی زمینوں کی فردخت کو جائز کہا ہے، اور اجارت دکر ایہ پر دینا کو ممنوع بتایا امام شافعیؒ نے چونکہ قوت سے (فتح مکہ) اور تقسیم نہ ہونے کو جمع نہیں کیا اس لیے انہوں نے فرمایا ہے کہ (مکہ) صلح سے مفتوح ہوا اس وجہ سے تقسیم نہ ہوا، اور فرمایا، کہ اگر مکہ قوت کے بل پر فتح ہوتا تو اس کی حیثیت غنیمت کی سی ہوتی۔ پھر اس کی تقسیم بھی واجب ہو جاتی، جیسے کہ حیوان اور منقولہ چیز کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ اور ان کے نزدیک مکہ کی زمینوں کی بیع و اجارت میں کوئی ہرج نہیں اور دلیل یہ دی ہے کہ یہ مالکوں کی ملکیت ہے۔ ان کی وراثت چل سکتی ہے اور وہ ہبہ کر سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے مالک کی طرف ملکیت منسوب کی ہے۔ نیز حضرت عمرؓ نے خطاب نے صفوان بن امیہ سے ایک مکان خریدا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا، مکہ میں آپ کا کل کہاں قیام ہو گا؟ آپ نے فرمایا، کیا عقیل نے (مکہ) میں کوئی جگہ ہمارے لیے چھوڑی بھی ہے؟ اور عقیل ابوطالب کے وارث بنے تھے۔ اور جب اصل یہ ہے کہ زمین غنائم میں سے ہے اور غنائم کی تقسیم واجب ہے اور

مکہ کی ملکیت ہو سکتی ہے۔ اس کے مکانات اور زمین کی خرید و فروخت ہو سکتی ہے اور تقسیم نہیں ہو سکتیں تو یہ چیز لازم نہیں کہ یہ شہر صلح سے مفتوح ہوا۔ جو آدمی احادیث مجیدہ کا مطالعہ کرے وہ دیکھ لے گا کہ تمام روایات جمہور کے قول کی حمایت کرتی ہیں کہ یہ شہر فتح ہوا۔ اس میں اختلاف ہو گیا کہ تقسیم کیوں نہیں ہوا! ایک جماعت کے خیال میں اس کا سبب یہ ہے کہ یہ شہر قربانی اور عبادت کی جگہ ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کے لیے وقف ہے۔ دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ تقسیم کر دے یا وقف رہنے دے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کو تقسیم فرمایا اور مکہ کو تقسیم نہیں کیا اس سے دونوں امور کا جواز نکلتا ہے ان کا کہنا ہے کہ زمین کو تقسیم کرنے سے یہ غنائم مامورہ میں شامل نہیں ہو جاتی، بلکہ غنائم کا اطلاق تو صرف چوپاؤں اور منقولہ جائیداد پر ہی ہو سکتا ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے سوا کسی دوسری امت پر غنائم کو حلال قرار نہیں دیا، اور ان کے لیے دار الکفر مباح قرار دیا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِذ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ أذكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ (آیت)

آخر تک یعنی اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم آپ نے آپ پر اللہ کے انعامات کو یاد کرو۔

پھر اس آیت کے آخر میں فرعون اور اس کی قوم اور ان کی زنیوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وَادْرَثْنَا هَابِئِنَّا اسْرَائِيلَ یعنی ہم نے بنی اسرائیل کو ان زنیوں کا وارث بنا دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین غنائم کے تحت شمار نہیں ہوتی۔ امام کو اختیار حاصل ہے کہ مصلحتِ دقت کے لحاظ سے جو چاہے کرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقسیم بھی کیا اور ترک بھی کیا۔ حضرت عمرؓ نے تقسیم نہیں کیا بلکہ اسی طرح رہنے دیا اور اس پر دائمی خراج عائد کر دیا تاکہ امور جنگ میں اس سے مدد لی جاسکے۔

مکہ بزورِ شمشیر فتح ہونے کے چند دلائل | ایک یہ کہ کسی سے یہ منقول نہیں کہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ

وسلم نے فتح مکہ کے وقت اہل مکہ سے مصالحت کی، اور نہ اس علاقہ کے رہنے والوں

میں سے کسی ایک کے ساتھ صلح کا کوئی واقعہ منقول ہے بلکہ جب ابو سفیان حاضر ہو تو آپ نے اسے، جو اس کے گھر میں داخل ہو جائے، یا اپنا دروازہ بند کرے یا مسجد میں داخل ہو جائے یا ہتھیار ڈال دے امان دے دی۔ اگر یہ شہر محض صلح سے مفتوح ہوتا تو آپ یہ نہ فرماتے کہ جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے، یا دروازہ بند کر دے یا مسجد میں داخل ہو جائے تو اسے امان ہے۔ کیونکہ تو خود ہی عمومی امن کی ضمانت ہوتی ہے۔

دوسرے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک اللہ تعالیٰ نے ہاتھیوں (فیل) کو مکہ سے رد کر دیا اور اپنے رسول اور ایمان والوں کو اس پر مسلط فرمایا۔ اور مجھے دن کی ایک گھڑی (مقائمہ) کی اجازت مرحمت فرمائی۔ یہ الفاظ صراحت کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ مکہ قوت سے مفتوح ہوا۔ نیز صحیح روایت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے دن حضرت خالد بن ولیدؓ کو دائیں جانب اور حضرت زبیر کو بائیں جانب مقرر فرمایا۔ حضرت ابو عبیدہؓ کو میدانی علاقہ میں مقرر فرمایا اور حکم دیا، اسے ابو ہریرہؓ انصار کو بلاؤ (انصار) دوڑتے ہوئے حاضر ہوئے آپ نے فرمایا، اے انصار کی جماعت! کیا تم قریش کے آوارہ لوگوں کو دیکھ رہے ہو! انھوں نے عرض کیا، ہاں! آپ نے فرمایا، دیکھو، جب صبح تم ان سے مقابلہ کرو (ملو) تو انھیں پس کر رکھ دو۔ اور آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا، اور اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھ دیا (بتایا) اور فرمایا کہ وہ صفا پر تمہارے ساتھ وعدہ (طلاقات) ہے۔ انصار حاضر ہوئے تو صفا پر چکر لگائے فرمایا کہ آج جو بھی انھیں دکھائی دے اسے سلا دو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر چڑھے اور انصار حاضر ہوئے اور ابو سفیان حاضر ہوا اور کہنے لگا۔

اے اللہ کے رسول قریش کے اشراف ہلاک کر دیئے گئے، آج کے بعد کوئی قریش نہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اسے امان ہے اور جو ہتھیار پھینک دے اسے امان ہے اور جو دروازہ بند کر دے اسے امان ہے۔

نیز حضرت اہانی نے ایک آدمی کو امان دی، حضرت علی بن ابی طالب نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے اہانی جسے تو نے امان دی ہم نے اسے امان دے دی، نیز آپ نے مقیس بن صبابہ، ابن نطل وغیرہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ اب اگر مکہ صلح سے فتح ہوتا تو آپ کسی اہل مکہ کے قتل کا حکم نہ دیتے۔ نیز سنن میں صحیح روایت ہے، کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا، لوگوں کو اسن دے دو۔ سوائے دو عورتوں اور چار مردوں کے۔ ان کو اگر تم کعبہ کے پردوں سے چٹے ہوئے بھی دیکھ لو تب بھی قتل کر دو۔

مشرکین کے درمیان اقامت کی نعت | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کے درمیان کسی مسلمان کی رہائش کو

ممنوع قرار دیا ہے، اگر وہ وہاں سے ہجرت کر سکتا ہے۔ اور فرمایا کہ میں ہر اس مسلمان سے بیزار ہوں جو کہ مشرکین کے درمیان رہائش پذیر ہے۔

عرض کیا گیا اسے اللہ کے رسول، کیوں فرمایا کیا تو انہیں دیکھ نہیں رہا یعنی ان کے دوزخی ہونے کو نیز فرمایا جو مشرک کے ساتھ آئے اور اس کے ہمراہ سکون حاصل کرے کہ وہ اس کا سا ہے۔ اور فرمایا جب تک تو بے منقطع نہیں ہوئی، اس وقت تک ہجرت منقطع نہ ہوگی اور جب تک سورج مغرب سے نہیں نکلتا اس وقت تک تو بے منقطع نہ ہوگی۔

یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں اسلام کے بدترین دشمن تھے، ساتھ ہی ساتھ حد درجہ مفسد بھی۔ (رئیس احمد جعفری)

اسلام اپنے اصولوں میں غیر مفاہمت پسند ہے وہ کسی کے ساتھ صلح نہیں کر سکتا اور خاص طور پر مشرکین کے ساتھ تو اس کا بڑا ڈاؤر زیادہ سخت ہے اس لیے کہ اسلام کی بنیاد و اساس توحید پر ہے یعنی خدائے واحد و یکتا کی ربوبیت پر۔ اب اگر کوئی جماعت اس میں رخ نہ ڈالتی ہے، اس اصول کو توڑنے کی کوشش کرتی ہے، اس بنیاد و اساس کو منہدم کرنے کے درپے ہے تو وہ اس کے ساتھ کسی قیمت پر صلح نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس صلح کے معنی ہیں اپنی بنیاد و اساس سے (بقیہ حاشیہ آئندہ صفحہ پر)

اور فرمایا، عنقریب ہجرت کے بعد ہجرت ہوگی۔ اس لیے زمین پر سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو ابراہیم علیہ السلام کے مقام ہجرت سے پورے تہ رہیں۔ اور زمین پر شریر لوگ باقی رہ جائیں گے۔ انھیں وہ پھینک دے گی۔ اور اللہ تعالیٰ بندوں اور خنازیر کے ساتھ ان کا حشر کرے گا۔

(بقایا حاشیہ سابقہ صفحہ سے) دستبرداری کے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں مشرکین کا ذکر آیا ہے اسی غیر مفاہمانہ انداز میں۔

لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ مشرکین انسانی حقوق سے محروم ہیں، ایسا نہیں ہے، اسلام انھیں اسلامی حقوق سے محروم نہیں کرتا۔ عقیدے کے معاملہ میں ان پر جبر بھی نہیں کرتا، ان کے ساتھ بھی رواداری کا برتاؤ کرنا ہے۔ اب اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ فتح مکہ کے بعد مشرکین سے مسلمانوں کے وہ مکانات تک نہیں واپس لے گئے جن پر زبردستی اور دھاندلی سے انھوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ لیکن ان سے پیگ نہیں بڑھائے جاسکتے۔

(رئیس احمد جعفری)

امان صلح جزیہ اہل کتاب منافعین اور کفار کے فائد

کفار کی آمد ان کا قرآن مجید سننا پھر انہیں اپنی اپنی با امن جگہوں میں پہنچانا

پاس عہد اور بیوفائی | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا: مسلمانوں کا ذمہ ایک ہے۔ سب سے چھوٹا بھی اس کے دنیا کی کوشش میں رہتا ہے اور جو کسی مسلمان سے غداری کرے تو اس پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، تیا مت کے روز اللہ تعالیٰ اس کا کوئی عذر قبول نہ کرے گا۔

نیز فرمایا: کوئی مومن کافر کے بدلے قتل نہ ہوگا۔ اور نہ معاہدہ اپنے عہد کے دوران میں قتل کیا جاسکتا ہے۔ بس نے نئی بات (بدعت) ایجاد کی۔ یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ کی، فرشتوں اور تمام لوگوں کی پھٹکار۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو کفار کے تین گروہ بن گئے۔

(۱) ایک گروہ نے آپ سے صلح کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ پر حملہ کریں گے اور آپ کے دشمن سے پیمانہ دوستی استوار کریں گے۔ وہ بدستور کافر رہ سکتے ہیں، ان کی جان بھی محفوظ ہے اور مال بھی۔

۱۔ بشرطیکہ وہ کافر ذمی یعنی مسلمانوں کی پناہ میں نہ ہو، ایسی صورت ہو تو کافر کے بدلے میں مسلمان قتل کر دیا جائے گا۔

۲۔ معاہدے مراد وہ غیر مسلم ہیں، جن سے وقتی یا مستقل طور پر صلح کا معاہدہ کر لیا گیا ہو۔ (رئیس احمد جعفری)

(۲) ایک گروہ نے آپ سے جنگ کی اور مخالفت پر اتر آیا۔

(۳) اور ایک گروہ نے نہ جنگ کی نہ صلح کی، بلکہ آپ کے اور آپ کے اعدائے کے معاملات و نتائج کا انتظار کرنے لگے۔

ان جماعتوں میں سے بعض درپردہ آپ کا غلبہ چاہنے اور آپ سے ٹنڈون کو پسند کرنے اور بعض آپ کے دشمنوں کے غلبہ استیلاء کے منتظر تھے، اور بعض ایسے بھی تھے جو ظاہری طور پر آپ کے ساتھ مل گئے اور درپردہ دشمنوں سے ساز باز رکھتے تھے۔ تاکہ دونوں فریقوں کے بھلے رہ سکیں۔ یہ منافقین کا گروہ تھا۔ آپ نے ان تمام جماعتوں کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا۔ جیسا پروردگار عالم نے آپ کو حکم دیا، چنانچہ آپ نے مدینہ کے یہود کے ساتھ صلح کر لی ان کے اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ لکھا گیا۔ مدینہ کے آس پاس یہودیوں کے تین گروہ آباد تھے۔ بنی قنیقاع، بنی نضیر اور بنی قریظہ۔

بنو قنیقاع کی طرف سے جنگ | غزوہ بدر کے بعد بنو قنیقاع نے آپ سے جنگ کی بغض عناد اور فساد کی آگ بھڑکادی۔ چنانچہ ہجرت

کے بیسویں ماہ شوال کے نصف کے قریب ہفتے کے دن اللہ تعالیٰ کے رسول کے جاننا اردوں کا ایک گروہ ان کی طرف بڑھا یہ قبیلہ منافقین کے سردار عبد اللہ بن ابی بن سلول کا حلیف تھا۔ اور اہل مدینہ کے یہود میں سے سب سے زیادہ شجاع، مسلمانوں کا پرچم حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے ہاتھ میں تھا اور ابو لہاب بن عبد اللہ کو مدینہ میں چھوڑ دیا گیا۔ ذی قعدہ کی پندرہویں رات تک سخت ترین محاصرہ کیا گیا۔ قوم یہود میں سے یہ پہلی قوم تھی جس نے اہل اسلام کے خلاف جنگ کی۔ مسلمانوں نے انہیں قلعوں میں گھیر لیا اور انتہائی شدت کے ساتھ ان کا محاصرہ کیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جان و مال، عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیتے ہوئے ان کی گرفتاری کا حکم جاری فرمایا اور عبد اللہ بن ابی نے سفارش کی اور از حد اصرار کیا۔ آپ نے اس کے کہنے پر انہیں معاف فرما دیا اور حکم دیا کہ یہ قوم مدینہ سے نکل جائے اور اس کے قریب قیام پذیر نہ ہو۔ چنانچہ یہ

شام کی طرف چلے گئے مگر بہت کم وہاں ٹھہر سکے اور اکثر ہلاک ہو گئے۔ یہ لوگ صنعت کار اور
تجار تھے اور ان میں قریباً چھ سو ہنگو نوجوان بھی تھے۔

بنو نضیر کی عہد شکنی | ان کے بعد بنو نضیر نے بھی عہد شکنی کی۔ امام بخاری فرماتے
ہیں کہ یہ واقعہ بدر کے چھ ماہ بعد پیش آیا۔ یہ عروہ کی روایت
ہے۔ یہ واقعہ اس طرح ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہؓ کے ہمراہ ان کے پاس
تشریف لائے اور کلابیوں کے خون بہا کے متعلق ان سے بات چیت فرمائی جنہیں عمرو
بن امیہ ضمری نے قتل کیا تھا۔ یہ کہنے لگے: اے ابوالقاسم ہم ضرور تعاون کریں گے۔ آپ
یہاں بیٹھیں تاکہ آپ کی حاجت پوری کر دیں۔ پھر یہ ایک دوسرے کے ساتھ تنہائی میں سازش
کرنے لگے۔ اور شیطان نے انہیں بدبختی میں دھکیل دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کے
قتل کا مشورہ کیا۔ اور کہنے لگے کہ کون ہے جو پتھر لے کر آپ کے سر پر دے مارے؟
سب سے بڑے شقی عمرو بن جمحش نے جواب دیا میں تیار ہوں، اس پر سلام بن مشکم
بول اٹھا۔ یہ مت کرو خدا کی قسم تمہارے اس ارادہ کی خدا نہیں خبر دے گا۔ نیز اس طرح
ہمارے اور ان کے درمیان عہد کی خلاف ورزی بھی ہوتی ہے۔

اس وقت اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے وحی آئی اور کفار کے ارادوں کی اطلاع
دے دی گئی۔ آپ جلدی سے اٹھے اور مدینہ کی طرف تشریف لے گئے۔ دیگر صحابہؓ بھی
خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے: کہ آپ تشریف لے گئے اور ہمیں خبر
نہ ہو سکی۔ آپ نے یہود کے ارادوں سے انہیں آگاہ کیا۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
یہود کی طرف پیغام بھیجا کہ مدینہ سے نکل جاؤ اور میرے قریب رہائش مت رکھو۔ اس کے
بعد میں نے جس کو بھی یہاں پایا، اس کی گردن اڑا دوں گا۔ وہ چند دن تیاری کرتے
ہوئے وہاں ٹھہرے۔

منافق کی کارستانیاں | عبداللہ بن ابی منافق نے یہود کو پیغام بھیجا کہ تم اپنے
گھروں سے مت نکلو۔ میرے پاس دو ہزار نوجوان
ہے جو تمہارے ساتھ قلعوں میں داخل ہو گا اور تمہاری خاطر مرنے کو تیار ہو گا۔ نیز بنو قریظہ

اور غطفان کے معاہدین بھی تمہاری مدد کریں گے۔ ان کے سردار حمی بن اخطب نے موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پیغام بھیج دیا کہ ہم اپنے ملک سے نہیں جائیں گے۔ تم جو چاہو کرو۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے نعرہ ہائے تکبیر بلند کیے اور ان کی طرف پل پڑے۔ حضرت علی بن ابی طالب جھنڈا اٹھائے ہوئے تھے۔ جب یہاں پہنچے تو قلعوں کا محاصرہ کر لیا اور تیرا درپتھر مارنے لگے۔ بنو قریظہ ان سے الگ ہو گئے۔ عبد اللہ بن ابی اور غطفان کے معاہدین نے ان سے خیانت کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا واقعہ بیان کرتے ہوئے شیطان سے تشبیہ دی فرمایا:

مثلهم کمثل الشیطان اذا قال للانسان ا کفر فلما کفر قال اننی بربی ومنتک
یعنی ان کی مثال شیطان کی طرح ہے جب اس نے انسان سے کہا، کفر کر اور
جب اس نے کفر کیا تو کہنے لگا: میں تجھ سے بیزار ہوں۔

یہ آیت سورہ حشر میں بنی نضیر کے حق میں اتری ہے آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محاصرہ کر لیا، کھجور کے درخت کاٹ دیئے اور انہیں جلادیا۔ اب انہوں نے پھر پیغام بھیجا کہ ہم مدینہ سے نکل جاتے ہیں۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ اپنی اولاد کی جانیں بچا کر جاسکتے ہو اور ہتھیاروں کے علاوہ دیگر سامان اس قدر لے جاسکتے ہو جو اونٹ اٹھالے اور باقی مال و اسلحہ پر حضور نے قبضہ کر لیا۔ یہ واقعہ ہجرت کے چوتھے سال ربیع الاول کے آغاز میں درپیش آیا۔

بنو قریظہ کے عبرتناک انجام کے اسباب | بنو قریظہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت ترین دشمن تھے اور بدترین کفر

کے مرتکب تھے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں وہ سزائیں دی گئیں جو ان کے دوسرے بھائیوں کو نہیں ملیں۔ ان سے غزوے کا سبب یہ تھا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خندق کے لیے تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ آپ کی صلح تھی۔ چنانچہ حمی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں تمہارے پاس زمانہ کی عزت لے کر آیا ہوں۔ میں قریش اور ان کے عمائدین اور غطفان اور ان کے قائدین کا تعاون لے کر آیا ہوں۔ تم

اہل شوکت اور ہتھیاروں کے مالک ہو۔ اس لیے اڑحسد کو ختم کر دیں اور اس سے چھٹکارا حاصل کریں۔ (نعوذ باللہ)

(بنو قریظہ) کے سردار نے جواب دیا۔ نہیں بلکہ تو زمانہ کی زلت سے کر آیا ہے۔ تو میرے پاس ایسا بادل لایا ہے جو پانی برسایا ہے اور اب اس میں صرف گرج اور چمک ہی باقی رہ گئی ہے۔ یہ دیر تک اس پر مگردنریب کے جال ڈالتا رہا، اسے امید دلاتا، مدد کے (سبز باغ) دکھاتا رہا۔ آخر کار اس شرط پر مان گیا کہ تم بھی ہمارے ساتھ ہمارے قلعے میں داخل ہو جاؤ۔ اور جو ان کا حشر ہو گا وہی تمہارا بھی ہو گا اس نے ایسا ہی کیا چنانچہ ان دونوں نے عہد توڑ دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علانیہ واہی تب ہی کہنے لگے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی۔ آپ نے حالات معلوم کرنے کے لیے آدمی بھیجا تو پتہ چلا کہ انہوں نے عہد توڑ دیا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کہا اور فرمایا اے گروہ مسلمین خوش ہو جاؤ۔

اور جب مدینہ واپس تشریف لے آتے تو آپ نے ہتھیار رکھ دیئے (اس وقت) حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں لیکن فرشتوں نے ابھی تک ہتھیار نہیں رکھے۔ اس لیے صحابہ کو لے کر بنو قریظہ کی طرف تشریف لے جائیئے، کیونکہ میں آپ کے آگے آگے چلوں گا اور ان کے قلعوں میں زلزلہ لے آؤں گا۔ نیز ان کے قلوب میں رعب ڈال دوں گا اس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت کے ساتھ چل پڑے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار کی جماعت کے ہمراہ ان کے نشانات پر چل نکلے اور آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ تم آج بنو قریظہ کے علاقہ میں جا کر عصر کی نماز پڑھنا۔ چنانچہ اس تعیین ارشاد کی خاطر صحابہ فوراً اٹھ کر چل پڑے۔ عصر کی نماز کا وقت راستہ میں آیا بعض کہنے لگے کہ آپ کے حکم کے مطابق بنو قریظہ میں نماز عصر ادا کریں گے۔ چنانچہ انہوں نے رات کے وقت دیر سے نماز عصر ادا کی۔ بعض نے کہا کہ آپ کا یہ مطلب نہ تھا بلکہ آپ کا

طلب تیزی سے جانے کا تھا۔ اس لیے انہوں نے راستہ میں ہی نماز ادا کر لی۔ غرض دونوں جماعتوں میں سے کسی کو بھی عتاب نہ کیا گیا۔

اسلام کا پرچم علیؑ کے ہاتھ میں | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالب کو جھنڈا دیا اور مدینہ میں حضرت ابن

ام مکتوم کو حفاظت کے لیے چھوڑ گئے اور خود بنو قریظہ کے قلعوں پر جا اترے اور پچیس رات تک ان کا محاصرہ جاری رہا۔ جب محاصرے نے شدت اختیار کر لی تو دیہودا کے سردار کعب بن اسد نے اپنی قوم کے سامنے تین صورتیں پیش کیں یا تو اسلام قبول کر لو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت میں داخل ہو جاؤ اور یا اپنی اولاد کو قتل کر دو اور تمواریں لے کر ان کے مقابلہ میں نکل چلو اور یا انہیں ختم کر کے رکھ دو یا خود ان کے ہاتھوں قتل ہو جاؤ اور یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ پر ایک دم حملہ کر دو۔ اور یہ دفعتاً حملہ ہفتے کے دن کرو، کیونکہ اسی دن (صحابہؓ) ان کے مقابلہ سے پر امن ہوں گے۔ انہوں نے ہر صورت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے آپ کی طرف ابو لبابہ بن عبد المنذر کو بھیجنے کی درخواست کی کہ ہم اس سے مشورہ کریں گے۔ جب انہوں نے ابو لبابہ کو دیکھا تو اس کے سامنے رونے لگے اور کہنے لگے: اے ابو لبابہ محمد کے تو ہمیں کیا مشورہ دیتا ہے؟

انہوں نے کہا ہاں! اور گردن کی طرف اشارہ کیا جیسے کہ (کہہ رہا ہو۔) کہ تمہارے حق میں ذبح کا حکم ہو گا۔ پھر فوراً محسوس ہوا کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے خیانت کی۔ چنانچہ وہ چل پڑے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر نہ ہوئے بلکہ مسجد نبوی میں گئے اور اپنے آپ کو مسجد کے ایک ستون کے ساتھ باندھ دیا اور حلف دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا: اسے اس وقت تک رہنے دو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ اس کے بعد یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے پر اترے۔ چنانچہ

اوس واے کھڑے ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول بنی قنیقاع کے معاملہ میں جو آپ نے کہا وہ تو آپ جانتے ہی ہیں اور وہ لوگ ہمارے بھائیوں خنزرج کے سیلف ہیں اور یہ ربنو قرینہ ہمارے غلام ہیں اس لیے ان پر احسان فرمائیے گا، آپ نے فرمایا کیا تم اس بات پر راضی ہو کہ خود انہی کا ایک آدمی ان کے متعلق فیصلہ کر دے!

انہوں نے فوراً تسلیم کر لیا۔ آپ نے فرمایا: یہ سعد بن معاذ فیصلہ کریں گے، کہنے لگے ہم راضی ہیں، آپ نے سعد بن معاذ سے کہلا بھیجا یہ مدینہ میں تھے اور زخمی ہونے کے باعث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ آسکے تھے۔ انہیں ایک گدھے پر سوار کرایا گیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔

اگر وہ ان سے کہنے لگا اے سعد! ہم پر احسان کرنا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں ان کے بارے میں حکم فیصلہ کنندہ قرار دیا ہے۔ اپنے غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، یہ خاموش رہے اور انہوں نے کسی بات کا جواب نہ دیا۔ جب انہوں نے کثرت سے دریافت کیا تو کہنے لگے اب سعد کے لیے وقت آ گیا ہے کہ اسے اللہ کے بارہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے (عارانہ آئے۔ جب انہوں نے یہ بات سنی تو بعض مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے تو آپ نے صحابہ کو حکم دیا، اپنے سردار کے لیے اٹھو۔

جب صحابہ نے انہیں اتارا تو کہا اے سعد! اس قوم نے تیرے فیصلے پر رضامندی ظاہر کی ہے۔ انہوں نے پوچھا تو کیا فیصلہ ان پر نافذ بھی ہوگا! انہوں نے جواب دیا ہاں! وہ کہنے لگے اور مسلمانوں پر بھی! انہوں نے جواب دیا ہاں! پھر انہوں نے کہا اور ان پر جو یہاں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکریم و اعزاز کی وجہ سے آپ کی جانب اشارہ کیا آپ نے فرمایا ہاں! مجھ پر بھی۔

یہ کہنے لگے تو میں فیصلہ کرتا ہوں کہ ربنو قرینہ کے تمام مرد قتل کر دیئے جائیں، ان کی اولاد کو غلام بنا لیا جائے اور مال کو تقسیم کر دیا جائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے یقیناً ساتوں آسمانوں سے اوپر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کیا ہے۔ اس حکم کے نفاذ سے قبل کچھ لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ عمر بن سعد بھاگ گیا اور کہیں روپوش ہو گیا۔ عہد توڑ دینے کے باعث یہ اپنی قوم میں نہ رہا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر آدمی کو قتل کرنے کا حکم دیا جو باغ تھا اور جو نا باغ تھا اسے بچہ قرار دے کر غلام بنا لیا گیا (چنانچہ مدینہ کے بازار میں ایک خندق کھودی گئی اور ان کی گردنیں پار کر اس خندق میں ڈال دیا گیا اس وقت ان کی تعداد چھ صد سے لے کر سات سو تک تھی۔ اور ایک عورت کے سوا کوئی عورت قتل نہیں ہوئی۔ اسے بھی سعد بن صامت کے قتل کرنے کے باعث قصاص میں قتل کیا گیا۔ انہیں خندقوں کی طرف گروہ درگروہ لے جایا گیا۔

اور جب یحییٰ بن اخطب کو آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔ نگاہ پڑنے پر وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میں نے آپ کی عداوت کے باعث اپنے آپ کو کبھی ملامت نہیں کیا۔ لیکن اللہ جسے غالب کر دے وہی غالب ہوتا ہے۔ پھر کہنے لگا اے لوگو! کوئی حرج نہیں اللہ کی تقدیر بنی اسرائیل پر عائد کر دی گئی۔ پھر اسے قید کر دیا گیا اور اس کی گردن مار دی گئی۔

ثابت بن قیس نے زبیر بن باطا اس کے اہل اور مال کی سفارش کی۔ آپ نے اس کو انہیں ہبہ کر دیا۔ ثابت بن قیس نے اس سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تیری جان و مال و اہل مجھے ہبہ فرمایا ہے۔ چنانچہ یہ سب تیرے ہی ہیں وہ بد بخت بولا۔ اے ثابت بن قیس میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ کیا تو مجھے دستوں سے نلادے گا؟ چنانچہ اس کی گردن بھی مار دی گئی۔ اور اسے بھی اس کے یہودی دستوں کے ساتھ ملا دیا گیا۔ یہ تمام کاروائی یہودی مدینہ کے متعلق ہوئی آپ کو ہر بڑے غزوے کے بعد یہود سے جہاد کرنا پڑا۔ غزوہ بدر کے بعد بنو قنیقاع سے غزوہ احد کے بعد بنو نضیر سے اور غزوہ خندق کے بعد بنو قریظہ کے مقابلہ میں جہاد کرنا پڑا اور خیبر کے یہودیوں کے متعلق انشاء اللہ تعالیٰ ہم عنقریب تذکرہ کریں گے۔

اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم سے مصالحت کی تو بعض قبائل نے صلح توڑ دی اور بعض نے عہد پورے کیے اور سب نے آپ سے جنگ کو پسند کیا۔ آخر آپ نے بنو قریظہ بنو نضیر اور بنو قینقاع کی طرح سب کو عہد شکن قرار دیا۔ اسی طرح آپ نے اہل مکہ سے برتاؤ کیا پس اس طرح معاہدین کے ساتھ یہ طریق کار مسنون ہے اور ذمی لوگوں سے بھی ایسا ہی سلوک کرنا مناسب ہے جسے اصحاب احمد و فقہائے کرام نے صراحت کی ہے اور اصحاب شافعی نے ان کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے۔ عہد توڑنے والوں سے مخصوص ہے اور جنہوں نے عہد قائم رکھا اور اس سے راضی رہے وہ اس سے مستثنیٰ ہوں گے اور اصحاب شافعی نے ان میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ ذمی سے عہد پورا کرنا از حد ہو گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لاتے تو اپنے اور یہود کے درمیان مصالحت اور عہد کو موقت نہیں کیا بلکہ جب تک وہ اس پر قائم رہے اور جنگ پر آمادہ نہ ہوئے۔ آپ نے اس عہد کو مطلقاً پورا فرمایا اور یہ ان کا ذمی ہونے کا حق تھا اور اس وقت جزیرے کا حکم نازل نہ ہوا تھا، بلکہ یہ بعد میں فرض کیا گیا اور جب یہ حکم بھی نازل ہو گیا تو آپ نے جزیرہ بھی عائد فرمایا اور سابقہ عہد میں ایک شق بڑھ گئی، لیکن عہد تبدیل نہ فرمایا۔ اب اس کا تقاضا یہ تھا کہ اس کی پابندی کی جائے اور جب ان میں سے بعض نے عہد توڑ دیا اور دوسروں نے باقی رکھا اور مسلمانوں کو دونوں فریقوں کا واضح علم نہ ہو سکا تو پھر معاہدین اور مصالحت کرنے والوں کی عہد شکنی کی طرح ان سے برتاؤ کیا گیا۔

اور جب شام میں عیسائیوں نے مسلمانوں کے مکانات اور اموال جلا دیئے اور جامع اعظم (سب سے بڑی مسجد) کو جلائے کا بھی انہوں نے ارادہ کر لیا بلکہ اس کا منارہ جلا دیا اور اگر حفاظت نہ کی جاتی۔ تو قریب تھا کہ ساری مسجد کو جلا دیتے اور نصاریٰ کو ان حرکات کا علم تھا۔ بلکہ وہ اس کام سے متفق اور خوش تھے تو فقہائے کرام سے حاکم شہر نے فتویٰ دریافت کیا تو انہوں نے اس کو ان کے اس فعل کی بناء پر عہد شکنی قرار دیا اور دوسرے چونکہ اس فعل شفیع پر خوش اور راضی تھے اس لیے انہیں (مجرم) قرار دیا اور اس

کی سزا قتل ہے اور قیدی کی طرح اس میں امام کو اختیار نہیں کیونکہ وہ تو بہر حال حسد کے باعث قتل کیا جاتا ہے اور اسلام حدود ساقط نہیں کرتا اور جو آدمی حدود اللہ کے ایثار کا وعدہ کر کے ذمی بن جائے اس کا قتل ساقط نہیں ہو سکتا۔ بخلاف عربی جنگ کرنے والے کے کہ وہ جب اسلام قبول کرے گا تو اسلام اس کے جان و مال کی حفاظت کرے گا اور اسلام سے قبل جو اس نے افعال کیے ہیں ان پر اسے قتل نہ کیا جائیگا اس کا الگ حکم ہے اور عہد شکن ذمی کا الگ حکم ہے۔ نصوص و اصول امام احمد کا یہی مفہوم ہے جو ہم نے ذکر کر دیا ہے اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی کئی مواقع پر اس کے مطابق فتویٰ دیا ہے۔

غیر مسلموں سے معاہدے اور مصالحت نیز آپ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ جب آپ کسی قوم سے مصالحت و معاہدہ کرتے

تو جو بھی اس قوم کا حلیف بن جاتا اسے بھی معاہدہ میں شریک کر لیتے اور دوسری قوم اگر آپ سے معاہدہ کرتی تو آپ اسے بھی اس عہد میں شریک کر کے معاہدہ قرار دے دیتے اور جوان میں سے جنگ کرتا۔ پھر دوسری معاہدہ قوم کو محاب قرار دیتے۔ اس وجہ سے آپ نے اہل مکہ پر حملہ کیا۔ کیونکہ جب آپ نے (اہل مکہ) کے ساتھ دس سال کے لیے جنگ بندی کا معاہدہ کیا تو بنو بکر بن دلائل اٹھے اور انہوں نے قریش سے معاہدہ کر لیا اور اس عہد میں داخل ہو گئے اور بنو خزاعہ نے رسول اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا اور اس عہد میں وہ بھی داخل ہو گئے اس کے بعد بنو بکر نے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور ان میں سے کچھ آدمی قتل کر دیئے۔ قریش نے پوشیدہ طور پر ہتھیاروں سے ان کی مدد کی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو عہد شکن قرار دے دیا۔ اس واقعہ کی تفصیلات ائمہ انشاء اللہ بیان ہوں گی۔ اسی وجہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بھی مشرقی نصری سے جنگ کرنے کا فتویٰ دے دیا ہے۔ جب انہوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں (نصری) کی مالی اور ہتھیاروں سے مدد کی۔ اگر وہ خود نہیں لڑے اور نہ وہ میدان میں آئے۔ لیکن پھر بھی وہ عہد شکن نہیں، جس طرح قریش نے بنو بکر و اہل کو جنگ میں

مدد دے کر عہد شکنی کی اور جب ذی لوگ باہر کے مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف مدد دیں تو کس طرح انہیں عہد شکن قرار نہ دیا جائے یعنی وہ یقیناً اسلامی ریاست کے باغی ہیں اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

دشمن کے قاصد خدمت نبوی میں | نیز آپ کی خدمت میں دشمنوں کی جانب سے قاصد حاضر ہوئے آپ انہیں تکلیف

دیتے اور نہ قتل کرتے۔ اور جب آپ کے پاس مسیلمہ کذاب کے دو قاصد عبد اللہ بن نواحہ اور ابن اثال حاضر ہوئے، تو آپ نے دریافت فرمایا،

تمہارا کیا عقیدہ ہے!

وہ کہنے لگے جیسا مسیلمہ نے کہا ہے ویسا ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر قاصدوں کو قتل کرنا جائز ہوتا تو میں تم دونوں کی گردن مار دیتا۔ چنانچہ آپ کی سنت طیبہ جاری ہو گئی کہ قاصد کو قتل نہ کیا جائے۔

نیز آپ کی عادت طیبہ یہ تھی کہ جب قاصد آپ کا دین قبول کر لیتا تو آپ اپنے پاس نہ روکتے اور نہ اپنی قوم کے پاس جانے سے منع کرتے، بلکہ اسے دوبارہ وہاں ہی لوٹا دیتے جیسا ابو رافع نے بتایا کہ قریش نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجا۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میرے دل میں اسلام کی محبت آگئی۔ میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میں لوٹ کر ان کے پاس نہ جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا: میں عہد شکنی نہیں کروں گا اور نہ چادر کو روکوں گا۔ ان کی طرف واپس جاؤ وہاں جا کر بھی تمہارے قلب میں وہی (ایمان) باقی رہا جو اب ہے تو لوٹ آنا۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ یہ اس زمانہ میں واقع ہوا جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش سے صلح حدیبیہ کر رکھی تھی، جس میں شرط یہ تھی کہ جو مکہ سے مدینہ آئے گا اسے لوٹانا ہوگا۔ اگرچہ وہ مسلمان ہو چکا ہو۔ لیکن آج کل یہ صورت نہ ہوگی۔ بلکہ یہ تو مشروط صورت میں تھا، جیسا ابو داؤد نے فرمایا ہے اور جو قاصد ہیں ان کا حکم دوسرا ہے۔ آپ دیکھ ہی تو رہے ہیں کہ آپ نے مسیلمہ کذاب کے قاصدوں سے کچھ بھی تعرض

نہیں فرمایا۔ حالانکہ انہوں نے آپ کے سامنے کہا: کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔“

نیز آپ کی سنت طیبہ یہ تھی کہ اگر آپ کے دشمن آپ کے کسی صحابیؓ سے معاہدہ صلح کر لیتے تو آپ اس معاہدہ کو (محدود حد تک) جاری رکھتے۔ جیسے کہ حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد نے (کفار) سے معاہدہ کر لیا کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ان کے خلاف جنگ نہ کریں گے۔ تو آپ نے اسے جاری رہنے دیا۔ اور فرمایا کہ تم دونوں واپس جاؤ جو عہد کیا ہے اسے پورا کرو اور ہم کافروں کے مقابلہ میں صرف اللہ تعالیٰ سے مدد چاہتے ہیں۔

قریش نے آپ سے دس سال کے لیے معاہدہ (جنگ بندی) کر لیا اور یہ بھی شرط رکھ دی کہ جو بھی مسلمان ہو کر (مدینے) آجائے اسے واپس کرنا ہوگا اور جو مدینے سے (مکہ) چلا آئے اسے وہ واپس نہ کریں گے۔ مردوں اور عورتوں کے متعلق یہ الفاظ عام تھے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے متعلق یہ شق منسوخ فرمادی اور صرف مردوں کے حق میں رہنے دی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کو حکم دیا کہ اگر ان کے پاس کوئی عورت آجائے تو اس کا امتحان لو۔ اگر اسے مومنہ سمجھو تو اسے کفار کی طرف واپس نہ کرو۔

اور کفار کے نکاح حسب سابق برقرار رہیں گے، انہیں باطل نہ کیا جائے اور ہاجر مسلمان عورت کو کفار کی طرف واپس کرنا جائز ہوگا۔ اگرچہ (کسی معاہدے) میں یہ شرط بھی لگا دی جائے نیز مسلمان عورت کا کافر مرد سے نکاح جائز نہ ہوگا۔

خیبر کے یہود سے معاملہ

کافروں، منافقوں اور دوستوں سے آپ کا برتاؤ

اہل خیبر پر غلبہ اور فتح حاصل کرنے کے بعد آپ نے ان سے معاہدہ کیا کہ وہ جسلا وطن ہو جائیں گے۔ البتہ اپنے اونٹوں پر لا کر جتنا سامان لے جا سکتے ہوں لے جائیں باقی زر نقد اور سلاح جنگ آپ کی ملکیت ہوں گے۔

معاہدہ صلح کی ایک شرط یہ تھی کہ کوئی چیز نہ چھپائیں نہ غائب کریں، اگر ایسا کیا تو پھر نہ وہ مسلمانوں کے ذمہ میں رہیں گے نہ معاہدہ صلح قائم رہے گا، لیکن انہوں نے ایک مشک غائب کر دی جس میں حمی بن اخطب کا مال تھا، بسے وہ بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت اپنے ساتھ خیبر لے آیا تھا۔

پہنچنا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حمی بن اخطب کے چچا سعید سے فرمایا:

حمی جو مشک بنو نضیر سے لایا تھا، اس کا کیا ہوا!

وہ کہنے لگا: وہ رات کو اخراجات اور جنگوں میں ختم ہو گئی۔ آپ نے فرمایا معاہدے کو ابھی دن ہی کتنے ہوئے ہیں اتنا زیادہ کیسے خرچ ہو گیا، حالانکہ حمی بنو قریظہ کیساتھ ہی قتل ہو گیا تھا۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے زبیر کے حوالے کیا تاکہ اسے محبوس رکھیں، انہوں نے اس پر سختی کی تو انہوں نے ایک خرابے کی نشان دہی کی۔ پہنچنا پھر صحابہؓ وہاں گئے، تلاش کیا۔ تو انہیں مشک مل گئی، ان کی عہد شکنی کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی حقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کیا ان میں ایک حمی بن اخطب کی رڑکی صفیہ کا شوہر تھا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو غلام بنا لیا اور ان کے

اموال کو تقسیم کر دیئے اور خیبر سے انہیں نکالنے کا فیصلہ فرمایا، اس موقع پر یہود نے کہا۔ آپ ہمیں یہیں رہنے دیجیے۔ ہم اس علاقہ سے خوب واقف ہیں، زمین کی کاشت کریں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو یہ ذمہ دار اٹھا سکتے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ علاقہ اس شرط پر ان کے سپرد کر دیا کہ اس زمین میں جو پیداوار ہوگی اس کا نصف مسلمانوں کو اور نصف انہیں ملے گا اور جب تک آپ چاہیں گے، یہ لوگ یہاں آباد رہیں گے۔ بنو قریظہ کی طرح ان کا قتل عام نہ تھا۔ کیونکہ گو عہد شکنی میں سب شریک تھے، لیکن یہ لوگ ایسے نہ تھے جن کو مشک کا علم تھا جنہوں نے اسے پوشیدہ کر دیا تھا، اور جنہوں نے یہ شرط لگائی تھی کہ اگر پتہ چل جائے تو معاہدہ فتح کی رو سے وہی لوگ قتل کیے جائیں چنانچہ تمام اہل خیبر کو یہ سزا نہیں دی گئی۔ کیونکہ یہ قطعی طور پر معلوم ہو چکا تھا کہ حمی کی مشک کا علم سب کو نہ تھا اور یہ ایک خرابے میں تھی۔

یہ اس ذمی یا معاہدہ کی مثال ہے جو عہد شکنی کرے اور دوسرے افراد عہد شکنی اپر مائل نہ ہوں۔ کیونکہ عہد شکنی کا حکم اس سے مختص سمجھا جائے گا۔ اس کے بعد زمین کو نصف کاشت پر دینا مساقات و مزارعت کے جواز کی دلیل ہے اور اگر کھجور کا درخت ہو پھر بھی اس صورت پر کچھ اثر مرتب نہ ہوگا۔ نیز اس واقعہ سے یہ وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ مالک زمین کی جانب سے بیع دینا بھی شرط قرار نہیں دیا جاسکتا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ایک حصہ پر مصالحت کی اور انہیں بیع نہیں دیا اور نہ (بعد میں) آپ نے انہیں کبھی بیع بھجیے۔ چنانچہ بعض اہل علم کا قول ہے کہ (مزارعت) میں اگر یہ کہا جائے کہ (بیع) عامل کی طرف سے ہوں گے۔ تو یہ مالک زمین کی جانب سے ہونے کی بجائے زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ یہی طریقہ اہل خیبر کے متعلق سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا اور صحیح مسک یہ ہے کہ بیع عامل اور مالک زمین دونوں کی جانب سے ٹھیک ہے، کسی کو مختص قرار دینا ضروری نہیں اور جن لوگوں نے بیع مالک زمین کی جانب سے لازم قرار دیا، ان کے پاس مزارعت کو

مضاربت پر قیاس کرنے کے سوا کوئی دلیل نہیں، کیونکہ ان کا کہنا ہے کہ مضاربت میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اصلی زر مالک کی جانب سے ہوگا اور مضاربت کی جانب سے ہوگی۔ اس لیے مزارعت میں یہی صورت ہوگی، اس طرح مساقات میں بھی یہی صورت روارکھی جائے گی کہ درخت ایک کی جانب سے ہوں گے اور محنت دوسرے کی جانب سے ہوگی۔ حالانکہ یہ قیاس حق میں ہونے کی بجائے خلاف زیادہ ہے، کیونکہ بیع مضاربت میں اصلی زر مالک کے پاس لوٹ جاتا ہے اور منافع تقسیم ہوتا ہے اور اگر مضاربت میں یہ بھی یہی بات مشروط قرار دے دی جائے تو بیع فاسد ہو جائے گی، کیونکہ انہوں نے بیع کو اصل زر کے قائم مقام نہیں بنایا بلکہ اسے تمام سبزیوں کا قائم مقام قرار دیا ہے۔ اس لیے مزارعت کو مضاربت پر قیاس کرنا غلط ہے۔

آخر کار جب آپ نے یہود کو خیبر میں قیام کی اجازت مرحمت فرمادی۔ آپ ہر سال ایک اندازہ کرنے والا دہاں بھیجتے جو پیداوار کا اندازہ کرتا اور معاہدہ کے بعد مسلمانوں کا حصہ الگ کر دیتا، باقی پر تصرف میں وہ آزاد ہوتے، اور ایک ہی اندازہ کرنے والا کافی ہوتا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کھجور کے پھلوں کی طرح دوسرے پھلوں کا بھی اندازہ کیا جاسکتا ہے جب حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ آیا تو ان کے بڑے بڑے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما خیبر کا مال لینے کے لیے تشریف لے گئے۔ یہود نے انہیں ایذا دی اور مکان سے نیچے گرا دیا۔ اور مال لینے سے روکا۔ حضرت عمر نے انہیں شام کی طرف خارج کر دیا اور صلح حدیبیہ میں شریک صحابہ پر خیبر کا علاقہ تقسیم کر دیا۔

عقدِ ذمہ اور جزیہ وصول کرنے کے متعلق آپ کی سنتِ طیبہ | ہجرت کے آٹھویں سال

سورۃ برآۃ نازل ہونے سے قبل تک آپ نے کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا، جب جزیہ کی آیات نازل ہوئیں تو آپ نے جو سیلوں، اہل کتاب اور نصاریٰ سے جزیہ وصول فرمایا: اور حضرت معاذ کو یمن کی طرف ارسال فرمایا۔ انہوں نے ایسے یہودیوں پر جزیہ عائد کیا، جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا اور انہیں اپنی حفاظت میں لینے کا معاہدہ کر لیا، البتہ خیبر کے یہود سے کچھ نہیں لیا۔ چنانچہ بعض لوگوں کو مغالطہ ہوا کہ اہل خیبر کیلئے

یہ مخصوص حکم کہ ان سے جزیہ نہ لیا جائے۔ باقی تمام اہل کتاب سے لیا جائے، اصل میں یہ سیر و مغازی میں عدم فقاہت کی علامت ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے مقابلہ فرمایا اور پھر ان سے اس طرح مصالحت کی کہ جب تک آپ چاہیں وہ یہاں آباد رہ سکتے ہیں اور ابھی جزیہ کا حکم نازل بھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ نزول حکم جزیہ سے قبل ہی ان سے وقوف خیبر اور صلح کا معاہدہ طے پاچکا تھا۔ چونکہ ان میں معاہدہ پہلا آرہا تھا اور یہ لوگ ایک مقررہ حصہ پر (خیبر) کی زمین پر کام کر رہے تھے اس لیے ان سے اس کے سوا اور کچھ مطالبہ نہ ہوا اور دوسرے اہل کتاب پر جزیہ ادا کیا گیا۔ جن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی معاہدہ نہ تھا۔ جیسے بھران کے عیسائی، یمن وغیرہ کے یہود اور جب حضرت عمر نے انہیں شام کی طرف ملک بدر کر دیا تو خیبر کی زمین کی (کاشت وغیرہ) کے متعلق سابق معاہدہ بھی بدل گیا اور یہود خیبر کی حیثیت بھی دوسرے اہل کتاب کی سی ہو گئی۔

جب جزیہ کا حکم نازل ہوا تو آپ نے مجوسیوں، یہودیوں اور عیسائیوں یعنی تین گروہوں سے جزیہ وصول کیا اور بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا۔ اس لیے بعض کے خیال میں مذکورہ لوگوں کے علاوہ باقی کفار سے جزیہ وصول نہیں کیا جاسکتا۔ بعض کا خیال ہے کہ اہل کتاب اور دیگر کفار سے بھی جزیہ وصول کیا جائے گا اور عرب کے بت پرستوں کے سوا عجم کے بت پرستوں سے بھی جزیہ وصول کیا جاسکتا ہے، پہلا قول امام شافعی اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا ہے اور دوسرا قول ابو حنیفہ کا ہے اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد بھی اسی کے موید ہیں۔ دوسرے قول کے حامی کہتے ہیں کہ آپ نے عرب کے بت پرستوں سے جزیہ وصول نہیں کیا۔ کیونکہ یہ حکم نازل ہونے سے قبل عرب کے تمام بت پرست اسلام لاپٹے تھے اور وہاں کوئی بھی بت نہ رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ کے بعد آپ نے تبوک میں عیسائیوں کے ساتھ جہاد کیا۔ اگر سرزمین عرب میں مشرکین ہوتے تو اتنی دور جانے کے بجائے مشرکین عرب سے جہاد کرنا زیادہ اولیٰ تھا، جو شخص تاریخ غزوات اسلام کا رمز آشنا ہے وہ بہ آسانی سمجھ لے گا کہ معاملہ یوں ہی تھا۔ پس ان سے جزیہ اس لیے نہیں لیا گیا کہ جن سے (جزیہ) لینا تھا، ان کا وجود ہی مفقود ہو چکا تھا۔

البتہ آپ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ ان کے پاس کوئی (آسمانی) کتاب بھی ہے۔ یہ مرفوع روایت ہے، ایسی روایت صحیح نہیں کہی جاسکتی، نہ اس کی سند صحیح ہے، آتش پرستوں اور بت پرستوں میں کوئی فرق نہیں، بلکہ بت پرست آتش پرستوں کی نسبت قدرے بہتر ہیں وہ اس سلسلہ دین ابراہیم سے تمسک ظاہر کرتے تھے اور آتش پرست ابراہیم خلیل اللہ کے علاوہ دشمن تھے۔ جب ان سے جزیہ لیا گیا تو بت پرستوں سے جزیہ لینا زیادہ اولیٰ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ جیسا صحیح مسلم میں منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: جب مشرکین میں سے کسی دشمن سے دو چار ہو تو اسے تین میں سے کسی کی دعوت دو۔ اگر وہ ان میں سے کسی کا انتخاب کرے تو اسے قبول کر لو اور جنگ نہ کرو پھر آپ نے (ان تینوں باتوں) کی وضاحت فرمائی کہ :-

(۱) اسلام کی دعوت دو،

(۲) یا جزیہ ادا کرنے کا حکم دو،

(۳) یا پھر جنگ کرو،

علاوہ ازیں حضرت منیرہ نے کسریٰ کے عامل سے بھی فرمایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم تم سے جنگ کریں۔ یہاں تک کہ تم اللہ کی عبادت کرو یا جزیہ ادا کرو۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قریش سے فرمایا تھا کہ کیا تم عرب ایک کلمہ کا اقرار کر لو گے؟ کہ جس کی وجہ سے مجھ والے تمہیں جزیہ دیا کریں گے؟ وہ کہنے لگے وہ دکلمہ کیا ہے۔

آپ نے فرمایا: لا الہ الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

جب آپ تبوک سے واپس ہوئے تو اہل دومیہ سے مقابلہ ہوا اور جزیہ پر ان سب سے مصالحت کر لی گئی۔ نیز اہل بخران کے نصاریٰ سے دو ہزار پارچہ جات پر مصالحت فرمائی کہ نصف صفر میں اور باقی رجب میں مسلمانوں کو ادا کریں گے اور مسلمانوں

کو عاریتہً تمیں زرہیں، تمیں گھوڑے، تمیں اونٹ اور ہر قسم کے تمیں ہتھیار دیں گے، جن سے مسلمان جہاد کریں گے۔ اور مسلمان ان چیزوں کے ضامن بھی ہوں گے، یہاں تک کہ انہیں لوٹا دیں، نیز یہ کہ ان کی عبادت گاہیں نہیں گرائی جائیں گی نہ ان کے پادریوں کو باہر نکالا جائے گا، نہ انہیں دین چھوڑنے پر مجبور کیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ کوئی شرارت نہ کریں یا سود کھائیں۔ اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرارت یا سود خوری سے ذمی کا عہد ٹوٹ جاتا ہے اگر یہ عہد مشروط ہو، اور جب حضرت معاذ کو آپ نے یمن کی طرف بھیجا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا اس کی قیمت کے معافی لے لو (معاذی) یمن کے کپڑوں کی ایک قسم ہے۔ یہ اس پر شاہد ہے کہ جزیہ کی جنس اور مقدار مقرر نہیں۔ کپڑے، سونا، زیورات ہر چیز جائز ہے اور مسلمانوں کی ضروریات کے مطابق اس کی مقدار میں کمی بیشی بھی جائز ہے اور امارت و افلاس کا لحاظ بھی تفاوت ہو سکتا ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے عرب و عجم کے جزیہ میں تفریق نہیں فرمائی بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے نصاریٰ سے بھی جزیہ لیا۔ اور ہجر کے ان مجوسیوں سے بھی وصول فرمایا جو عرب تھے۔ کیونکہ عرب ایک ایسی قوم ہے کہ جس کے پاس (ابھی) کتاب نہ تھی اور ہر گروہ اپنی پڑوسی قوموں کے دین پر چل رہا تھا۔ چنانچہ بحرین کے عرب مجوسی تھے کیونکہ ان کے پڑوس میں فارس کا علاقہ تھا اور شوخ بہرا اور بنو ثعلب روم کے پڑوسی ہونے کے باعث عیسائی تھے اور یمن کے قبائل یہودیوں کی مجاورت کے باعث یہودی تھے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر جزیہ کے احکام نافذ فرمادیے اور ان کے آباد و اجداد کا اعتبار نہیں کیا نہ اس بات کا خیال فرمایا کہ یہ لوگ دین اہل کتاب میں کب داخل ہوئے؟ آیا نسخ اور تبدیلی سے قبل داخل ہوئے یا بعد میں اور حضرت معاذ کا قول کہ ہر بالغ سے ایک دینار لینا، اس بات کی دلیل ہے کہ بچے اور عورت سے جزیہ لیا جائے گا۔

کفار اور منافقین کے ساتھ آپ کی سنت بعثت و فوات تک | ابتدا میں اللہ

تعالیٰ نے وحی فرمائی:

اپنے رب کے نام سے پڑھو، جس نے پیدا کیا: یہاں نبوت کا آغاز تھا۔ اس لیے دل میں پڑھنے کا حکم دیا، دوسروں کو تبلیغ کرنے کا حکم فرمایا، پھر آیت نازل فرمائی:-

يَا أَيُّهَا الْمَدْيَنِيُّ قَدْ أَنزَلْنَا لَكَ الْوَيْلَ وَالْهُزْنَ

شروع میں اقدار پڑھ کر فرمان سے متنبہ کیا اور پھر یا ایہا المدثر کا حکم نازل کر کے فرمایا اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ اس کے بعد اپنی قوم کو ڈراؤ۔ پھر ان کے چاروں طرف کے عربوں کو ڈراؤ، پھر عرب قاطبہ کو ڈراؤ، پھر تمام جہان والوں کو ڈراؤ۔ چنانچہ آپ بعثت کے بعد دس سے کچھ زیادہ برس بغیر جنگ یا جزیہ کے تبلیغ فرماتے رہے اور آپ کو خاموشی، صبر اور درگزر کرنے کا حکم دیا جاتا رہا۔ جو آپ سے لڑے اس سے آپ مقاتلہ کریں اور جو الگ ہو جائے اس سے رک جائیں، اس کے بعد مشرکین کے قتال کا حکم فرمایا تاکہ دین صرف اللہ ہی کا رہ جائے۔ اب جہاد کی اجازت کے بعد کفار کی تین قسمیں ہو گئیں۔

(۱) مصالحین و معاہدین۔

(۲) دوسرے اہل حرب۔

(۳) تیسرے اہل ذمہ۔

اس لیے آپ کا حکم ہلاکہ مصالحین و معاہدین سے عہد پورا کیا جائے اور جو عہد توڑ دے اس سے مقاتلہ کیا جائے اور جب سورۃ براءت نازل ہوئی تو ان تینوں اقسام کے متعلق احکامات واضح کر دیئے گئے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اہل کتاب میں سے دشمنوں کے ساتھ مقاتلہ کیا جائے۔ یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں یا اسلام قبول کر لیں۔ کفار، منافقین کے خلاف مقاتلہ اور سختی کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے کفار کے ساتھ تلوار اور نیزے سے مقاتلہ کیا اور منافقین کے ساتھ دلیل اور زبان سے جہاد کیا اور کفار کے معاہدوں سے اسلان بیزاری کا حکم دیا اور معاہدین کو تین حصوں میں منقسم کر دیا۔ ایک قسم کے ساتھ قتال کا حکم دیا۔ یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے عہد شکنی کی، اپنے وعدے پر قائم نہ رہے، ان سے آپ نے جنگ کی اور ان پر غالب آکر رہے۔ معاہدین کی دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے عہد شکنی نہ کی۔ اور ان کے معاہدے

وقت تھے اور نہ انہوں نے عہد شکنی کی اور نہ آپ نے انکے خلاف جہاد کیا۔ انکے متعلق معاہدہ کی میعاد پوری کرنے کا حکم دیا گیا۔ تیسری قسم وہ بھی ہیں کے ساتھ کوئی معاہدہ نہ تھا اور نہ انہوں نے آپ سے جنگ کی۔ یا ان کے معاہدے مطلق تھے۔ آپ نے انہیں چار ماہ کی مہلت دی۔ بسبب یہ مدت پوری ہو گئی تو آپ نے ان سے مقاتلہ کیا۔ منافقین کے متعلق آپ کا طریق کار یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ظاہر اعمال کو قبول کرنے اور باطن کے حالات اللہ کے سپرد کر نیکا حکم دیا۔ (اور اس بات کا حکم دیا کہ ان سے علم اور دلیل سے مجادلہ کیا جائے اور ان سے اعراض کرنے اور سختی کرنے کا حکم فرمایا اور اچھے انداز سے انہیں سمجھانے کا حکم دیا اور ان کا جنازہ پڑھنے اور انکی قبور پر کھڑے ہونے سے منع فرمایا اور فرمایا کہ اگر ان کیلئے بخشش طلب کرو۔ پھر بھی اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہ بخشے گا۔ کفار اور منافقین کے متعلق آپ کی سیرت طیبہ یہ تھی۔

صحابہ اور اپنی جماعت کے متعلق آپ کی سنت طیبہ | اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ اپنے آپ کو ان لوگوں

کے ہمراہ رکھو جو اپنے پروردگار کو صبح و شام پکارتے ہیں۔ اس کی رضا چاہتے ہیں اور انہیں معاف کرنے مختلف امور میں ان سے مشورہ لینے اور ان کے حق میں دعا کرنے کا حکم دیا۔ اور نافرمانوں سے عیحدہ ہونے کا حکم فرمایا، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں اور آپ کی اطاعت کریں، جیسے کہ آپ نے تین پیچھے رہنے والوں سے عیحدگی اختیار کر لی۔ نیز حکم دیا کہ جو آپ سے برائی کرے اس کے احسان سے اور جہالت کے علم سے اور ظلم کا عضو سے اور قطع رحمی کا صلہ رحمی سے بدلہ دیں۔ نیز بتا دیا کہ اگر آپ نے یہ کام کیسے تو آپ کے دشمن بھی گہرے دوست بن جائیں گے اور جناب میں سے دشمنوں کے دفع کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگیں اور یہ تمام اخلاق سنہ سورہ اعراف، مومنین اور حم السجدہ کی آیات جمع کر دیتے۔ چنانچہ سورہ اعراف میں فرمایا:

خذ العفو وامر بالمعروف و اعرض عن الجاهلین و اما نیر عنک من الشیطان نذغ فاستعد بالله انه سمیع علیم۔

اس سورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے جہلاء کے شر سے بچنے کیلئے ان سے اعراض کرنے اور

شیطان کے شر سے بچنے کے لیے پناہ مانگنے پر حکم دیا اور اس آیت میں اخلاقِ حسنہ کی تمام باتیں جمع فرمادیں، اور سورہ مومنین میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

قل رب انا تریبی ما یوعذون رب فلا تجعلنی فی القوم الظالمین وانا علی ان نریک مانعہم لقادرون اذفع بالذلتی ہی احسن السیئة طعن اعلم بما یصفون وقل رب انی اعوذ بک من همزات الشیطن و اعوذ بک رب انما یتحضرون۔

یعنی تو کہہ اے رب، کبھی تو دکھا دے مجھ کو، جو ان کو وعدہ ملتا ہے، تو اے رب مجھ کو نہ کر یو، ان گناہ گار لوگوں میں اور ہم کو قدرت ہے کہ تجھ کو دکھا دیں جو ان کو وعدہ دیتے ہیں، بری بات کے جواب میں وہ کہ جو بہتر ہے، ہم خوب جانتے ہیں جو یہ بتاتے ہیں، اور کہہ اے رب! میں تیری پناہ مانگتا ہوں شیطانوں کی پھیلنے سے اور پناہ تیری چاہتا ہوں اے رب اس سے کہ میرے پاس آئیں۔ اور سورہ حم السجدہ میں فرمایا:-

ولا تستوا الحسنة ولة السيئة اذفع بالذلتی ہی احسن فاذا الذبی بینک و بینہ عداوة کاتہ و لی حمیمہ وما یلقاها الا الذین صدروا وما یلقاها الا ذو حظ عظیمہ و اما ینزعنک من الشیطان نزع فاستعد بالله انہ هو السميع العليم۔

یعنی اور برابر نہیں نیکی نہ بدی۔ جواب میں تو کہہ اس سے بہتر، پھر جو دیکھے تو جس میں تجھ میں دشمنی تھی، جیسے دوست دار ہے ناتے والا۔ اور یہ بات ملتی ہے انہیں کو جو سہارا رکھتے ہیں اور یہ بات ملتی ہے اس کو جس کی بڑی قسمت ہے اور کبھی چوک لگے تجھ کو شیطان کے چوکنے سے تو پناہ پکڑ اللہ کی بے شک ہے سنا جانتا۔

اس طرح مذکورہ انداز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انسانوں، جنوں، مسلمانوں اور کافروں کے برتاؤ کے معاملہ میں سیرتِ طیبہ بیان ہو گئی۔

آنحضرت ﷺ کے غزوات و سرایا

بدر کا عظیم اور تاریخی معرکہ

اسلام کا پہلا لشکر | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لشکر ہجرت کے ساتویں ماہ رمضان کے مہینہ میں ارسال فرمایا جس کا پرچم حضرت حمز بن عبدالمطلب کے لیے تھا۔ یہ جھنڈا سفید رنگ کا تھا اور ابو مرثد کنانہ بن حصین غنوی نے اٹھا رکھا تھا، اپنے مہاجرین میں سے تیس صحابہ کو شام سے آنے والے قریش کے قافلہ کے مقابلہ میں ارسال فرمایا جس میں ابو جہل تین سو آدمیوں کے ہمراہ آ رہا تھا، چنانچہ یہ لوگ سمندر کے کنارے درختوں کی جاب سے پہنچے اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ لیکن مجدی بن عمرو جہنی اس طرف اور اس طرف دونوں گروہوں کا حلیف تھا۔ اس نے کوشش کر کے بیچ بچاؤ کرادیا۔ اور جنگ نہ ہوئی۔

وادی رابع میں مقابلہ | پھر ہجرت کے آٹھوں ماہ شوال کے آخر میں عبیدہ بن حریث بن عبدالمطلب کی سرکردگی میں ایک چھوٹا سا لشکر وادی رابع

کی طرف روانہ ہوا۔ اس کے لیے بھی سفید جھنڈا تیار کیا گیا۔ اس لشکر میں کوئی انصاری نہ تھا، بلکہ ساٹھ کی تعداد میں صرف مہاجرین ہی تھے۔ اور ابو سفیان بن حرب نے جھنڈے کے مقام سے دس میل دور وادی رابع میں مقابلہ ہوا جس کے ہمراہ دو سو آدمی تھے۔ اس جنگ میں تیر اندازی ہوئی تلوار نہ چلی، نہ باقاعدہ جنگ ہوئی۔ اسے صرف مڈبھیڑ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص وہاں موجود تھے۔ اللہ کے راستہ میں انہوں نے سب سے پہلے تیر مارا۔ پھر دونوں فریق واپس چلے گئے۔

وادئ نخلہ میں

پھر ہجرت کے سترھویں مہینے رجب میں آپ نے عبداللہ بن حبش اسدی کو وادئ نخلہ کی طرف بارہ آدمیوں کے ہمراہ ارسال فرمایا۔ دو دو آدمی ایک ایک اونٹ پر سوار تھے۔ چنانچہ قریش کے ایک قافلے سے جنگ کے لیے یہ لوگ وادئ نخلہ میں پہنچ گئے۔ اس سر پہ میں عبداللہ بن حبش کو امیر المؤمنین کا نام دیا گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک مکتوب لکھ کر دیا ہے اور فرمایا، دو دن سے پہلے اسے نہ کھولنا۔ اس کے بعد اسے کھول کر پڑھنا جب مکتوب مبارک کھولا تو اس میں تحریر تھا کہ جب تم میرے مکتوب کو پڑھنا تو چلتے جانا اور مکہ اور طائف کے درمیان وادئ نخلہ میں ٹھہرنا اور قریش کے قافلے پر گھاٹ لگا کر بیٹھنا اور ان کے حالات سے اطلاع دینا عبداللہ بن حبش نے کہا بسر و چشم، پھر اپنے ساتھیوں کو مکتوب مبارک کے مضمون سے آگاہ کیا اور بتایا وہ انھیں مجبور نہیں کرتے، جو شہادت کا طلب گار ہو، وہ چل پڑے اور جو موت سے ڈرتا ہو، وہ لوٹ جائے، اور میں تو آگے قدم بڑھا رہا ہوں، چنانچہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ راستہ میں سعد بن ابی وقاص اور عقبہ بن غزداں کی سواری کا اونٹ گم ہو گیا۔ وہ اس کی تلاش میں مجھے رہ گئے اور عبداللہ بن حبش دور نکل گئے۔ آخر وادئ نخلہ میں اترے اور قریش کا قافلہ تکتشش اور کھالیں اور تجارتی سامان لے کر گزرا۔ عمرو بن حضرمی، عبداللہ بن مغیرہ کے دونوں لڑکے عثمان اور نوفل بن مغیرہ کا غلام حکم بن کیسان بھی اسی قافلے میں تھے۔ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا اور کہنے لگے یہ رجب یعنی ماہ احرام کا آخری حصہ ہے، اگر ہم نے مقاتلہ کیا تو شہر حرام کی توہین کی۔ اور اگر آج رات انھیں چھوڑ دیا تو یہ لوگ حرم میں داخل ہو جائیں گے۔ آخر مقابلے پر اتفاق رائے ہو گیا۔ کسی نے عمرو بن حضرمی کو تیر مارا اور وہ قتل ہو گیا۔ عثمان اور حکم کو گرفتار کر لیا گیا اور نوفل بھاگ گیا۔ یہ لوگ قافلے کا سامان اور دو قیدی لے کر حاضر خدمت ہوئے اور خمس نکال کر الگ کر لیا۔ اسلام میں یہ پہلا نفس اور پہلا قتل اور پہلے دونوں قیدی تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فعل سے بیزاری کا اعلان کیا۔ قریش اس واقعہ سے بھڑک اٹھے انھیں موقع ہاتھ لگ گیا۔ چنانچہ وہ کہنے لگے محمد نے شہر حرام میں قتل

کو جائز قرار دیا۔ اور مسلمانوں پر بھی اس واقعہ کا سخت اثر ہوا، آخر تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ
وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ مِنْهُ أَكْبَرُ عِندَ اللَّهِ وَالْقِتَّةَ الْأَكْبَرُ
مِنَ الْقَتْلِ ۝

یعنی تجھ سے شہر حرم کے متعلق اس میں قتال کرنے کے بارہ میں پوچھتے ہیں، کہہ دو
آل میں قتال کرنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام
کا انکار کرنا، اور (حرم) کے لوگوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک زیادہ گناہ
ہے۔ اور قتل سے بھی بڑا گناہ ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ وہ بات ہے جس کو تم نے منکر سمجھا، یہ اگرچہ برائی
ہے لیکن تم نے اللہ کا کفر کیا۔ اس کی راہ سے اور اس کے گھر سے روکا اور اس کے اہل،
مسلمانوں کو وہاں سے نکال دیا، نیز جس شرک پر تم قائم ہو، اور جو جو تمہاری جانب سے فتنے
پھاکنے گئے، یہ ساری باتیں شہر حرام میں قتال سے بھی زیادہ بری ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے
اپنے دوستوں اور دشمنوں میں عدل و انصاف سے فیصلہ فرمایا، اور اپنے دوستوں کو بھی
ارتکابِ خطا سے بری قرار نہیں دیا، بلکہ بتایا کہ شہر حرام میں قتال کرنا بہر حال بڑا گناہ
ہے لیکن جس پر مشرکین قائم ہیں وہ شہر حرام میں قتال کرنے سے بھی بڑا اور عظیم گناہ ہے
لہذا وہ مذمت اور سزا کے مستحق ہیں، اور اللہ کے دوستوں نے قتال میں رونا فرمانی سے
نہیں بلکہ تاویل سے کام لیا تھا یہ ایسا گناہ ہے جو اللہ تعالیٰ انہیں توحید، اطاعت اور معیت
رسول میں ہجرت کے آثار اور قربانی کے باعث معاف فرما دے گا۔

وَإِذْ الْحَبِيبُ إِتَىٰ بِنَابٍ وَاحِدٍ جَاءَتْ عَاسِنَهُ بِالْأَفْ شَفِيعٍ

اور جب دوست سے ایک گناہ سرزد ہو جاتا ہے، تو اس کے محاسن ہزار
سفارشیں لے کر آجاتے ہیں۔“

اس لیے انہیں ایسے مبعوض دشمن پر کس طرح قیاس کیا جاسکتا ہے جو برائی لے کر سامنے

آئے اور نیکی کی ایک سفارش نہ رکھتا ہو۔

اور اسی سال شعبان کے مہینہ میں تحویل قبلہ ہوا جس کا مفصل ذکر گزر چکا ہے۔

ابوسفیان کی سرگردگی میں قافلہ قریش | اس سال جب رمضان کا مہینہ آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ شام سے قریش

کا ایک قافلہ ابوسفیان کی سرگردگی میں آ رہا ہے۔ اسی قافلے کی تلاش میں نکلے جب یہ لوگ مکہ سے نکلے تو ان میں چالیس آدمی تھے۔ آپ نے حکم دیا تھا جس کے پاس سواری ہو وہ ساتھ چلے، لیکن یہ قافلہ پکڑا نہ جاسکا کیونکہ جلدی سے نکل گیا، اور آپ کے پاس تین سو اور دس سے کچھ زیادہ تعداد میں آدمی تھے، جن کے پاس صرف دو گھوڑے تھے جو زہرا بن عوام کے تھے اور مقداب بن فرس کنوی کا ایک گھوڑا تھا اور شتر اونٹ تھے، ایک اونٹ پر دو بائین آدمی سوار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، علیؑ اور مرثد بن ابی مرثد غنوی ایک اونٹ پر حضرت زیدؑ ان کے لڑکے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کنبثہؑ ایک اونٹ پر سوار تھے حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ اور عبدالرحمن بن عوفؓ ایک اونٹ پر سوار تھے۔

اس موقع پر آپ نے نماز کی امامت اور اہل بیت کی حفاظت کے لیے حضرت ابن ام مکتوم کو خلیفہ مقرر کیا جب آپ روم کے مقام پر پہنچے تو ابولبابہ بن عبدالمنذر کو واپس کیا اور انھیں مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ مصعب بن عمیر کو جھنڈا مرحمت فرمایا۔ نیز علی بن ابی طالب کو ایک جھنڈا اور دوسرا ایک انصاریؓ سعد بن معاذ کو عطا کیا اور انھیں ایک اونٹنی پر قیس بن ابی صعصعہ کے ہمراہ سوار کر دیا۔ جب بدر کے قریب پہنچے تو آپ نے سیس بن عمرو جہنی اور عدی بن رعیاء کو قافلے کی خبر لینے کے لیے روانہ فرمایا۔ ادھر ابوسفیان کو بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی اطلاع مل چکی تھی۔ اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو اجرت پر مکہ کی طرف بھیجا تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ پر حملہ سے اہل مکہ بچاؤ کے لیے پہنچ جائیں۔ جب اہل مکہ کو اطلاع ملی، تو وہ جلدی سے نکل پڑے اور ابولہب کے کوئی بڑا آدمی مکہ میں نہ ٹھہرا۔ کیونکہ اس پر کسی آدمی کا قرض تھا۔ نیز دیگر قبائل عرب کو بھی اطلاع کر دی گئی بنو عدی کے سوا قریش کا کوئی قبیلہ پیچھے نہ رہا۔ یہ لوگ قریش کے ہمراہ نہیں نکلے۔

انصار کی طرف آنحضرت کی نگاہ امید

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کی آمد کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ سے مشورہ

کیا تو ہاجرین سے اس معاملہ میں بات چیت کی تو انہوں نے بہتر جواب دیا۔ پھر دوبارہ بات چیت ہوئی پھر بھی انہوں نے اچھا جواب دیا۔ پھر تیسری مرتبہ بات چیت فرمائی۔ پھر بھی انہوں نے اچھا جواب دیا۔ اس پر انصار سمجھ گئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد انصار کا عنذہ معلوم کرنا ہے۔ چنانچہ حضرت سعد بن معاذ جلدی سے بڑھے اور عرض کیا:

انصار کا ایمان افروز اور رُوح پرور جواب

اے اللہ کے رسول، گویا آپ ہم سے مخاطب ہیں اور آپ کا مطلب بھی یہی

لوگ تھے۔ کیونکہ انہوں نے بیعت کی تھی کہ وہ آپ کو اپنے ملک میں ہر دشمن سے بچائیں گے۔ ایسے جب آپ نے نکلنے کا ارادہ کیا تو آپ نے انکی باطنی حالت سے آگاہی حاصل کرنا چاہی۔ پھر حضرت سعد نے عرض کیا کہ انصار پر جو حق ہے۔ شاید آپ کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنے ملک میں آپ کی مدد نہ کریں گے۔ میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور جواب دیتا ہوں جہاں آپ چاہیں نیزہ ماریں، جو رسی چاہیں کاٹ دیں اور جو آپ چاہیں جوڑ دیں۔ ہمارے اموال سے آپ جس قدر چاہیں لے لیں اور جو کچھ آپ چاہیں ہمیں دیں اور جس قدر آپ ہم سے مال لیں گے وہ ہمارے پاس چھوڑے ہوئے مال سے بہتر ہوگا اور جو چاہیں آپ ہمیں حکم فرمائیں۔ ہماری ہر حرکت آپ کے حکم کے تابع ہوگی۔ اللہ کی قسم اگر آپ نمدان کے تالاب تک جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ہمراہ ہوں گے۔ اور خدا کی قسم اگر آپ ہمیں اس سمندر میں لے چلیں تو بھی ہم آپ کے ہمراہ اس میں غوطہ لگا دیں گے۔ حضرت مقداد نے عرض کیا۔ ہم آپ کو قوم موسیٰ کی طرح جواب نہ دیں گے کہ اذھب انت ورسبک فقاتلا تاھمنا قاعدون، یعنی تو اور تیرا پروردگار جائے اور لڑو۔ ہم یہاں بیٹھے ہیں۔

بلکہ ہم تو آپ کے دائیں، بائیں آپ کے آگے اور پیچھے ہر طرف سے جنگ کریں گے یہ باتیں سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا اور صحابہ کی بھی باتیں سن کر آپ از حد خوش ہوئے۔ آپ نے فرمایا، چلو اور خوش ہو جاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میرے ساتھ دو

گروہوں میں سے کسی ایک کے متعلق وعدہ کیا ہے اور میں نے قوم کا میدان جنگ دیکھا ہے۔ آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی طرف چل پڑے۔ ابوسفیان ڈھلوان کی طرف چلا گیا اور ساحل سمندر کے قریب جا پہنچا۔ جب اس نے محسوس کیا کہ وہ بچ گیا ہے اور قافلہ محفوظ رہا ہے تو اس نے قریش کو لکھ بھیجا کہ لوٹ جاؤ کیونکہ تم اپنے قافلے کو بچانے کے لیے نکلے تھے۔ اب تمہیں سلامتی کی خبر مل گئی۔ یہ لوگ حجاز کے مقام پر تھے چنانچہ انہوں نے واپس جانے کا ارادہ کر لیا، لیکن ابو جہل کہنے لگا کہ اللہ کی قسم ہم واپس نہ جائیں گے بلکہ بدر پر پہنچ کر وہاں ٹھہریں گے اور اپنے ہمراہ جو عرب میں انہیں بلائیں گے۔ اس کے بعد عرب ہم سے ڈریں گے۔ آخر وہ چل پڑے۔ ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے آخر کار شام کے قریب بدر کے چشموں کے قریب آن پہنچے۔

آپ نے فرمایا کہ منزل کہاں ہونی چاہیے؟ حضرت خباب بن منذر نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، میں اس جگہ اور اس کے قلب سے واقف ہوں۔ اگر آپ مناسب خیال فرمائیں تو ہم اس کے قلب میں چلے جائیں۔ وہاں میٹھا پانی کثرت سے ہے اور وہاں ہم اتر پڑیں گے اور کفار سے قبل اس پر قبضہ کر کے ان کو پانی سے محروم کر دیں گے۔ دوسری طرف مشرکین نے تیزی سے پانی کی طرف پیش قدمی کی۔ آپ نے سعدؓ، علیؓ اور زبیرؓ کو بدر کی طرف معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا، انہوں نے قریش کے دو غلام گرفتار کیے اور لے آئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت نماز پڑھ رہے تھے۔

چنانچہ صحابہؓ نے ان سے پوچھا کہ تم کس کے آدمی ہو! کہنے لگے۔ ہم قریش کو پانی پلانے والے ہیں۔ صحابہ نے اسے ناپسند کیا اور تمنا کی، کہ کاش یہ ابوسفیان کے قافلے میں سے ہوتے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو آپ نے ان سے پوچھا مجھے بتاؤ قریش کہاں ہے!

وہ کہنے لگے کہ اس ٹیلے کے پیچھے۔ آپ نے پوچھا کتنی تعداد میں ہیں! کہنے لگے ہمیں معلوم نہیں آپ نے پوچھا کتنے راونٹ اور زانہ ذبح کرتے ہیں۔ کہنے لگے کسی دن نو اور کسی دن دس اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، قریش نو صد سے ایک ہزار تک ہیں۔

اس شب کو اللہ تعالیٰ نے بارش فرمادی، مشرکین کے لیے بارش مصیبت بن گئی اور انھیں آگے بڑھنے سے روک دیا۔ اور مسلمان چونکہ ریت کے ٹیلے پر تھے، انھیں پاک بنا دیا۔ زمین کو ہموار اور ریت کو سخت بنا دیا جس پر پاؤں جم سکتے تھے اور صحابہؓ کے قلوب کو ڈھارس دی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ پانی کی طرف بڑھے اور رات کے ایک حصہ میں اس پر اترے اور حوض بنا لیے۔

سناؤ بید کفار کی قتل گاہ کی نشان دہی | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک ٹیلے پر خمیہ لگا دیا گیا جہاں سے میدان جنگ خوب نظر

آتا تھا اور پھر آپ نے اپنے دست مبارک سے اشارہ کر کے بتایا: یہ فلاں کی قتل گاہ ہے، اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے اور یہ فلاں کی قتل گاہ ہے انشاء اللہ۔ چنانچہ آپ کی بنائی ہوئی جگہوں سے ذرا بھی وہ ادھر ادھر نہ ہوا۔ جب قریش آگے بڑھے اور دونوں لشکر نظر آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی۔ اے اللہ یہ قریش گھوڑوں اور غزروں و نخوت تجھ سے لڑنے اور تیرے رسول کی تکذیب کرنے آئے ہیں۔

پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا شروع کر دی۔ اے اللہ جو وعدہ تو نے مجھ سے کیا ہے اسے پورا کر۔ میں تیرے وعدہ اور عہد کو دہراتا ہوں۔

حضرت صدیق نے عرض کیا اے اللہ کے رسول، خوش ہو جائیے جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اس کی قسم اللہ تعالیٰ آپ سے کیے ہوئے وعدہ کو ضرور پورا کرے گا۔ اور مسلمانوں نے بھی اللہ تعالیٰ سے مدد کی دعا کی اور اتہامی خشوع و خضوع سے مدد چاہی پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو وحی فرمائی کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اس لیے ایمان والوں کو ثابت قدم رکھو۔ میں جلد ہی کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی طرف بھی وحی فرمائی کہ میں آپ کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد بھیج رہا ہوں۔

آنحضرتؐ کا اپنے رب سے راز و نیاز | نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وہیں ایک درخت کی جڑ کے قریب نماز پڑھتے ہوئے گزار دی۔

ہجرت کے دوسرے سال رمضان کی سترھویں تاریخ جمعہ کی رات کا یہ واقعہ ہے، جب صبح ہوئی تو قریش اپنے دوستوں کے ہمراہ سامنے آئے اور دونوں جماعتوں نے صف بندی کی حکیم بن حزام اور عتبہ بن ربیعہ نے دونوں جماعتوں میں مصالحت کی کوشش کی اور قریش سے کہا کہ واپس چلے جاؤ اور جنگ نہ کرو۔ ابو جہل نے انکار کیا۔

آخر ابو جہل نے عمرو بن حفص کے بھائی کو عمرو کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اکسایا، وہ پتلا یا ہائے عمرو... قوم قریش کو جوش آگیا، اور لڑائی چھڑ گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی صفیں درست فرمائیں اس کے بعد آپ اور ابو بکرؓ نے کسی جانب تشریف لے آئے اور انصار کی جماعت کے ہمراہ حضرت سعد بن معاذؓ کے دروازے پر پہرہ دینے لگے۔ اتنے میں عتبہ، اس کے بھائی شیبہ اور ولید بن عتبہ نکلے اور مقابلے کے لیے آواز دی۔ ان کے مقابلے کے لیے انصار میں سے تین صحابہؓ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور عفرات کے دونوں لڑکے معاذ اور عوف سامنے آئے۔ قریش نے پوچھا تم کون ہو، کہنے لگے انصار ہیں۔ وہ کہنے لگے، تم شریف لوگ ہو لیکن ہم تو نبیؐ کے مقابلے میں بلا تے ہیں۔

یہ سن کر حضرت علیؓ، عبیدہ بن حرت اور حمزہؓ میدان میں آگئے۔ حضرت علی نے اپنے مقابل ولید کو اور حضرت حمزہ نے اپنے مقابل عتبہ کو قتل کر دیا ایک روایت میں شیبہ ان کا مقابل تھا، حضرت عبیدہ بن حرت زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ اور حمزہؓ نے ان کے مقابل پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ اور حضرت عبیدہ کو اٹھا لائے، ان کا پاؤں کٹ گیا تھا۔ ان پر بے ہوشی طاری ہو گئی اسی حالت میں وہ وفات پا گئے۔

پھر مار دھاڑ شروع ہوئی اور جنگ کی چکی تیز ہو گئی۔ میدان کا رزار گرم ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا و عجز میں اور اپنے پروردگار کے ذکر میں مشغول ہو گئے، یہاں تک کہ آپ کے شانوں سے چادر گر گئی۔ حضرت صدیق نے اسے دوبارہ ڈال دیا اور عرض کیا آپ کی

دعا ہم سن رہے ہیں۔ خدا یقیناً آپ سے اپنا وعدہ پورا کرے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک بار غنودگی آگئی۔ حالت حرب میں قوم کو بھی غنودگی سی آگئی۔ آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا۔ اور فرمایا اے ابوبکرؓ خوش ہو جاؤ، یہ جبریل ہیں۔ اللہ کی نصرت آگئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا شکر کو نازل فرما دیا: اپنے رسول اور مومنوں کی مدد فرمائی اور مشرکین کے گرفتار کرنے اور قتل کرنے پر انہیں قدرت دی، چنانچہ (صحابہؓ) نے ستر کو قتل کیا اور ستر کو گرفتار کر لیا۔

جب (قریش) نکلے تھے تو انہیں اپنے اور بنی کنانہ کے درمیان دشمنی کا خیال ہوا، چنانچہ ابلیس سراقہ بن مالک مدحی کی شکل میں ان کے پاس آیا (سراقہ) بنی کنانہ کا ایک بڑا سردار تھا کہنے لگا، آج تم پر کوئی آدمی بھی غالب نہیں ہو سکتا۔ میں تمہارے ہمراہ رہوں گا تاکہ بنی کنانہ تمہیں کچھ بھی ایذا نہ دے سکیں وہ اس وعدہ پر نکل پڑے اور شیطان (بصورت سراقہ) ان کے ہمراہ رہا اور جہاد ہوا۔ جب لڑائی شروع ہوئی اور اس اللہ کے دشمن (ابلیس) نے اللہ کا شکر (فرشتے) دیکھا جو آسمان سے نازل ہوا تھا تو ایڑیوں کے بل ذہاں سے فرار ہو گیا۔

(قریش) کہنے لگے اے سراقہ! کہاں چلے! کیا تم نے یہ نہ کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ رہوں گا اور مفارقت اختیار نہ کروں گا (ابلیس) نے جواب دیا، میں وہ (مخلوق) دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کا عذاب سخت ہے۔ ابلیس نے جب یہ کہا کہ میں وہ دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے تو صحیح کہا، لیکن جب یہ کہا "میں اللہ سے ڈرتا ہوں تو جھوٹ بولا ایک قول کے مطابق اسے اندیشہ ہوا کہ میں وہ بھی ان کے ہمراہ ہلاک نہ کر دیا جائے۔ اور ظاہر معنی یہی معلوم ہوتا ہے۔ جب دشمن قریب ہو گیا اور جماعت (صحابہؓ) کی طرف بڑھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور وعظ فرمایا، اور انہیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی کہ اس طرح فتح و نصرت اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اجر ملے گا اور بتایا کہ جو اللہ کی راہ میں شہید ہو گا اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت واجب کر دی۔

چنانچہ عمیر بن حمام کھڑے ہوئے اور عرض کیا:

اے اللہ کے رسول وہ جنت جس کی وسعت آسمانوں اور زمین کے برابر ہوگی۔

آپ نے فرمایا، ہاں! انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بس بس! بس (کافی ہے) آپ نے فرمایا، بس بس تو نے کیوں کہا! عرض کیا، اے اللہ کے رسول (میرا مطلب غلط) نہ تھا بلکہ مجھے امید ہے کہ شاید میں اسی کے رہنے والوں میں سے ہو جاؤں۔ آپ نے فرمایا، ہاں بے شک تو ان کے رہنے والوں میں سے ہے۔ انہوں نے چند کھجوریں نکالیں اور کھانے لگے۔ پھر کہا، اگر میں ان کے کھانے تک زندہ رہا تو پھر یہ (دنیا کی) زندگی بہت طویل ہوگی۔ چنانچہ انہوں نے باقی کھجوریں پھینک دیں اور جہاد میں شریک ہو کر شہید ہو گئے۔ یہ پہلے شہید تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ ریزوں سے مٹھی بھری اور انہیں دشمن کے چہروں کی طرف پھینکا ان میں سے کوئی بھی ایسا نہ تھا کہ جس کی آنکھ میں مٹی نہ پڑی ہو، وہ اپنی آنکھوں سے مٹی نکلنے میں مصروف ہو گئے اور مسلمان انہیں قتل کرنے میں مصروف ہو گئے نیز اس دن فرشتے کفار کو قتل کرنے میں مسلمانوں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اس دن ایک مشرک کے پیچھے تیزی سے چار ہاتھ لگا کر اچانک اس نے اپنے سامنے کوڑے کی آواز سنی اور ایک سوار کی آواز آئی جو کہہ رہا تھا، اے حیزم آگے بڑھ، پھر دیکھا تو مشرک مرا پڑا تھا۔ غور سے جو دیکھا تو کوڑے کی ضرب سے اس کی ناک ٹوٹ چکی تھی اور چہرے کا ایک حصہ پھٹ گیا تھا۔ یہ واقعہ سب کے سامنے لایا گیا تو ایک انصاری نے آگے بڑھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماجرا سنایا۔ آپ نے فرمایا، تو نے سچ کہا یہ تیسرے آسمان سے مدد آتی تھی۔

ابو داؤد حازنی فرماتے ہیں کہ میں ایک مشرک کے پیچھے بڑھ رہا تھا تاکہ اس کا سر قلم کر دوں، اچانک اس کا سر میری تلوار پہنچنے سے قبل ہی جدا ہو کر گر گیا۔ میں نے سمجھ لیا کہ اسے میرے سوا کسی دوسرے نے قتل کیا ہے۔

عباس بن عبد المطلب کی گرفتاری | ایک انصاری عباس بن عبد المطلب کو گرفتار کر کے لائے عباس نے کہا اللہ کی قسم

اس نے مجھے گرفتار نہیں کیا بلکہ مجھے تو ایک انتہائی خوبصورت آدمی نے گرفتار کیا جو ابلیس
گھوڑے پر سوار تھا اور اب وہ نظر نہیں آتا۔ انصاری فرماتے تھے کہ اسے اللہ کے رسول
میں نے انھیں گرفتار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا خاموش رہو اللہ تعالیٰ نے اچھے فرشتے
کے ذریعہ تمہاری مدد کی ہے۔ بنی عبدالمطلب سے تین آدمی عباس، نوفل اور عقیل گرفتار ہوئے
جب لڑائی ختم ہو گئی اور قریش شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کون دیکھے گا کہ ابو جہل کا کیا بنا؟ حضرت ابن مسعود گئے
اور گرا ہوا دیکھا۔ عفرات کے دونوں لڑکوں۔ (مسود و معاذ) نے اسے مارا تھا۔ آخر
مر گیا۔ ابن مسعود نے اس کی ڈاڑھی پکڑی اور پوچھا تو ابو جہل ہے؟ وہ کہنے لگا کہ آج
کس کی فتح ہوئی۔ انھوں نے فرمایا، اللہ اور اس کے رسول کو فتح حاصل ہوئی اور اسے
اللہ کے دشمن نے تجھے ذلیل کیا۔ وہ بولا اور کیا ایسے آدمی پر کہ جس کی قوم نے
اسے قتل کیا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعود نے اسے قتل کر دیا اور اس کا سرا نبی اکرم صلی
اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور عرض کیا۔ میں نے اسے قتل کیا ہے۔ آپ
نے فرمایا: اللہ تعالیٰ، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ نے تین باریہ کلام دہرایا۔ پھر
فرمایا اللہ اکبر سب تعریفیں اللہ کی ہیں، جس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اپنے بندے
کی مدد فرمائی، اور تنہا دشمن کی جماعتوں کو شکست دی۔ پھر فرمایا، چلو مجھے دکھاؤ میں
نے آپ کو اس کی لاش بے سرا دکھایا۔ آپ نے فرمایا، یہ اس امت کا فرعون ہے۔
اسی روز حضرت عکاشہ بن محسن کی تلوار ٹوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک
نشک ٹہنی عطا فرمائی اور فرمایا، اس سے رکام لو۔ جب حضرت عکاشہ نے اسے پکڑ
کر ہلایا تو یہ ٹہنی ایک طویل انتہائی سفید تلوار بن گئی۔ یہ صحابی ہمیشہ اس سے جہاد کرتے
رہے۔ آخر کار ابو بکر کی خلافت میں فتنہ ارتداد کے موقع پر شہید ہو گئے۔

حضرت زبیر نے عبیدہ بن سعید بن عاص کو دیکھا، وہ ہتھیاروں میں غرق تھا اور اس
کی صرف آنکھیں نظر آتی تھیں۔ حضرت زبیر نے اپنا حربہ اس کی آنکھ میں گھونپ دیا اور
وہ مر گیا۔ پھر انہوں نے اپنا پاؤں حربہ پر رکھا اور اسے کھینچا اسے کھینچتے ہوئے انھیں

کافی زور لگانا پڑا اور اس کی ایک طرف دہری ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حربہ طلب فرمایا، انہیں نے پیش کر دیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو انہوں نے پھر اسے واپس لے لیا۔ پھر ابو بکرؓ نے ان سے مانگ لیا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو حضرت عمرؓ نے لے لیا۔ جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا تو پھر زبیرؓ نے واپس لے لیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے لے لیا۔ جب حضرت عثمانؓ کا انتقال ہوا تو یہ حربہ آل علیؓ کے پاس آ گیا، چنانچہ عبداللہ بن زبیرؓ نے ان سے لے لیا اور شہادت تک ان کے پاس ہی رہا۔

حضرت رفاعہ بن رافع فرماتے ہیں کہ بدر کے دن میں نے تیر مارا تو میری آنکھ پھوٹ گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک لگایا پھر مجھے کچھ بھی تکلیف نہ دی۔ جب جنگ ختم ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقتولوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور فرمایا، تم بدترین خاندان ہو۔ تم تھے جن کی طرف میں نبی بن کر مبعوث ہوا۔ اور تم نے میری تکذیب کی اور دوسرے لوگوں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے رسوا کرنے کی کوشش کی اور دوسرے لوگوں نے میری مدد کی۔ تم نے مجھے نکال دیا، اور دوسرے لوگوں نے مجھے جگہ دی۔

پھر آپ نے بدر کے کنوؤں میں سے ایک ویران کنویں کی طرف انہیں گھسیٹا اور اس میں انہیں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد آپ کھڑے ہو کر نام لے لے کر فرمانے لگے۔ اے عتبہ بن ربیعہ، اے شیبہ بن ربیعہ۔ اے فلاں اے فلاں کیا تم نے پالیا، جو تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا؛ البتہ میں نے حق پالیا، جو مجھ سے میرے پروردگار نے وعدہ کیا تھا۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول آپ ایک مردہ قوم سے مخاطب ہیں؛ آپ نے فرمایا، اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، میں جو ان سے کہہ رہا ہوں، وہ کلام تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے لیکن وہ جواب دینے کی سکت نہیں رکھتے۔ آپ اس علاقے میں تین دن ٹھہرے رہے اور آپ جب بھی کسی قوم پر حملہ کرتے تو آپ وہاں تین دن ٹھہرا کرتے۔ اس کے بعد آپ فاتح اور اللہ کی مدد سے خوش و خرم

واپس تشریف لاتے۔ آپ کے ہمراہ قیدی اور مال غنیمت ہوتا۔
 جب آپ صفر پر پہنچے تو غنائم کو تقسیم فرمایا، اور نضر بن حمرث بن کلابہ کی گردن مار دی۔
 پھر آپ عرق الطیبہ اترے اور عقبہ بن ابی معیط کی گردن مار دی اور نبی اکرم صلی اللہ
 علیہ وسلم فاتح اور منصور مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ اب تو مدینہ اور اس کے ارد گرد
 کا ہر دشمن آپ سے ڈرنے لگا۔ نیز مدینہ کے متعدد لوگ حلقہ اسلام میں داخل ہوئے
 عبد اللہ بن ابی منافق اور اس کے ساتھی بھی اس وقت ظاہری طور پر مسلمان ہوئے۔
 غزوہ بدر میں تین سو دس سے کچھ زیادہ صحابہ شریک ہوئے۔ تراسی ہاجرین مکہ
 اوس قبیلہ کے۔ ایک سو ستر بنو خزرج کے تھے۔ اوس کی تعداد خزرج سے کم تھی۔
 اگرچہ یہ قبیلہ زیادہ قوی، اور صاحب شوکت تھا، اور لڑائی میں مستقل مزاج تھا، اس
 کا سبب یہ تھا کہ ان کے گھر مدینہ سے باہر تھے اور جنگ کا بلاوا اچانک آگیا تھا۔
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم سوال کے مہینہ میں غزوہ بدر اور اس کے گرفتار شدگان سے
 فارغ ہوئے۔

غزوة سویت

دشمن اسلام یہودی سردار کعب بن اشرف کا قتل

غزوة سویت | جب مشرکین کا گروہ ذیل، رسوا اور غمزہ حالت میں واپس گیا تو ابو سفیان نے نذرمانی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کیے بغیر سر پر پانی نہ ڈالوں گا، چنانچہ دو سو سواروں کے ہمراہ نکلا اور مدینہ کے ایک جانب میدان میں آیا، وہاں ایک یہودی سلام بن شکم کے پاس رات گزاری۔ اس نے اسے شراب پلائی اور لوگوں سے پوشیدہ رکھا۔ جب صبح ہوئی تو اس نے کھجور کے چند درخت کاٹ ڈالے۔ ایک انصاری اور ایک ان کے حلیف کو قتل کر دیا۔ پھر واپس بھاگ گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کی نذرمانی۔ اس کی تلاش میں تشریف لے گئے، اور قرقرۃ الکدر تک پہنچے، لیکن ابو سفیان بھاگ چکا تھا۔ زادراہ کی کثرت کے باعث کفار نے کافی مقدار میں ستو پھینک دیئے۔ مسلمانوں نے وہ ستو اٹھالیے۔ اس طرح اس کا نام ہی غزوة سویت پڑ گیا۔ یہ واقعہ غزوة بدر کے دو ماہ بعد پیش آیا۔

کعب بن اشرف کے واقعہ کی تفصیل | اب کعب بن اشرف کا واقعہ بیان ہوتا ہے، اس یہودی کی ماں بنو نضیر سے

تعلق رکھتی تھی اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیف و اذیت کا موجب تھا اپنے اشعار میں صحابہ کی ازواج سے تشبیب کیا کرتا تھا۔ جب غزوة بدر ہوا تو یہ مکہ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے خلاف راہل مکہ کو بھڑکانے لگا، پھر مدینہ لوٹ آیا اور ایسی ہی حرکتیں کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کعب بن اشرف کا خاتمہ

کون کرے گا! اس نے اللہ اور اس کے رسول کو تکلیف دی ہے۔
 محمد بن مسلمہ، عباد بن بشر۔ ابوناٹلمہ جس کا نام سلکان بن سلامہ تھا، اور یہ کعب کے
 رضاحی بھائی تھے۔ حرث بن ادس اور ابو عبس بن جبر تیار ہوئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 نے ان کو اجازت دی کہ اسے گھات سے قتل کر دیں۔

یہ لوگ رات کو جب چاندنی کھلی ہوئی تھی گئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بیچ غزوة تک
 ساتھ تشریف لے جا کر انھیں رخصت کیا۔ جب وہاں پہنچے تو سلکان بن سلامہ کو اس
 کے پاس بھیجا وہ بظاہر رسول اللہ سے منحرف ہو کر، اور اس کے دم ساز بن کر پہنچے۔ اور
 آپ کے بارے میں شکایتی الفاظ کہے۔ نیز کہا کہ یہ اسلحہ رہن رکھ لو اور میرے رفقاء کے
 کمانے کا بندوبست کرو، اس نے قبول کر لیا۔

سلکان اپنے ساتھیوں کے پاس واپس آئے، انھیں ساتھ لے آئے۔ وہ اپنے قلعے
 سے باہر نکلا یہ فوراً اس پر چل پڑے اور تلوار کی نوک پر رکھ لیا۔ محمد بن مسلمہ نے اسے قتل
 کر دیا، زخمی ہو کر یہ دشمن خدا زور سے چنچا، جس سے ہر چہاں طرف ایک دہشت سی پھیل
 گئی۔ ان لوگوں نے آگ بھائی اور وند آگیا۔ آخر یہ صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت
 میں شب کے آخری حصے میں حاضر ہوئے۔ آپ نماز پڑھ رہے تھے۔ حرث بن ادس
 اپنے کسی ساتھی کی تلوار سے زخمی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا
 لعاب مبارک زخم پر لگا دیا، وہ فوراً ہی صحت یاب ہو گئے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ
 علیہ وسلم نے یہود کی عہد شکنی اور خدا اور رسول سے جنگ آزمائی کے باعث ان کے
 قتل کی اجازت دے دی۔

غزوة احد

تاریخ اسلام کی اہم ترین اور فیصلہ کن جنگ

ابوسفیان کی اسلام دشمنی | جب اللہ تعالیٰ نے انشرف قریش کو بدر کے موقع پر قتل کر دیا اور انھیں سابق مواقع کی نسبت بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا تو ان کا رئیس ابوسفیان بن حرب تھا، یہی تھا جس نے انھیں بھیجا تھا، وہ غزوة سویق میں بھی یہ خود آیا تھا، اور خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ کر سکنے پر یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کے خلاف لوگوں کو اکسایا کرتا تھا، آخر کار اس نے تین ہزار کی تعداد میں فوج مرتب کر لی جس میں قریش اس کے حلیف اور دیگر گروہ بھی شامل تھے۔ یہ لوگ اپنی عورتوں کو ساتھ لے آئے تاکہ عار کے خوف سے فرار نہ ہو سکیں، اس کے بعد یہ لشکر مدینہ کی طرف چل پڑے۔ عینین کے مقام پر احد پہاڑ کے قریب اترا۔ یہ واقعہ ہجرت کے تیسرے سال شوال کے مہینہ میں پیش آیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ کیا کہ آیا مقابلہ میں مدینہ سے باہر نکلیں یا مدینہ میں ٹھہریں؟ آپ کی رائے یہ تھی کہ مدینہ سے باہر نہ جائیں اور یہیں قلعہ بند ہوں۔ اگر وہ شہر میں داخل ہو جائیں تو مسلمان ان سے گلیوں میں مقاتلہ کریں اور عورتیں چھتوں پر سے۔ عبداللہ بن ابی نے اس رائے کی تائید کی۔ کبار صحابہ کی ایک جماعت جو بدر میں شریک نہ ہو سکی تھی، انھوں نے باہر نکلنے کا مشورہ دیا اور اس پر اصرار کیا۔ عبداللہ بن ابی نے مدینہ میں ہی ٹھہرنے کا اشارہ کیا۔ آپ کی رائے بھی مدینہ کے متعلق تھی، اس لیے بعض صحابہؓ نے آپ کی تائید کی، بختم بختا کے بعد آپ اٹھ کر گھر میں تشریف

لے گئے اور سلاح جنگ زیب تن فرما کر باہر تشریف لائے۔
اب صحابہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپ مدینہ میں ٹھہرنا پسند فرمائیں تو ایسا
ہی کر لیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی نبی کو مناسب نہیں کہ جب وہ لباس (جہاد)
پہن لے تو پھر (ستھیارا) اتار دے جب تک کہ اللہ اس کے اور اس کے دشمنوں کے
درمیان فیصلہ نہ کر دے۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار صحابہ کے ہمراہ باہر تشریف لائے۔ اور جو
لوگ مدینہ میں رہ گئے ان کی امامت کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو مقرر فرمایا۔ نبی
صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن باہر نکلے۔ جب آپ مدینہ اور احد کے درمیان پہنچے تو
عبداللہ بن ابی (منافق) لشکر کا تیسرا حصہ لے کر الگ ہو گیا، اور کہنے لگا، تم میری مخالفت
کرتے ہو اور میرے سوا دوسروں کی بات سنتے ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے رہروی جاری رکھی اور وادی کے ایک کنارے احد کے
ایک حصہ میں اترے آپ نے احد کی طرف پشت کی اور بلا اجازت لوگوں کو جنگ
شروع کرنے سے منع فرمایا۔

مسلمانوں کی صف بندی اور جنگی تیاری | جب ہفتے کے دن کی صبح آئی تو رڑائی کی
تیاری کی، آپ کے ہمراہ سات سو آدمی

تھے جن میں پچاس سوار تھے۔ آپ نے پچاس تیر اندازوں پر عبداللہ بن عبید بن جریح کو امیر بنایا۔ انھیں
اور ان کے رفقاء کو حکم دیا کہ مرکز سے چمٹے رہیں۔ اور اس سے ہرگز جدا نہ ہوں۔ اگرچہ پرندوں
کو دیکھیں کہ وہ لشکر کو کھائے جا رہے ہیں۔ جو لوگ فوج کے پیچھے کی جانب متعین تھے۔
آپ نے انھیں حکم دیا کہ مشرکین کو تیروں سے روکے رکھیں تاکہ پیچھے کی جانب سے
مسلمانوں پر حملہ نہ ہو سکے۔ اس روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم دو زہریں پہنے تھے۔ آپ نے
مصعب بن عمیر کو جھنڈا عطا فرمایا۔ نیز آپ نے زبیر بن عوام کو ایک جانب اور منذر بن عمرو
کو دوسری جانب امیر بنایا۔ اسی روز ایسے نوجوان بھی حاضر ہوئے۔ آپ نے جنھیں کم عمر

خیال فرمایا اس لیے نوٹا دیا۔ عبداللہ بن عمر۔ اسامہ بن زید۔ اسید بن ظہیر۔ براد بن عازب
 زید بن ارقم۔ زید بن ثابت۔ عرابہ بن اوس اور عمر بن حزام رضی اللہ عنہم انہی میں سے تھے
 اور جنہیں قدرے توانا سمجھا انہیں اجازت دے دی۔ سمرۃ بن جندب۔ رافع بن خدیج
 انہیں میں سے تھے۔ ان دونوں کی عمریں پندرہ پندرہ سال کی تھیں۔ ایک قول یہ ہے
 کہ جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اسے آپ نے اجازت دے دی، اور جس کی عمر اس سے
 کم نکلی اسے واپس کر دیا اور اس روز مسلمانوں کا شمار امت امت تھا چنانچہ ابتدائے
 دن میں مسلمانوں کو کفار پر فتح حاصل ہوئی اور کفار فرار ہو گئے، یہاں تک کہ اپنی عورتوں کے
 پاس جا پہنچے۔ جب تیر اندازوں نے رکفار کی شکست دیکھی تو اپنی جگہ چھوڑ دی جہاں
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں متعین فرمایا تھا اور کہنے لگے (چلو) غنیمت! غنیمت!
 ان کے امیر نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عہد یاد دلایا لیکن انہوں نے نہ سنا اور
 سمجھے کہ مشرکین بھاگ چکے چنانچہ سرحد خالی چھوڑ کر مال غنیمت کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔
 مشرکین نے سواروں کو دیکھا کہ سرحد خالی ہے، وہ تیزی سے آگے بڑھے اور مسلمانوں
 کا احاطہ کر لیا اس کے بعد صحابہؓ کو اللہ تعالیٰ نے شہادت سے نوازا۔ صحابہ کے ہٹ جانے
 کے باعث مشرکین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے۔ اور آپ کا چہرہ انور زخمی کر
 دیا، اور آپ کا ایک دندان مبارک شہید کر دیا اور آپ پر پتھر برسائے۔ یہاں تک کہ
 آپ ابو عامر کے ساتھ ایک گڑھے میں گر گئے جو اس نے مسلمانوں کے لیے کھود رکھے
 تھے۔ حضرت علیؓ نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے تھام لیا اور طلحہ بن عبید اللہ نے آپ کو
 اپنے جسم کی اوٹ میں کر لیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر آپ کے سامنے شہید ہو گئے۔
 آپ نے حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جھنڈا دے دیا۔ آہنی خود کے دو حلقے آپ کے رخسار
 میں چبھ گئے۔ ابو عبید بن جراح نے انہیں نکالا۔ انہی زخموں کے باعث آپ کے دو اونت
 شہید ہو گئے۔ ابو سعید ہذری کے والد مالک بن سنان نے آپ کے رخسار سے بہتے
 ہوئے خون کو چوس لیا۔

مشرکین نے خیال کیا کہ اب ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اللہ

تلائے حامل نہیں۔ چنانچہ دس کے قریب مسلمان بیچ میں آگئے۔ آخر وہ شہید ہو گئے۔۔۔۔۔
 پھر حضرت طلحہ نے ان سے مقابلہ کیا اور مشرکوں کو آپ سے دور ہٹا دیا۔ حضرت ابو دجانہ
 اپنی پشت کفار کی طرف کر کے آپ کے لیے ڈھال بن گئے۔ ان پر تیر برس ایسے تھے اور
 وہ وہاں سے ہلتے نہ تھے۔ حضرت قتادہ بن نیمان کی آنکھ میں چوٹ لگ گئی انھیں رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اپنے دست مبارک سے اپنی جگہ پر لوٹا
 دیا، اب وہ دونوں میں سے زیادہ صحت مند آنکھ بن گئی۔

جنگ کی گہما گہمی میں شیطان پینچا کہ محمد قتل ہو گیا۔ مسلمانوں پر سخت سراسیمگی طاری ہو گئی،
 بڑی تعداد میں وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کے پاؤں اکھڑ گئے۔ انس بن نضر ایک جماعت
 کے پاس سے گزرے جو ہاتھ توڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے پوچھا کس بات کا انتظار کر
 رہے ہو؟

کہنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو چکے۔

انہوں نے کہا تو پھر آپ کے بعد تم زندگی سے کیا لو گے، اڈاٹھو جس پر آپ نے وفات
 پائی تم بھی موت کو راس پر، خوش آمدید کہو۔ اس کے بعد لوگوں کے سامنے آئے اور حضرت
 سعد بن معاذ سے ملاقات ہوئی۔ ان سے کہنے لگے، اے سعد میں احد سے در سے ہی سے
 جنت کی خوشبو پاتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے (شہادت کے
 بعد دیکھا گیا تو ان کے بدن پر زخم کے ستر نشانات تھے۔
 حضرت عبدالرحمن بن عوف نے قریباً بیس زخم کھائے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی طرف تشریف لائے تو سب سے پہلے کعب بن مالک
 نے خود کے نیچے سے آپ کو بیچا نا، اور زور سے آواز دی، اے مسلمانوں، خوش ہو
 جاؤ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آپ نے ہاتھ سے اشارہ فرمایا کہ ”خاموش رہو“ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے اور
 جس شعب (گھاٹی) میں آپ اترے وہیں عام مسلمان بھی آگئے۔ وہاں ابو بکر اور عمر رضی اللہ
 اور حنظل بن صحرانصاری وغیرہ بھی موجود تھے۔

ایک دشمن رسولؐ کی درگت | جب پہاڑ کی طرف بڑھے تو رسول اللہؐ نے ابی بن خلف کو دیکھا۔ اس اللہ کے دشمن کو شک ہو کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم اسے قتل کر دیں گے۔ جب آپ اس کے قریب آئے تو سرث بن صحہ سے حربہ لیا اور اسے مارا۔ اس کی گردن میں زخم ہوا اور اللہ کا دشمن شکست کھا کر بھاگا۔ مشرکین نے اس سے کہا۔ خدا کی قسم تجھے کچھ نہیں ہوا۔

اس نے جواب دیا کہ بس قدر مجھے تکلیف ہے اگر ذی مجاز والوں کو اتنی تکلیف ہوتی تو تمام مرجاتے۔ (واقعیوں ہے کہ یہ مکہ میں گھوڑا چرار ہانتھا اور کہہ رہا تھا کہ میں اس پر سوار ہوں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کروں گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا، بلکہ انشاء اللہ میں اسے قتل کروں گا۔ آپ نے جب اسے مارا تو اللہ کے دشمن کو وہی بات یاد آگئی کہ میں اسے قتل کروں گا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اس زخم سے ضرور مر جائے گا، چنانچہ وہ مکہ کی طرف واپس آتے ہوئے صرف کے مقام پر مر گیا۔

حضرت سطلہؓ اس معرکہ میں شہید ہو گئے۔ یہ حالت جنابت میں تھے کیونکہ جب انہوں نے آواز سنی تو اس وقت اپنی بیوی سے مشغول تھے، اسی وقت اٹھے اور جہاد میں آکر شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو خبر دی کہ انہیں فرشتے غسل دے رہے ہیں پھر آپ نے فرمایا کہ معلوم کرو کہ ان کا کیا معاملہ ہے؛ ان کی بیوی سے صحابہؓ نے دریافت

کیا تو انہوں نے اصل واقعہ بتا دیا، چنانچہ نقاد نے اسے اس بات کی دلیل قرار دے دیا ہے کہ اگر حالت جنابت میں کوئی شہید ہو جائے تو فرشتوں کی اقتدار کے باعث اسے غسل دیا جائے۔

جب لڑائی تھمی تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر آواز دی، کیا تم میں محمدؐ ہے؛ انہوں نے کچھ نہ جواب دیا۔ پھر کہنے لگا کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکرؓ) ہے؛ اس پر بھی کسی نے جواب نہ دیا۔ پھر پوچھا کیا تم میں عمر بن خطابؓ ہے؛ پھر بھی کسی نے جواب نہ دیا، چونکہ

اسے اور اس کی قوم کو معلوم تھا کہ اسلام انہی حضرات کے باعث طاقت ور ہے اس لیے انہی کے متعلق دریافت کیا پھر ابوسفیان کہنے لگا، ان سب کا تو کام تمام ہو گیا۔

ابوسفیان کے نعروں کا جواب | حضرت عمر سے نہ رہا گیا، فرمایا، او دشمن خدا! جن کا تو نے ذکر کیا ہے وہ سب زندہ ہیں اور اللہ

تعالے نے تجھے ایذا دینے کے لیے انھیں باقی رکھا ہے۔

اس کے بعد ابوسفیان اچھلایا اسے ہبل اور نچارہ (اعلیٰ ہبل)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا اس کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا گیا، کیا کہیں! آپ نے فرمایا۔ کہو اللہ سب سے اونچا اور بڑا ہے (اللہ اعلیٰ و اہل) پھر وہ (ابوسفیان) کہنے لگا ہمارے پاس عزریٰ ایک بت کا نام جس کو یاد کر کے وہ بزعم خویش عزت حاصل کرتے ہے اور تمہارے پاس عزریٰ نہیں (لنا العزری ولا عتری لکم) آپ نے فرمایا کیا تم اس کا جواب نہ دو گے؟ عرض کیا گیا، ہم کیا کہیں؟ آپ نے فرمایا ہمارا اقا اللہ ہے اور تمہارا کوئی اقا (مولا) نہیں (اللہ مولانا ولا مولانا لکم)

اس کے بعد ابوسفیان کہنے لگا، بدر کے دن کا یہ بدلا ہے اور جنگ کے مقابلے میں رہا بیتا ہوتی ہی رہتی ہے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا، نہیں یہ بات نہیں بلکہ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔

غزوہ احد میں بھی ملائکہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیا چنانچہ صحیحین میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے روایت کیا، فرمایا کہ میں نے احد کے دن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ کے ہمراہ دو آدمی قتال میں شریک تھے جن پر از حد سفید کپڑے تھے۔ اس سے پہلے اور بعد میں میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا اور صحیحین میں ابی حازم سے مروی ہے کہ ان سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زخم کے متعلق پوچھا گیا۔ انھوں نے کہا، اللہ کی قسم میں خوب جانتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا زخم کون دھورہا تھا کون پانی بہا رہا تھا اور دغا کیا کی گئی۔

حضرت فاطمہؓ زخم کو دھورہی تھیں اور حضرت علی بن ابی طالب پانی ڈال رہے تھے۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا خون زیادہ نکل رہا ہے تو انھوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا جھلایا

اور زخم میں رکھا جس سے خون رک گیا۔

حضرت انسؓ نے کہا اے سعد جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں احد سے درے ہی عسویٰ کو رہا ہوں، اس کے بعد وہ میدان میں چلے گئے اور بہاد شروع کیا۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ ان کی لاش پھپھانی نہ جاسکی۔ ان کی ہمشیر، نے انگلی کے پوروں سے پہچانا اور ان پر نیزے تلواروں اور تیروں کے اشی سے زیادہ نشان تھے۔

مشرکین ابتداءً دن میں ہی شکست کھا گئے۔ ابلیس چینچا، اسے اللہ کے بندو، اللہ تمہیں رسوا کرے۔ شکست سے واپس آؤ اور جنگ کرو۔

سفرت حذیفہؓ نے دیکھا کہ مسلمان ان کے والد کو مشرکین کا آدمی سمجھ کر قتل کرنے لگے ہیں انہوں نے آواز دی، اللہ کے بندو، یہ میرے والد ہیں وہ ان کا کلام نہ سمجھے اور انہیں شہید کر دیا۔ حضرت حذیفہؓ نے فرمایا، اللہ تمہیں بخشے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیت دینا چاہی انہوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کی دیت مسلمانوں کو معاف کر دی اس واقعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہؓ کا مرتبہ اور بڑھ گیا۔

سفرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے روز مجھے سعد بن ربیع کی تلاش میں بھیجا، فرمایا کہ اگر تو انہیں دیکھے تو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ رسول اللہ دریافت فرما رہے تھے کہ تمہارا کیا حال ہے؟

راوی کہتے ہیں کہ میں مقتولوں میں پھرنے لگا۔ آخر میں سعدؓ کے پاس آیا ان کا دم بھوں پر تھا، نیزوں، تلواروں اور تیروں کے بدن پر شتر نشانات تھے۔

میں نے کہا اے سعدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں سلام کہا ہے اور دریافت فرمایا ہے کہ تمہارا حال کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام ہو، ان سے عرض کرنا، اے اللہ کے رسول میں جنت کی خوشبو پارہا ہوں، اور میری قوم انصار سے کہنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی اور تم میں ایک جھپکنے والی آنکھ بھی باقی

ہوئی تو یاد رکھو اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر نہ مانا جائے گا۔ اس کے فوراً بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہ بن عمر بن حزام فرماتے ہیں، میں نے احد سے قبل بمشیر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا، کہنے لگے چند ہی روز میں تم ہمارے پاس آ رہے ہو۔

میں نے پوچھا اور تم کہاں ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم جنت میں ہیں۔ ہمارا جہاں دل چاہتا ہے سیر کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا کیا آپ بدر کے غزوہ میں شہید نہ ہوئے تھے؟

انہوں نے فرمایا ہاں! پھر مجھے دوبارہ زندہ کیا گیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا تذکرہ کیا، آپ نے فرمایا اے ابو جابر یہ گواہی ہے۔

اللہ کا دشمن ابی بن خلف لوہے میں ڈوبا ہوا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اگر محمد بیچ رہا تو میں نہ بیچ سکوں گا کیونکہ اس نے مکہ میں حلف اٹھا ہوا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (غزوہ بدر) قتل کر دے گا۔ مصعب بن عمیر سامنے آئے اور مصعب شہید ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے زرہ اور بقیہ کے درمیان گردن پر جگہ دیکھی۔ آپ نے اس جگہ حربہ مارا اور وہ گھوڑے پر سے گر پڑا۔ اس کے دوستوں نے اسے اٹھایا، اور بیل کی طرح خرخرا رہا تھا اس کے ساتھی کہنے لگے، یہ ذرا سا زخم ہے، پھر بھی تو انتہی بے صبری دکھا رہا ہے! اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول یاد آ گیا میں انشاء اللہ اسے قتل کروں گا۔

چنانچہ رابع میں جا کر مر گیا۔ حضرت ابن عمر فرماتے ہیں کہ رات کے ایک حصہ میں میں وادی رابع میں جا رہا تھا کہ مجھے ایک آگ نظر آئی۔ میں ادھر گیا، دیکھا تو ایک آدمی ایک زنجیر گھسیٹتا ہوا اس میں سے نکل رہا ہے اور پیاس پیاس چیخ رہا ہے اور ایک اور آدمی بھی نظر آیا جو کہہ رہا تھا کہ اسے پانی نہ پلانا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قتل کیا ہے یہ ابی بن خلف ہے۔

یوم احد ابتلاء اور امتحان کا دن تھا | زہری، عاصم بن عمر اور محمد بن یحییٰ بن حبان وغیرہ فرماتے ہیں کہ یوم احد ابتلاء و امتحان کا دن تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اسی دن مومنین کو آزمایا اور منافقین کو عریاں کر دیا، جو محض زبان سے

انہار اسلام کیا کرتے تھے، اور دل میں کفر چسپا رکھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے دستوں میں سے جسے چاہا شہادت کے اکرام سے نوازا۔ نیز احد کے دن قرآن کی سورہ آل عمران کی ساٹھ آیات نازل ہوئیں بن کی ابتداء اس آیات سے ہوتی ہے واذ غدت من اہلک تبوی المؤمنین مقاعد للقتال۔ آخر تک۔

احد کا غزوہ کئی احکام و قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے | ایک یہ کہ جب جہاد کا آغاز ہو جائے اور اسلحہ پہن لیا

جائے اور مقابلے کا عزم کر لیا جائے تو دشمن سے جنگ کیے بغیر واپس نہ ہونا چاہیے۔
(۲) دوسرے لشکرے کران زمینوں سے گزرتا جو کہ راہ میں پڑیں اگر چہ مالک راضی نہ ہو بشرطیکہ اس کے بغیر چارہ کار نہ ہو۔

(۳) تیسرے جو بچے بالغ نہ ہوں اور جنگ کرنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں انہیں واپس کر دینا۔
(۴) نیز اگر امام کو زخم آجائے تو وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے اور اس کے پیچھے سب بیٹھ کر نماز پڑھیں جیسا اس غزوہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور وفات تک آپ کی یہ سنت جاری رہی۔

(۵) نیز اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو قتل کر دے تو وہ اہل نار میں سے ہو گا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرمان کے متعلق فرمایا جب کہ احد کے دن اسے سخت ترین ابتلا میں ڈالا گیا۔ جب اسے شدت سے تکلیف محسوس ہو تو اس نے اپنے آپ کو ذبح کر ڈالا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اہل نار میں سے ہے۔

(۶) نیز شہید کے متعلق سنت یہ ہے کہ اسے غسل نہ دیا جائے۔ نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور جو کپڑے پہنے ہو اس کے علاوہ دوسرے کپڑوں کا اسے کفن بھی نہ پہنایا جائے بلکہ انہی (کپڑوں) میں اس کے زخم اور خون کے ہمراہ اسے دفن کیا جائے۔
ہاں اگر اس کا لباس (دشمنوں) نے چھین لیا ہو تو دوسرا کفن دیا جاسکتا ہے۔

(۷) نیز اگر حالت جنابت میں شہادت ہو جائے تو غسل دیا جائے، جیسا ملائکہ نے حضرت زین ابی عامر کو غسل دیا۔

۸- اور شہداء کے معاملہ میں مسنون یہ ہے کہ انہیں میدان جنگ میں ہی دفن کیا جائے اور دوسرے مقام پر منتقل نہ کیا جائے۔ کیونکہ صحابہؓ کی ایک جماعت نے اپنے مشورتوں کو مدینہ میں منتقل کیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی کرنے والے نے منادی کی کہ انہیں میدان جنگ میں واپس لوٹا دیا جائے۔

۹- نیز ایک قبر میں دو یا تین شہداء کو بھی دفن کرنا جائز ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبر میں دو یا تین کو بھی دفن کر دیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام اور عمر بن جموح کو ایک ہی قبر میں دفن کیا گیا۔ دنیا میں ان کی آپس میں بہت محبت تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دنیا میں دونوں محبت کرنے والے کو ایک ہی قبر میں دفن کر دو۔ پھر ایک طویل زمانے کے بعد ان کی قبر کھودی گئی تو عبداللہ بن عمرو بن حرام کا ہاتھ اسی طرح اپنے زخم پر تھا جیسے انہوں نے زندگی میں اس پر رکھا تھا۔ ان کا ہاتھ زخم سے ہٹایا گیا تو فوراً خون ابلنے لگا۔ اس پر ان کا ہاتھ پھر اسی جگہ لوٹا دیا گیا اور خون رک گیا۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد کو قبر میں دیکھا؛ کہنے لگے انہیں ایک طرف کی چادر میں دفن کیا گیا تھا جو چہرے پر اس کی اور پاؤں پر حرمل کے پودے اڈال دیئے گئے۔ ہم نے چادر کو اس طرح دیکھا اور حرمل بھی ان کے پاؤں پر حسب سابق موجود تھی۔ اور ان کے (دفن) ہونے سے اب تک چھیالیس برس گزر چکے تھے۔

۱۰- نیز اگر مسلمان کسی اپنے آدمی کو غلطی سے قتل کر دیں تو امام پر بیت المان سے دیت دینا واجب ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہؓ کے والد کی دیت دینی چاہی گو حضرت حذیفہؓ نے دیت لینے سے امتراز کیا اور مسلمانوں کو معاف کر دیا۔

۱۱- موت کی تمنا جائز نہیں گو میدان جنگ میں دشمن سے لڑتے ہوئے حصول شہادت کی تمنا جائز ہے۔

غزوه احد میں حکم و غایات محمودہ | اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ان پر روشنی ڈالی ہے، **وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ**

المؤمنين مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ الْخِانِ سَاكِنًا آیات میں قصہ بیان فرمایا اور انہیں معصیت تفرقہ و اختلاف

کے انجام بد سے آگاہ کیا اور بتایا کہ جو گزند انہیں پہنچا وہ اسی وجہ سے تھا۔ پھر بتایا کہ تمہیں ان سے پھیر دیا، تاکہ تمہیں آزمائے اور اب تمہیں معاف بھی کر دیا ہے چونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معصیت اور اختلاف و افتراق کا نتیجہ دیکھ لیا تھا اس لیے اب اسباب خذلان سے خوب واقف اور متنبہ ہو کر اس سے احتراز و اجتناب کرنے لگے۔

نیز یہ فائدہ ہوا کہ مومن صادق اور منافق کاذب میں امتیاز ہو گیا کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کفار پر غلبہ عطا فرمایا اور ان کی آواز بلند ہو گئی تو ظاہری طور پر اسلام میں ایسے لوگ بھی داخل ہو گئے جو باطن میں مسلمان نہ تھے۔ اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ اپنے بندوں پر ایک مصیبت اور محنت ڈال دے تاکہ مومن اور منافق میں فرق آجائے۔ چنانچہ اس غزوہ (احد) میں منافقین نے سر اٹھایا جو کچھ چھپا رہے تھے منہ پر لے آئے اور نفاق کھل کر ظاہر ہو گیا اور لوگ علانیہ کافر مومن اور منافق تین گروہوں میں بٹ گئے اور مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ خود ان کے گھروں میں بھی انکے دشمن موجود ہیں، جو ان کے ہمراہ رہتے ہیں اور ان سے جدا نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان کے مقابلے کے لیے مستعد ہو گئے اور ان سے حفاظتی تدابیر اختیار کرنے لگے۔

نیز اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہادت اولیاء اللہ کے اعلیٰ مراتب کی علامت ہے۔ شہداء اسی کے خواص و مقربین میں شامل ہوتے ہیں۔ درجہ صدیقیت کے بعد شہادت کا ہی درجہ ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے بندوں میں سے شہداء کا انتخاب فرمائے۔ جو اس کی محبت و رضا کی خاطر خون بہائیں اور اس کی محبت و رضا کو اپنی جان پر بھی فوقیت دیں۔ اور اس سعادت عظیمہ کا حصول کا طریق صرف یہی ہے کہ انہیں دشمن کے تسلط میں دیا جائے تاکہ اسباب مقدرہ کے باعث وہ (درجہ شہادت) حاصل کریں۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنے دشمنوں کو ہلاک کرنے کا قصد فرمایا تو ان کے لیے ایسے اسباب مہیا کر دیے جو ان کی ہلاکت و بربادی پر منتج ہوں۔ اور سب سے بڑا جرم یا سبب ان کا کفر و بغاوت و طغیان اور اللہ کے اولیاء کو از حد ایذا دینا اور ان سے مقاتلہ الی رہا ہے۔ ان کے گناہ و عیوب کے باعث اپنے اولیاء کو ان پر ظاہر

فرمایا اور اس سے اللہ کے دشمنوں کے اسباب ہلاکت میں اضافہ ہوا۔
اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے متعلق ذکر فرمایا:

فَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ إِنْ يَمْسِكُ
قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلَهُ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ
الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ
آمَنُوا وَيَحِقَّ الْكَافِرِينَ۔

یعنی کمزور نہ ہو اور غم نہ کرو۔ اگر تم مومن ہو۔ تو تم سر بلند ہو اگر تم کو تکلیف پہنچی تو اس طرح
(دوسری) قوم کو بھی تکلیف پہنچی اور تم لوگوں میں دنوں کو بدلتے رہتے ہیں تاکہ ان لوگوں کو
جان میں جو ایمان لائے اور میں وہ تم میں سے گواہ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔
اس آیات میں اللہ تعالیٰ نے صحابہؓ کی حوصلہ افزائی اور تقویت اور ان کے عزائم و معصوم کو زندگی
بخشنے کا کلام جمع فرمایا۔ اور کفار کی زیادتیوں کے منطقی نتائج کی بنا پر پیدا شدہ حکمتوں کا تذکرہ
کیا اور اچھے انداز سے تسلی دیا۔ اس کے بعد ان کے عزائم و مہمتوں پر توجیح فرمائی کہ (اس
سے قبل تم جہاد کی تمنا کرتے اور جنگ میں جانا چاہتے تھے۔

فرمایا، وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْا فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ وَأَنْتُمْ
بِيعْنِي أَوْ تَمَّ اس سے قبل موت کی تمنا کرتے تھے، کہ اس سے ملیں۔

صحابہ میں شہادت کی تمنا اور شوق | حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ
اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے

بدر کے شہداد کے فضائل کی خبر دی، تو صحابہؓ کو شہادت کی خواہش ہوئی۔ ان کی تمنا یہ ہوئی
تاکہ جنگ ہو تاکہ اس میں شہید ہو اپنے بھائیوں سے جا ملیں۔ احد کے روز اللہ تعالیٰ نے
ان کی تمنائیں انہیں دکھادیں، تو سوائے چند کے جنہیں اللہ نے چاہا تھا شکست کھا گئے
اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی۔

نیز غزوہ اہدنبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کی (اطلاع وہی) کے لیے مقدمہ تھا اس
لیے انہیں متنبہ فرمایا اور فرار پر توجیح کی کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا قتل

ہو جائیں تو انہیں فرار نہیں ہونا چاہیے) بلکہ ان پر واجب یہ ہے کہ اس کے دین اور توحید پر قائم رہیں اور اسی پر مریں۔ ہر جان دار کو بہر حال موت آنی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ رہنے کے لیے مبعوث نہیں فرمایا۔ نہ وہ صحابہؓ اس کے لیے دنیا میں بھیجے گئے، بلکہ ان کا مقصد اتنا سلام و توحید کی خاطر مرنا ہے کیونکہ موت تو بہر حال آکر رہے گی۔ چاہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو جائیں یا زندہ رہیں اس وجہ سے جو دین سے پھر گئے ان پر اللہ تعالیٰ کی رجز نازل ہوئی۔ جب شیطان پہلا یا کہ محمد قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی، وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل ا فان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یتضر اللہ شیئاً وسیجزی اللہ الشاکرین۔

یعنی اور نہیں ہیں محمد مگر رسول تحقیق گذر چکے ان سے پہلے کئی رسول کیا پس اگر فوت ہو جائے یا قتل ہو جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جاؤ گے! اور جو اپنی ایڑیوں پر پلٹ جائے تو وہ ہرگز اللہ کو کچھ بھی ضرر نہیں دے سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس چیز کی خبر دی جس سے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں نے دشمنوں کے مقابلہ میں ہمیشہ مدد چاہی۔ اور وہ توبہ، استغفار اور اپنے پروردگار سے دعا ہے تاکہ ان کے قدم مضبوط رہیں اور ان کے اعداء کے خلاف اللہ ان کی مدد کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وما کان قولہم الا ان قالوا سرینا غفر لنا ذنوبنا واسراقنا فی امرنا وثبتت اقدامنا وامننا واصرنا علی القوم الکافرین فاتاہم اللہ ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرة واللہ یحب المحسنین۔

یعنی، ان کا قول یہی تھا کہ انہوں نے کہا "اے ہمارے پروردگار، ہمارے گناہ بخش دے اور امور میں ہماری زیادتی کو بخش دے۔ اور ہمیں ثابت قدم کر دے اور کافروں کی قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما پس اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا کا اجر اور آخرت کا بہتر اجر عطا فرمایا اور اللہ احسان

کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا | پھر انھیں یہ بھی بتایا کہ اللہ نے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کر کے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور وہ سچے وعدے

والا ہے۔ اس لیے اگر تم لوگ اطاعت پر جسے رہے اور رسولوں کی اطاعت کو لازم کر لیا تو اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہاری مدد کرے گا۔ لیکن اگر اطاعت کا جو اثا اور دبا اور مرکز (وحی) سے ہٹ گئے تو اللہ کی مدد الگ ہو جائے گی۔ اور سزا و ابتلا کی خاطر دشمنوں کا تسلط کر دیا جائے گا تاکہ معلوم ہو جائے معصیت اور اطاعت کے عواقب کیا ہوتے ہیں۔

نیز اس کے بعد یہ بھی بتا دیا کہ یہ ساری لغزشیں خدا نے معاف فرمادیں۔ اور اللہ تعالیٰ مومنین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔ اس طرح اس واقعہ میں کئی حکمتیں اور مومنین پر اللہ کی بے شمار نعمتیں ملتی ہیں۔

پھر اس میں تحدیہ و تحویف، ارشاد و تنبیہ، اسباب خیر و شر کی وضاحت ان کا مال و انجام پھر اپنے نبی اور مومنین کی تسلی و تشفی، جو ان میں سے منقول ہوئے ان کے متعلق انتہائی لطف و کرم اور رضا الہی کی ضمانت جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقدر فرمادی رغرض اسی طرح کے بے شمار انعامات ملتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَحْسِبَنَّ الَّذِينَ قَتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا بَلْ أحيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْزُقُونَ فَرَحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أِنْ لَاحَظُوا عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ۔

یعنی، "اور ان کو جو اللہ کی راہ میں قتل ہو گئے، انھیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے پروردگار کے ہاں، انھیں رزق ملتا ہے، خوشی میں جو اللہ نے انھیں دیا ہے اپنے فضل سے اور ان کے بعد جو ان سے ابھی نہیں ملے انھیں خوشخبری دیتے ہیں کہ ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔"

اسلام کے دو جانباز

ضیب بن عدی اور زید بن الدثنہ کا بے دردانہ قتل

ہجرت کے تیسرے سال شوال کی ساتویں تاریخ ہفتے کے دن غزوہ احد واقع ہوا، جیسا مذکور ہو چکا ہے اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کی طرف واپس تشریف لے آئے اور شوال ذوالقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کے مہینے وہیں ٹھہرے۔ جب محرم کا چاند طلوع ہوا۔ آپ کو معلوم ہوا کہ غویلد کے دونوں لڑکے اپنی قوم کے ہمراہ بنی اسد بن خزیمہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جنگ پر ابھار رہے ہیں۔ آپ نے ابو سلمہ کو بھیجا اور انھیں جھنڈا دیا اور آپ کے ہمراہ انصار اور مہاجرین کے ڈیڑھ صد افراد بھیجے، انھیں ایک اونٹ اور بکری ملی۔ اور ابو سلمہ یہ تمام (مال غنیمت) لے کر مدینہ واپس تشریف لائے۔

محرم کی یاںچویں تاریخ آپ کو معلوم ہوا کہ خالد بن سفیان ہذلی نے ایک گروہ جمع کیا ہے۔ آپ نے عبداللہ بن انس کو اس کی طرف بھیجا، انھوں نے اسے قتل کیا اور اس کا سر لے آئے اور آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے انھیں ایک عصا عنایت فرمایا یہ کہنے لگے کہ یہ میرے اور آپ کے درمیان تیامت کے دن علامت ہوگی۔ جب ان کی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے وصیت کی کہ اسے بھی ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ یہ اٹھارہ راتیں سفر میں رہے اور ہفتہ کے روز جب محرم میں سات دن باقی تھے واپس آئے۔ جب صفر آیا تو عضل اور قارہ سے ایک قوم خدمت میں حاضر ہوئی۔ انھوں نے اسلام ظاہر کیا اور درخواست کی کہ ان کے ہمراہ ان صحابہ کو بھیجا جائے کہ جو دین کے عالم ہوں اور انھیں قرآن پڑھائیں۔ ابن اسحق کے قول

کے مطابق آپ نے چھ آدمی بھیجے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ دس آدمی تھے اور مرشد بن ابی مرشد غنوی کو ان کا امیر بنایا۔ ان میں خبیب بن عدی بھی تھے۔ یہ ان کے ہمراہ چلے گئے۔ جب یہ لوگ رزیح میں پہنچے۔ یہ ججاز کے ایک طرف کا چشمہ ہے (کفار نے یہاں دھوکہ دیا اور ان پر حملہ کر دیا اور احاطہ کر لیا اور قتل عام کر دیا۔ خبیب بن عدی اور زید بن دثنہ گرفتار ہو گئے۔ ان دونوں کو بے گئے اور انہیں مکہ میں بیچ دیا۔ ان دونوں نے غزوہ بدر میں کفار کے سرداروں کو داخل جہنم کیا تھا۔ حضرت خبیبؓ تو ان کے ہاں قید ہو گئے اور سارے مل کر ان کو قتل کرنے کے لیے حرم سے نکال کر تنقیم میں لے آئے۔ جب انہیں سولی پر چڑھانے لگے تو انہوں نے کہا مجھے دو رکعتیں پڑھ لینے دو۔ انہوں نے چھوڑ دیا۔ انہوں نے دو رکعتیں پڑھیں۔ جب سلام پھیرا۔ تو فرمایا، اللہ کی قسم اگر تم یہ نہ کہو کہ یہ بزدل ہے تو میں زیادہ پڑھتا۔ اس کے بعد (کفار) کے لیے بددعا کی، اسے اللہ انہیں تباہ کر دے انہیں قتل کر دینا اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہ چھوڑنا۔

ابوسفیان کہنے لگا، کیا تم نہیں پسند کرتے کہ اس وقت تم اپنے بال بچوں میں زندہ ہوتے۔ اور محمد ہمارے پاس آتے اور ہم ان کی گردن مارتے (نعوذ باللہ)
انہوں نے فرمایا، اللہ کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ میں اپنے اہل و عیال میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ پر جہاں کہ وہ ہیں ایک کانٹا ہی چبھ جائے۔

واقعہ بیر معونہ

اسی یعنی ہجرت کے پوتے تھے سال صفر کے چھپنے میں بیر معونہ کا واقعہ درپیش آیا۔ یہ واقعہ اس طرح ہو کہ ابو برداد عامر بن مالک مدینے آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی لیکن اس نے اسلام قبول نہیں کیا۔ اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر آپ اہل نجد کی طرف صحابہؓ کو اپنے دین کی طرف دعوت دینے کے لیے بھیجیں تو مجھے امید ہے وہ قبول کر لیں گے آپ نے فرمایا کہ مجھے اہل نجد سے خطرہ ہے۔

ابو برداد کہنے لگا کہ میں ساتھ ہوں۔ آپ نے اسی کے ہمراہ ابن اسحاق کے قول کے مطابق چالیس آدمی روانہ فرمائے۔ لیکن صحیح حدیث میں ہے کہ وہ ستر تھے اور منذر بن عمرو کو ان کا امیر بنایا۔ یہ صحابہؓ اہل اسلام میں سے بڑے بڑے مراتب والے بزرگ تھے اور قراد اور علماء پر مشتمل تھے۔ یہ پیل پڑے اور بیر معونہ پر اترے۔

یہ علاقہ بنو عامر اور مرق بن سلیم کا تھا۔ انھوں نے ام سلیم کے بھائی حرام بن سلمان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکتوب دے کر اللہ کے دشمن عامر بن طفیل کی طرف بھیجا۔ اس نے نظر بھی نہ ڈالی اور ایک آدمی کو اشارہ کیا، اس نے پیچھے سے نیزہ مار دیا، وہ بدن کے پار ہو گیا اور جب اپنا خون بہتے دیکھا تو فرمایا برب کعبہ میں تو کامیاب رہا۔

پھر اللہ کا یہ دشمن جلدی سے بنی عامر کی طرف گیا تاکہ باقی سے قتال کیا جائے لیکن انھوں نے ابو برداد کی ہمراہی کے باعث انکار کر دیا۔ پھر یہ بنو سلیم کی طرف گیا چنانچہ عصیہ رعل اور ذکوان تیار ہو گئے۔ اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد گھیرا ڈال لیا۔ اور ان سے مقاتلہ کیا یہاں تک کہ کعب بن زید بن نجار کے سوا تمام کو شہید کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ مقتولوں میں پڑے اور بعد میں زندہ رہے آخر غزوہ خندق میں شہید ہو گئے۔

عمر بن منذر ضمری اور منذر بن عتبہ بن عامر نے دیکھا کہ جنگ کی جگہ پر ندے اتر رہے ہیں چنانچہ منذر بن محمد اترے اور مشرکین سے ستائش کیا آخر یہ بھی شہید ہو گئے اور عمر بن ضمری گرفتار ہو گئے۔ جب انھوں نے کہا کہ مضر قبیلہ میں سے ہوں، تو انھیں رہا کر دیا گیا۔ اب عمر بن امیہ واپس تشریف لائے۔ اور ایک نہر کے کنارے قرقرہ میں ٹھہرے اور ایک درخت کے سایہ کے نیچے اترے۔ اس کے بعد بنو کلاب کے دو آدمی بھی دبا آگئے اور وہ بھی ان کے ساتھ رہیں اتر پڑے۔ جب وہ سو گئے تو عمر نے انھیں قتل کر دیا۔ اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ عرض کیا تو آپ نے فرمایا، تم نے دو آدمیوں کو قتل کر دیا۔ میں ان کی دیت دوں گا۔

قنوت نازلہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک قنوت نازلہ پڑھی اور جن لوگوں نے مبلغین اسلام کو پیر معوزہ میں قتل کر دیا۔ ان کے خلاف بددعا کی۔ آپ نے رکوع کے بعد قنوت پڑھی۔ جب وہ لوگ تائب مسلمان ہو کر حاضر ہوئے، تو آپ نے قنوت پڑھنا ترک کر دیا۔

غزوة ذات الرقاع

نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات الرقاع کے غزوہ میں خود حصہ لیا۔ یہ نجد کا غزوہ ہے۔ ہجرت کے چوتھے سال جمادی الاول کے مہینے میں آپ تشریف لے گئے۔ ایک قول کے مطابق حرم میں آپ محارب اور بنی ثعلبہ بن سعد بن عطفان کی طرف گئے۔ مدینہ پر حضرت ابوذر غفاری کو عامل بنایا۔ ایک قول کے مطابق حضرت عثمان بن عفان کو عامل بنایا۔ آپ چار سو صحابہ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ ایک روایت سات سو کی متی ہے۔ آخر آپ عطفان کی فوج کے سامنے پہنچے۔ اُسے سامنے دونوں فوجیں کھڑی ہو گئیں لیکن قتال نہ ہوا۔ ہاں صرف یہ ہوا کہ آپ نے اس دن صلوٰۃ خوف ادا فرمائی۔ اس غزوے کے متعلق ابن اسحاق اور اہل سیر و مغاری کا یہی قول ہے یہ مسئلہ بہت مشکل سا ہے کیونکہ یہ صحیح طور پر مروی ہے کہ خندق کے غزوہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز عصر پر سے روکا گیا۔ سنن، مسند احمد اور شافعی رحمہما اللہ میں ہے کہ انہوں نے نماز ظہر و عصر، مغرب اور عشاء سے روکے رکھا پھر آپ نے تمام نمازیں اکٹھی ادا کیں لیکن یہ صلوٰۃ خوف کے نزول سے پہلے کا واقعہ ہے اور خندق کا غزوہ ذات الرقاع کے بعد شہ کاب سے اور ظاہری طور پر یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عسفان میں پہلی صلوٰۃ خوف ادا کی۔

بدر موعود یا بدر ثانیہ

یہ واقعہ تو گذر چکا ہے کہ ابوسفیان نے واپسی پر کہا تھا کہ اب ہمارا اور تمہارا وعدہ اگلے سال بدر پر ملاقات (جنگ) کا ہے۔ چنانچہ جب شعبان کا مہینہ آیا۔ ایک قول کے مطابق اگلے سال کا ذی قعدہ کا مہینہ آیا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعدہ کے مطابق ایک ہزار پانچ سو کا لشکر لے کر نکلے۔ حضرت علی بن ابی طالب کو جھنڈا دیا گیا۔ اور مدینہ میں عبداللہ بن رواحہ کو عامل بنایا۔ آخر آپ بدر کے مقام پر پہنچے اور وہاں اٹھ دن تک اقامت پذیر رہے اور مشرکین کا انتظار کرتے رہے۔ ابوسفیان مکہ سے دو ہزار کا لشکر لے کر نکلا اور ان کے پاس پچاس سوار تھے۔

جب یہ ملاحظہ ان پہنچے جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے پر ہے۔ ابوسفیان کہنے لگا، یہ خشک سالی کا سال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم واپس لوٹ جائیں۔ چنانچہ واپس چلے گئے اور وعدہ خلافی کے مرتکب ہوئے۔ اس لیے اسے غزوہ بدر موعود، یا غزوہ بدر ثانی کا نام دیا جاتا ہے۔

غزوة مریح اور واقعہ افک

حضرت عائشہ صدیقہ پر منافقوں کی تہمت اور اس کے اثرات

واقعات کی ضروری تفصیل

شعبان ۳ھ میں یہ غزوة ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ

حرث بن ابی حزار جو نبو مصطلق کا سردار ہے، اپنی قوم اور دیگر عربوں کو لے کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ آپ نے بربدہ بن حصیب اسلمی کو خبر لانے کا حکم دیا۔ یہ گئے اور حرث بن ابی حزار سے ملے اور اس سے گفتگو کی۔ اس کے بعد حاضر خدمت ہو کر تمام ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیزی سے نکلے آپ کے ہمراہ ترافیلین کا ایک گروہ بھی نکل آیا۔ جو اس سے قبل کسی غزوة میں شریک نہ ہوا تھا۔ زید بن حارثہ کو آپ نے مدینہ پر عامل مقرر فرمایا۔ ایک قول ابو ذر کے متعلق بھی ہے ایک قول ثمیمہ بن عبد اللہ لیشی کے متعلق ہے۔ آپ پیر کو نکلے حرث بن حزار اور اس کے ساتھیوں کو آپ کی اور صحابہؓ کی آمد کی اطلاع ملی تو خوف کے مارے عرب کے قبائل اس سے الگ ہو گئے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریح پہنچے، یہ پانی کی جگہ تھی۔ یہاں آپ کا خیمہ گاڑا گیا۔ آپ کے ہمراہ عائشہؓ اور ام سلمہؓ تھیں چنانچہ قتال کی تیاری کی گئی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کی صف بندی کی۔ مہاجرین کا جھنڈا حضرت ابو بکرؓ کے پاس اور انصار کا

حضرت سعد بن عبادہ کے پاس تھا۔ ایک ساعت تیر اندازی ہوئی اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دفعۃً حملہ کرنے کا حکم دیا۔ اسی وقت اللہ کی مدد پہنچی، اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ کفار شکست کھا گئے۔ کچھ ان میں سے قتل ہوئے۔ عورتوں اور بچوں کو گرفتار کیا گیا۔ جانور اور بکریاں مال غنیمت کے طور پر ہاتھ لگیں۔ صرف ایک مسلمان شہید ہوا۔ عبدالمومن بن خلف نے سیرت میں یہی لکھا ہے حالانکہ یہ ان کا دہم ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ قتال نہیں ہوا بلکہ آپ نے اچانک حملہ کیا تھا، چنانچہ ان کی اولاد گرفتار ہوئی اور مال ہاتھ لگا۔

حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے عقید میں اگر فتنہ شدگان میں حضرت جویریہ بنت حارث بھی آئیں۔ یہ حارث اپنی قوم کا سردار تھا۔ یہ

ثابت بن قیس کے حصے میں آئیں۔ انہوں نے ان سے کتابت کر لی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کتابت کی رقم ادا فرمائی پھر ان سے نکاح کر لیا۔ اس پر مسلمانوں نے نبی مصطفیٰ کے تقریباً سو غلام آزاد کیے جو مسلمان ہو چکے تھے اور کہا:

یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسرال ہیں۔ ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس غزوہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے باہر گر گیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کی تلاش کی وجہ سے رک گئے چنانچہ تیمم کی آیت نازل ہوئی۔

یہ واقعہ اس طرح تھا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس غزوہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ آئیں۔ کیونکہ ان ہی کے نام قرعہ سفر میں جانے کا نکلا تھا۔ آپ کا اپنی اندراج مطہرات کے ساتھ یہی طریقہ تھا۔ جب غزوہ سے واپس ہوئے۔ اور ایک جگہ ٹھہرے۔ حضرت عائشہ کسی ضرورت سے باہر تشریف لے گئیں اور جو بار انہوں نے اپنی ہمیشہ سے مستعار لیا تھا وہ کھو دیا۔ چنانچہ دوبارہ وہیں اس کی تلاش میں گئیں اتفاق سے اسی وقت جو لوگ ان کا ہودج اٹھا کر لے جاتے تھے، حاضر ہوئے انہوں نے سمجھا ام المومنین سے اس کے اندر ہیں۔ انہوں نے اسے اٹھا لیا اور اس کے ہلکے پن کا احساس نہ کیا کیونکہ ان دنوں ام المومنین رضی اللہ عنہا چھوٹی عمر کی تھیں نیز اٹھانے والے نہ یادہ تھے، اس لیے بھی انہیں

احساس نہ ہوا۔ اور اگر ایک یا دو آدمی اٹھاتے تو یہ معاملہ ان سے مخفی نہ رہتا۔
 ہار کی تلاش کرنے کے بعد ام المومنین حضرت عائشہ واپس تشریف لائیں تو دیکھا کہ قافلہ
 جا چکا ہے اور وہاں کوئی آدمی بھی نہیں رہا۔ چنانچہ وہیں بیٹھ گئیں اور یہ خیال کیا کہ
 جب وہ انہیں ہودج میں نہ پائیں گے تو تلاش کرتے ہوئے واپس نہیں آئیں گے اور
 اللہ تعالیٰ اپنے کام پر غالب ہے۔ اپنے عرش پر سے جیسے چاہتا ہے امور کی تدبیر کرتا
 ہے پھر ان پر نیند کا غلبہ ہوا اور سو گئیں اور صفوان بن معطل (جو قافلے کے پیچھے پیچھے
 آ رہے تھے) کی آواز سے جاگیں۔ انہوں نے دیکھ کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی زوجہ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہ صفوان قافلے سے پیچھے رہتے تھے کیونکہ یہ سوتے زیادہ تھے۔ جیسا کہ صحیح ابن
 حاتم میں مروی ہے اور سنن میں ہے کہ جب انہوں نے ام المومنین کو دیکھا تو پہچان
 لیا اور پردے کے حکم سے قبل انہوں نے انہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ انہوں نے استرجاح کہا
 انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور اپنی اونٹنی کو بٹھا کر ان کے قریب کر دیا۔ وہ سوار
 ہو گئیں اور اس کے علاوہ کوئی بات نہ کی۔ ام المومنین نے اس کے علاوہ ان سے اور کوئی
 کلام نہیں سنا۔ اس کے بعد وہ آگے آگے چل پڑے یہاں تک کہ قافلے سے ان ملے۔
 جس جگہ لشکر دوپہر کے وقت اترا ہوا تھا۔

جب لوگوں نے یہ معاملہ دیکھا تو ہر آدمی
 چہ میگوئیاں اور طرح طرح کی باتیں
 نے اس معاملہ پر گفتگو کی۔ عبد اللہ بن ابی
 جلیے منافق نے بغض و نفاق کا مظاہرہ کیا۔ اور اس واقعہ کو رنگ دے کر خوب پھیلانے
 اور ہوا دینے لگا۔ صحابہؓ بھی اس کے قریب ہو جایا کرنے۔ جب مدینہ پہنچے تو پھر منافقین
 کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے اور صحابہؓ سے مشورہ کیا۔
 حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الگ ہونے کا مشورہ دیا اور صراحتاً نہیں بلکہ تلویحاً عرض
 کیا۔ آپ دوسری شادی کر لیں۔ حضرت ابو ایوبؓ انصاری اور دوسرے کبار صحابہؓ
 نے جب یہ معاملہ دیکھا تو فوراً بول اٹھے۔ اللہ پاک ہے۔ یہ بہت بڑی تہمت ہے

کیونکہ انہیں یقین ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جبیلہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بالائز میں کہ اللہ انہیں کسی معصیت میں مبتلا کرے۔

آخر جب اللہ تعالیٰ نے ان کی برأت نازل فرمائی تو کہنے لگیں کہ میں خود آپ کی طرف نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد بیان کرتی ہوں۔ اسی نے میری برأت نازل فرمائی۔ نیز ایک ماہ تک وحی رک جانا بھی حکمت کے مطابق تھا کہ یہ معاملہ خوب پختہ ہو جائے، اور مسلمانوں کے قلوب اللہ کی وحی کی جانب مائل ہو کر اس کی عظمت میں ڈوب جائیں۔ اور وحی کی طرف شدت تمنا سے جھک پڑیں۔ آخر جس معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اہل بیت و صحابہؓ وحی کے محتاج تھے۔ وہ اس طرح آئی کہ جیسے سخت پیاسی زمین پر بارش آتی ہے۔ چنانچہ وحی ایک مناسب اور بہتر موقع پر آئی اور اہل اسلام کو اس سے مکمل اور بدرجہ اتم نشاط و مسرت حاصل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی کرامت و شرف ظاہر کی آپ کو اس مشکل سے نجات عطا فرمائی۔

منافق کو کوڑے کیوں نہیں لگائے گئے | جب ام المومنین کی برأت نازل ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگاتے

والوں پر حد قذف لگانے کا حکم دیا۔ چنانچہ انہیں اتنی اتنی دڑے مارے گئے، البتہ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی کو حد نہیں لگائی گئی، حالانکہ وہ اس افتراء بازی کا سرغنہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدود اس لیے ہوتی ہیں تاکہ گناہ گار کو ان سے پاک کیا جائے اور یہ بد نخت اس سعادت کا اہل نہ تھا اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آخرت میں سخت ترین عذاب کا وعدہ کر رکھا تھا، اس لیے اسے وہی (عذابِ آخرت) ہی کافی تھا۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ اقرار یا بیئہ کے بعد حد جاری کی جاتی ہے لیکن اس بد نخت نے علانیہ طور پر اقرار نہیں کیا اور نہ بیئہ قائم ہوا کیونکہ وہ یہ تمام باتیں اپنے

منافق ساجھیوں میں ہی کیا کرتا تھا اور وہ اس کے خلاف گواہی نہ دیتے۔ اور مومنین کے درمیان اس نے ایسی بات کا تذکرہ (خطرے کی وجہ سے) نہیں کیا۔

حضرت عائشہؓ کے طرزِ عمل کی توجیہ | جب برأت نازل ہوئی تو حضرت صدیقہؓ کا طرزِ عمل بھی قابلِ غور

ہے۔ جب ان کے والدین نے فرمایا اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جاؤ، تو کہنے لگیں، اللہ کی قسم میں ان کی طرف خود نہ جاؤں گی اور میں صرف اللہ ہی کی حمد کروں گی، اس سے ان کے علم و معرفت اور قوتِ ایمان کا پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت کو محض اللہ کے ساتھ مخصوص رکھا اور تجدیدِ توحید کی۔ انہوں نے یہ حملہ صلح نہ کرنے کی وجہ سے نہیں کہا، بلکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثقہ، محبت اور ایک حبیب کے سامنے ناز دکھانے کے لیے جیسے کرتا ہے، اسی طریق پر یہ کلام کیا اور یہ مقام بھی ناز کے تمام مقامات سے زیادہ ناز کا تھا۔

منافق کے قتل سے آپؐ کا انکار | اس غزوہ سے واپسی پر عبداللہ بن ابی نے جو منافقین کا سردار تھا، کہا کہ

اگر ہم مدینہ واپس گئے تو عزت والے ذلت والوں کو وہاں سے باہر نکال دیں گے۔ حضرت زید بن ارقم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچادی۔ عبداللہ بن ابی عندر کرتا ہوا آیا اور قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ منافقین میں حضرت زید کی تصدیق نازل فرمائی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید سے فرمایا۔ خوش ہو جا۔ اللہ نے تیری تصدیق کر دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ عباد بن بشیر کو حکم دیں کہ اس بد نخت کی گردن مار دیں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں لوگ کہیں گے محمدؐ اپنے ساجھیوں کو قتل کر دیتے ہیں۔

غزوة خندق

دشمن اسلام یہودی سردار ابورافع کا قتل

دو اقوال میں سے زیادہ صحیح قول کے مطابق یہ غزوة شہد کو شوال میں ہوا کیونکہ غزوة احد بلا اختلاف ۳ھ میں ہوا۔ اور مشرکین نے اُسندہ سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مقابلہ کرنے کا عہد کیا۔ یہ ۳ھ میں ہوئی لیکن اس سال قحط کی وجہ سے انہوں نے عہد شکنی کی اور واپس لوٹ گئے۔ جب شہد ہوئی تو جنگ کے لیے آئے، اہل سیر و معازی کا یہی قول ہے۔ اس کے برعکس موسیٰ بن عقبہ نے کہ یہ ۳ھ میں ہوا ابو محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ یہ صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

یہود اور قریش کا اتحاد اسلام کے خلافاً غزوة خندق کا سبب یہ تھا کہ جب یہود نے احد کے دن مسلمانوں کے خلاف مشرکین

کی نصرت دیکھی اور انہیں مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے ابوسفیان کا وعدہ معلوم ہوا کہ وہ اس سال نکلے اور اُسندہ سال آنے کے لیے واپس چلے گئے تو (یہود کے) بڑے سردار سلام بن ابی حقیق سلام بن مشکم اور کنانہ بن ربیع وغیرہ مکہ میں قریش کے پاس گئے۔ انہیں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اکسایا۔ ان سے اظہار دوستی کیا اور ان کی مدد کرنے کا وعدہ کیا۔ قریش نے قبول کر لیا۔ پھر یہ لوگ غطفان

کے پاس گئے۔ انہیں بھی اس کام کی دعوت دی وہ بھی مان گئے۔ اس کے بعد عرب کے دیگر قبائل کو اس پر آمادہ کر لیا۔

بالآخر قریش ابو سفیان کی قیادت میں چار ہزار کا لشکر لے کر نکلے۔ مرانظہر ان میں بنو سلیم بھی ان سے مل گئے۔ نیز بنو اسد، فزارہ، اشجع اور بنو مرہ بھی ان سے ملے۔ عطفان اور ان کا سردار عینید بن حصن بھی آگیا۔ اس طرح غزوہ خندق میں (کفار کی تعداد) دس ہزار ہو گئی جنہوں نے اس میں حصہ لیا تھا۔

جب بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آمد کا حال سنا تو صحابہؓ سے مشورہ کیا۔ حضرت سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا جو مدینہ اور دشمن کے درمیان حائل ہو جائے آپ نے خندق کھودنے کا حکم دے دیا۔ مسلمان تیزی سے اس کام میں مصروف ہو گئے آپ خود بھی اس کام میں عملاً شریک ہوئے۔ کفار بھی بڑی تیزی سے آئے۔ اس خندق کے واقعہ میں بھی آپ کی نبوت و رسالت کی علامات واضح تھیں جو کثرت و تواتر سے منقول ہیں۔

سلاح کے سامنے خندق کھودی گئی۔ یہ پہاڑ تھا جو مسلمانوں کی پشت پر تھا اور سامنے مسلمانوں اور کفار کے درمیان خندق حائل تھی۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار صحابہؓ کو لے کر میدان میں تشریف لائے ابن اسحاق کہتے ہیں کہ آپ سات سو صحابہؓ کو لے کر تشریف لائے، لیکن یہ غلط ہے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں اور بچوں کے متعلق حکم دیا، چنانچہ انہیں مدینہ کے قلعوں میں بٹھا دیا گیا اور ابن ام مکتومؓ کو ان کا پہرہ بدار مقرر کیا گیا (ادھر احمی بن اخطب بنو قریظہ کے پاس آیا۔ ان کے قلعے کے قریب پہنچا، لیکن کعب بنی اسد نے قلعہ کھولنے سے انکار کر دیا۔ وہ اس سے بات چیت کرتا رہا۔ آخر کار اس نے قلعہ کھول دیا۔ جب وہ اس کے پاس گیا تو کہنے لگا۔

میں تیرے پاس زمانے کی عزت لایا ہوں۔ قریش، عطفان اور بنو اسد کو مع ان کے سرداروں کے لایا ہوں (جو) محمدؐ سے جنگ کریں گے۔

کعب نے جواب دیا اللہ کی قسم تو میرے پاس زمانہ کی ذلت اور ایسا بادل لایا ہے

جو اپنا پانی بہا چکا ہے، وہ گر جتا اور چمکتا ہے (لیکن برستا نہیں) لیکن طویل مباحثہ کے بعد آخر کار یہ لوگ بھی عہد شکنی پر تیار ہو گئے اور مشرکین کے ساتھ مل کر جنگ میں شریک ہو گئے۔ اس سے مشرکین بہت مسرور ہوئے۔ نیز کعب نے حئی بن اخطب سے یہ شرط کی کہ اگر وہ محمدؐ کے خلاف کامیاب نہ ہو سکیں تو حئی بن اخطب بھی یہود کے ہمراہ ان کے قلعے میں داخل ہو جائے گا تا کہ جو سزا انہیں ملے اسے بھی مل کر رہے۔ اس نے قبول کر لیا۔

بنو قریظہ کی عہد شکنی | بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو بنو قریظہ اور ان کی عہد شکنی کی اطلاع ملی، تو آپ نے سعد بن بنہ، خوات بن جبر اور عبد اللہ بن

ارواح کو صورت حال معلوم کرنے کے لیے ارسال فرمایا۔ جب یہ قریب پہنچے تو انہیں بدترین حالت میں دیکھا اور یہ دیکھ کر کہ یہود دشنام طرازی اور عداوت کا مظاہرہ کر رہے ہیں، یہ لوگ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس چلے گئے اور آپ کو مطلع کیا کہ یہ لوگ غدر اور نقص عہد پر مائل ہیں، مسلمانوں کو اس بات کا بڑا صدمہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ اکبر! اللہ سب سے بڑا ہے! اے مسلمانو! خوش ہو جاؤ، ایتلا وشدید تر صورت اختیار کر گیا۔ اور نفاق ظاہر ہو گیا۔ بنی حارثہ نے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے واپس جانے کی اجازت طلب کی اور کہنے لگے کہ ہمارے گھر خالی ہیں، حالانکہ وہ خالی نہیں تھے بلکہ فرار ہونا چاہتے تھے۔ یہ لوگ بنو سلمہ سے تعلق رکھتے تھے۔ پھر آپ نے دونوں گروہوں کو مضبوط کیا اور مشرکین نے ایک ماہ تک محاصرہ کیے رکھا۔ لیکن خندق کے حامل ہونے کے باعث مسلمانوں اور مشرکین میں قتال نہ ہو سکا۔ صرف قریش کے چند سوار خندق کی طرف بڑھے جن میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ جب یہ اس کے قریب آئے تو کہنے لگے یہ ایک مکر ہے۔ اور عرب لوگ اس سے واقف نہ تھے۔ پھر خندق میں ایک تنگ جگہ کا راہ کیا اور خندق اور بہاؤ کے دو میدان انہوں نے کودنے کی کوشش کی۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے عمرو بن عبدود سے مقاتلہ کیا۔ حضرت علیؓ کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے اسے قتل کیا۔ یہ مشرکین کے بہادروں اور جنگجو لوگوں میں سے تھا، باقی مشرکین واپس بھاگ گئے اور مسلمانوں کا شعار ”حر لا ینصرون“ تھا۔ جب مسلمانوں پر یہ صورت حال طویل ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عبیدہ بن حصن اور حرث بن عوف جو غطفان کے دونوں سردار تھے مدینہ کے پہلوں کے ثلث پر مصالحت کا ارادہ فرمایا۔ سعد بن سے آپ نے اس مسئلہ میں مشورہ کیا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول اگر اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے تو پھر بسرو چشم اور اگر آپ خود کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم اور ہماری قوم مشرک تھی۔ بنوں کی پوجا کرتی تھی۔ اس وقت یہ لوگ صرف مہمانی یا خرید کی صورت میں کھا سکتے تھے اب جب کہ اللہ نے ہم کو اسلام سے عزت بخشی اور ہمیں ہدایت دی اور آپ کی سرپرستی سے ہمیں عزت عطا فرمائی ہے تو آج ہم انہیں مال دیں؟ اللہ کی قسم ہم انہیں لڑے بغیر ہرگز مال نہ دیں گے۔ آپ نے ان کی رائے کی تصویب فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ محض خود کیا تھا کیونکہ میں نے دیکھا کہ عربوں نے ایک ہو کر تم پر حملہ کیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جس کی حمد ہے اپنے پاس سے قضا بھیجی اور دشمن کو رسوا کیا ان کے لشکر کو شکست دی۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین پر ہوا چلائی جس سے ان کے خیمے اکھڑ گئے۔ ان کی ہانڈیاں الٹ گئیں اور تمام خیمے اڑ گئے۔ اور ان کا ٹھہرنا دشوار ہو گیا اور اللہ کے ملائکہ کا لشکر ان کو ملانے لگا اور ان کے دلوں میں رعب اور خوف ڈال دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حذیفہ بن یمان کو کفار کی خیر لینے کے لیے بھیجا انہوں نے دیکھا وہ کوچ کرنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں، چنانچہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف واپس حاضر ہوئے اور آپ کو ان کے کوچ کرنے کی اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے دشمن کو دور کیا۔ انہیں کچھ بھی خیر حاصل نہ ہوئی اور جنگ میں بس خدا ہی مسلمانوں کی طرف سے کافی رہا۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے لشکر کو عزت بخشی۔ اپنے بندے کی مدد فرمائی اور تنہا کفار کو شکست دی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں داخل ہوئے اور ہتھیار اتار دیئے۔ اس کے بعد آپ حضرت ام سلمہؓ کے گھر میں غسل فرما رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ نے ہتھیار رکھ دینے لیکن فرشتوں نے ابھی ہتھیار نہیں اتارے۔ اٹھئے اور ان دنوں قرینہ سے جنگ کرنے کے لیے نکلے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منادی کو وادی کہ جو سننے اور اطاعت کرنے والا ہے اسے چاہیے کہ بنو قرینہ میں جا کر نماز عصر پڑھے۔ مسلمان بڑی تیزی سے نکلے۔ آپ اور بنو قرینہ میں جو واقعات ہوئے وہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ غزوہ خندق اور بنو قرینہ کی جنگ میں دس مسلمان شہید ہوئے۔ ایک آدمی نے جی بن اخطب کو قتل کیا تھا۔ اس زمانہ میں عبداللہ بن ہدی نے یہودی سردار ابو رافع کو قتل کر دیا۔ یہ اوس سے ویرج کی چشمک کا نتیجہ تھا۔

سریہ نجد

ایک بدترین دشمن اسلام کس طرح حلقہ بگوش اسلام ہوا؟

اس کے بعد بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی طرف لشکر روانہ فرمایا، چنانچہ وہاں سے بنی حنیفہ کے سردار ثمامہ بن اثال حنیفی کو گرفتار کر کے لائے۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا، پھر آپ اس کے پاس سے گزرے اور فرمایا، اے ثمامہ تمہارا کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، اے محمد اگر آپ مجھے قتل کریں تو ایک قاتل کو قتل کریں گے اور اگر معاف کریں تو ایک شکر گزار کو معاف کریں گے۔ اور اگر آپ مال چاہتے ہوں تو فرمائیے جتنا درکار ہو میں دوں گا۔

آپ (آگے بڑھ) گئے پھر دوبارہ پاس سے گزرے اور وہی سوال کیا۔ اس نے وہی جواب دیا۔ پھر تیسری بار گزرے تو فرمایا، ثمامہ کو چھوڑ دو (صحابہؓ نے انہیں چھوڑ دیا یہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے پاس گئے۔ غسل کیا، پھر واپس آکر اسلام قبول کر لیا اور کہا:

اللہ کی قسم میرے نزدیک زمین پر آپ کے چہرے سے زیادہ کوئی مبعوض چہرہ نہ تھا لیکن اب یہ چہرہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ خدا کی قسم آپ کے دین سے زیادہ مجھے زمین پر کوئی دین مبعوض نہ تھا لیکن اب آپ کا دین تمام ادیان سے زیادہ محبوب بن چکا ہے۔ اب میں عمرہ ادا کرنا چاہتا ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب یہ قریش کے پاس آیا تو کہنے لگے۔

اے شامہؓ کیا تو اپنے پرانے دین سے پھر گیا؟

انہوں نے جواب دیا، نہیں اللہ کی قسم بلکہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ اور اللہ کی قسم یہاں سے تمہیں گندم کا ایک دانہ بھی آپ کی اجازت کے بغیر نہ ملے گا۔

یہاں تک کہ پیدوارسی علاقہ تھا۔ چنانچہ یہ اپنے علاقے میں واپس چلے گئے اور مکہ کی طرف غلہ بھیجتا بند کر دیا۔ قریش سخت تنگ آ گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت وادی کا واسطہ دے کر سوال کیا کہ وہ شامہؓ کو لکھیں کہ غلہ ان کی طرف بھیجا جائے۔ آپ نے انراہ رحم گندم بھیجنے کی ہدایت فرمادی۔

صلح حدیبیہ

ظاہری شکست کے پردے میں حقیقی فتح و عظمت کا پہلو

مسلمانوں کے ایمان کا امتحان | نافعؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب ذی قعدہ میں ہوئی اور یہی درست بھی ہے۔ زہریؒ، قتادہؒ، موسیٰ بن عقبہؒ اور محمد بن اسحاقؒ نے بھی یہی فرمایا ہے اور صحیحین میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چار عمرے کیے۔ یہ تمام عمرے ذی قعدہ میں کیے۔ ان میں سے ایک عمرہ حدیبیہ کا ذکر کیا۔ آپ کے ہمراہ پندرہ سو صحابہ تھے۔ قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن مسیب سے دریافت کیا جو لوگ بیعت رضوان میں شریک ہوئے انکی تعداد کیا تھی انہوں نے جواب دیا۔ پندرہ سو، میں نے کہا حضرت جابرؓ سے دونوں قول صحت سے مروی ہیں اور ان سے ثابت ہے کہ انہوں نے حدیبیہ کے سال ستر اونٹ ذبح کیے اور ایک اونٹ سات کی جانب سے تھا۔ ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ کی تعداد کیا تھی انہوں نے فرمایا، ہمارے پیدل اور سوار ملا کر چودہ سو تھی۔

مسلمانوں کی طرف سے عمرے کی تیاری | جب یہ لوگ ذی الحلیفہ میں پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کے جانوروں کو قلاوے ڈال دیے اور شعار لگا دیئے اور عمرے کا احرام باندھ لیا اور بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قریش کی خبر لانے کے لیے بھیجا، جب آپ مسقان کے قریب پہنچے تو مخبر حاضر ہوا اور عرض کیا۔ میں نے کعب بن موسیٰ کو دیکھا کہ اس نے کافی فوج جمع کی ہے اور ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے۔ اور وہ آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو کعبہ کی زیارت سے

روکنا چاہتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا فرمایا: کہ تمہارا کیا حال ہے! کہ ہم ان کی اولاد کی طرف چلیں۔ بہنوں نے ان کی مدد کی ہے، انہیں قابو میں کر لیں۔ اگر وہ بیٹھ رہے تو مخزوم و نگیمن بیٹھیں گے اور نجات پاگئے تو ایسی گردنیں ہوں گی جنہیں اللہ نے قطع کیا ہے یا تمہاری رائے ہے کہ بیت اللہ کا قصد کر لیں اور جو ہمیں اس کی زیارت اسے روکے اس سے ہم مقابلہ کریں۔

حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا! اللہ اور اس کا رسول خوب جانتا ہے، ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قتال کے لیے نہیں آئے وہاں البتہ اگر کوئی ہمارے اور اللہ کے درمیان حائل ہو تو ہم اس سے بے شک مقابلہ کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر چلو! چنانچہ سب چل پڑے۔ جب یہ راستے میں تھے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خالد بن ولید قریش کی ایک جماعت کے ساتھ غیم میں تھے۔ اس لیے دائیں کا خیال کرو مگر بخدا خالد کو ان کا پتہ تک نہ چلا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے۔ آخر آپ دپر سے راستہ میں پہنچے جہاں آپ کو اترنا تھا۔ آپ کی اونٹنی بیٹھ گئی۔ لوگوں نے کہا اترو اترو! اونٹنی اب بیٹھی رہی۔ لوگ کہنے لگے قصوادر حضور کی اونٹنی کا نام ہے ارک گئی قصوادر رک گئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قصوادر نہیں رکی۔ نہ یہ اس کا طریقہ ہے۔ بلکہ انہیں ہاتھوں کو روکنے والی ذات (خدا) نے روکا ہے۔ پھر فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ تم جو خط بھی مجھ سے طلب کرو جس میں اللہ کی حرکات کی تعظیم کی جائے میں تمہیں وہ خط عطا کروں گا۔ پھر آپ نے زہر کی۔ وہ اٹھ گئی اور آپ اس پر درست ہو کر بیٹھ گئے اس کے بعد آپ حدیبیہ کے آخر میں ایک ایسے تالاب پر اترے جس میں تھوڑا سا پانی تھا۔ جسے لوگ نکالتے رہے۔ یہاں تک کہ ختم ہو گیا۔

آل حضرت کا معجزہ | پھر صحابہؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے ترش سے ایک تیر نکالا اور فرمایا کہ اسے اُس میں ڈال دو۔ روای کہتے ہیں کہ خدا کی قسم اس میں اس قدر جوش آیا کہ تمام صحابہ میرا

ہو گئے، پھر بھی پانی باقی بچ گیا۔

ادھر قریش کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے خطرہ محسوس ہوا۔ آپ نے ان کی طرف ایک صحابی کو روانہ کرنے کا ارادہ فرمایا: چنانچہ عمر بن خطاب کو بھیجنے کے لیے بلا یا۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول بنی کعب میں سے مکہ میں کوئی ایسا آدمی نہیں کہ اگر مجھے اذیت دی جائے تو اسے میری وجہ سے غصہ آئے، اس لیے عثمان بن عفان کو روانہ فرمایئے، کیونکہ ان کا خاندان وہیں ہے اور جو آپ چاہتے ہیں وہ پیغام بھی پہنچا دیں گے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن عفان کو بلا یا، اور قریش کی طرف بھیجا اور فرمایا کہ انہیں خبر دے دو کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم تو عمرہ کے لیے آئے ہیں اور انہیں اسلام کی دعوت بھی دو۔ اور حکم دیا کہ جب مکہ کے مومن مرد اور مومن عورتیں آئیں، تو ان کے پاس جاؤ انہیں فتح کی خوشخبری دے دو اور انہیں خبر دو کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کو مکہ میں بھی غالب کرنے والا ہے یہاں تک کہ یہاں وہ مخفی نہ رہے جو ایمان دار ہے۔

حضرت عثمان چل پڑے اور بلح کے قریب قریش کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے! فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ تمہیں اللہ اور اسلام کی دعوت دوں اور تمہیں خبر دے دوں کہ ہم جنگ کرنے کے لیے نہیں آئے ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں۔

وہ کہنے لگے جو تم نے کہا ہے ہم نے سن لیا ہے اس لیے اپنی حاجت پوری کرو۔ ابان بن سعید بن عاص اٹھا اس نے انہیں مرحبا کہا اور اپنے گھوڑے پر کاٹھی ڈال کر حضرت عثمان کو گھوڑے پر ڈال لیا۔ آخر یہ لوگ مکہ پہنچ گئے۔ دوسری طرف حضرت عثمان کی واسپی سے قبل مسلمانوں کو خیال ہوا کہ عثمانؓ ہم سے پہلے ہی کعبہ کا طواف کر لیں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نہیں سمجھتا کہ عثمان نے طواف کیا ہو جبکہ ہم محصور ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! انہیں کس بات کی رکاوٹ ہے، جب کہ انہیں موقع مل چکا۔ آپ نے فرمایا: میرا اس کے متعلق یہی گمان ہے کہ وہ تب تک طواف نہیں کریں گے جب تک ہم ان کے ہمراہ نہ ہوں۔

عثمان کی طرف سے آپ کی بیعت

مختلط ہو گئے۔ چنانچہ فریقین میں سے

ایک آدمی نے دوسرے فریق کے ایک آدمی کو تیر مارا۔ اب جنگ شروع ہو گئی، تیروں اور پتھروں کی بارش ہونے لگی۔ دونوں جماعتوں نے آواز بلند کی اور ہر ایک فریق نے دوسرے فریق کے آدمیوں کو پکڑ لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے بیعت کرنے کا حکم دیا۔ آپ درخت کے نیچے تھے۔ تمام مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس بات پر بیعت کی کہ وہ فرار نہ ہوں گے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ یہ عثمان کی جانب سے بیعت ہے جب بیعت ختم ہو گئی اور حضرت عثمان بھی واپس آ گئے۔

مسلمان نے کہا: اے ابو عبد اللہ بیت اللہ کے طواف سے (روح) کو تازہ کر لیا؟ انہوں نے جواب دیا جو تم نے میرے متعلق ظن کیا بہت غلط تھا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر میں ایک سال بھی وہاں رہتا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ میں مقیم ہوتے تو میں آپ کے طواف کرنے سے پہلے ہرگز طواف نہ کرتا۔ قریش نے مجھے طواف کرنے کی دعوت بھی دی میں نے انکار کر دیا۔

مسلمانوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھتے اور ہم سے زیادہ حسن ظن رکھتے ہیں۔

مسلمان ابھی مصروف تھے کہ بدیل بن ورقاء خزاعی بنو خزاعہ کی جماعت میں سے حاضر ہوئے یہ مخبر تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے عامر بن لؤمی اور کعب بن لؤمی کو حدیبیہ کے چشموں کے قریب اترے دیکھا ہے۔ ان کے ہمراہ بہت بڑا لشکر ہے اور آپ سے جنگ کرنا اور آپ کو بیت اللہ کی زیارت سے روکنا چاہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں آئے۔ ہم تو صرف عمرہ کے لیے آئے ہیں اور قریش کو لڑائیوں نے مغلوب کر رکھا ہے اور نقصان دیا ہے۔ اگر وہ چاہیں تو میں انہیں مدد دونگا اور وہ میرے لوگوں کے درمیان حائل رہیں اور اگر چاہیں تو اس میں داخل ہو جائیں بس

میں لوگ داخل ہوئے اور اگر وہ جنگ ہی پر اصرار کریں تو اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں ان سے جنگ کروں گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا امر نافذ فرمادے۔

بدیل کا تاثر اشرف قریشی پر | بدیل نے عرض کیا جو آپ فرماتے ہیں وہ بات میں انہیں پہنچا دوں گا۔ چنانچہ وہ چل پڑا اور قریش سے آکر کہا کہ میں اس آدمی رسول اللہ کے پاس سے آیا ہوں۔ میں نے انہیں ایک بات فرمائی سنا، اگر تم چاہو تو میں تمہارے سامنے رکھ دوں۔ بعض پست فطرت لوگ کہنے لگے، ہمیں کوئی ضرورت نہیں کہ تو ان کی بات ہمارے سامنے بیان کرے، لیکن بعض اہل خود کہنے لگے، بتاؤ کیا سنا ہے!

انہوں نے کہا کہ میں نے آپ کو ایسے ایسے فرماتے سنا ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی کہنے لگا کہ یہ مناسب بات تمہارے سامنے پیش کی گئی ہے، اسے قبول کر لو اور میں ان کے پاس جاتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس آیا اور گفتگو کرنے لگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بدیل والی بات فرمائی، اس پر عروہ کہنے لگا: اے محمد! کاش تو اپنی قوم سے تعلق قائم رکھتا۔ کیا تو نے سنا کہ عربوں میں سے کسی نے تجھ سے قبل اپنے اقارب سے اعراض کر لیا ہو؟ اللہ کی قسم کہ میں ایسے چہروں اور ایسے چھوٹے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ جو بھاگ جائیں گے اور تجھے چھوڑ جائیں گے۔

ابو بکرؓ نے فرمایا کیا آپ کو چھوڑ کر یہ بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے پوچھا یہ کون ہیں؟
جواب ملا ابو بکرؓ۔

کہنے لگا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ اگر مجھ پر تیرا وہ احسان نہ ہوتا کہ جس کا بدلہ میں نے نہیں اتارا تو تجھے جواب دیتا اور پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے لگا باتیں کرتے کرتے اس نے آپ کی ریش مبارک پکڑ لی (اس زمانہ میں عربوں کی یہ عادت تھی حضرت مغیرہ بن شعبہ تلوار سونتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے۔ انہوں نے تلوار کا دستہ اس کے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ ہٹا۔ عروہ جب بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک کی طرف ہاتھ ڈھکتا

رہا وہ اس کے ہاتھ پر تلوار کا دستہ مارتے اور فرماتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی سے ہاتھ الگ رکھ،

عروہ نے ہاتھ اٹھایا اور پوچھا یہ کون ہیں؟ جواب ملا منیرہ بن شعبہ۔
اس نے کہا: یعنی غدر کرنے والا۔ واقعہ یوں تھا کہ زمانہ جہا لیت میں حضرت منیرہ نے ایک قوم کی مصاحبت کی پھر انہیں قتل کر کے ان کا مال لوٹ لیا۔ اس کے بعد حاضر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسلام قبول ہے اور مال میں تیرا کچھ حق نہیں۔

عروہ کے تاثرات آل حضرت صحابہ کے بارے میں | اس کے بعد عروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ

رضوان اللہ علیہم کو دیکھنے لگا۔ بخدا اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلغم تھوکتے تو بھی وہ کسی آدمی کے ہاتھ پر پڑتا، وہ اسے اپنے بدن اور چہرے پر مل لیتا اور جب حکم دیتے تو فوراً اطاعت کرتے اور جب آپ وضو کرتے تو وضو کا (پانی پینے) کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے اور جب آپ کلام فرماتے تو صحابہ کی آواز گنگ ہو جاتی اور عظمت و وقار کے باعث آپ کی طرف نظر بھی نہ اٹھا سکتے۔

اس کے بعد عروہ اپنے ساتھیوں کی طرف لوٹ آیا اور کہنے لگا اسے قوم اللہ کی قسم میں کسری، قیصر اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے دربار میں گیا ہوں، لیکن بخدا میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا کہ اس کے ساتھی اس کی اس قدر عزت و احترام کرتے ہوں جس قدر محمد کے صحابہ اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ بخدا اگر وہ بلغم تھوکیں تو بھی کسی آدمی کے ہاتھ میں پڑتا ہے وہ اسے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے اور جب وہ انہیں حکم دیتے ہیں تو فوراً اطاعت کرتے ہیں، جب آپ وضو کرتے ہیں تو اس کا (پانی پینے کے لیے) آپس میں جھگڑتے ہیں۔ جب آپ کلام فرماتے ہیں تو صحابہ کی آوازیں بند ہو جاتی ہیں اور شدت تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ انہوں نے ہمارے سامنے ایک بہتر چیز پیش کی ہے اسے قبول کر لو۔

بنی کنانہ کا ایک اور آدمی اٹھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ جب آپ کو اور آپ کے صحابہ کو دیکھا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ فلاں سے اور یہ اس قوم میں سے ہے، ابو قرہانی کے جانوروں کا احترام کرتی ہے، اسے بلا لو، اسے بلایا گیا تو قوم نے تلبیہ کہتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔ وہ کہنے لگا سبحان اللہ ایسے لوگوں کو بیت اللہ کی زیارت سے بالکل نروکنا چاہیے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے جانوروں کو قتل و پڑے ہوئے دیکھا اور انہیں شتار لگا دیا گیا ہے میں نہیں سمجھتا کہ انہیں بیت اللہ کی زیارت سے روکا جائے۔

اس کے بعد مکرز بن حفص اٹھا، کہنے لگا میں جاتا ہوں۔ جب آیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا برا آدمی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گنتگو کرنے لگا۔

سہیل بن عمرو سے صلح کے شرائط | اتنے میں سہیل بن عمرو آگیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اب کام آسان ہو گیا۔ آپ نے فرمایا، اڈہم آپس میں عہد نامہ لکھ لیں۔ کاتب کو بلایا گیا۔ آپ نے فرمایا: بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھو۔

سہیل کہنے لگا رحمن کو ہم نہیں جانتے لکھو باسمک اللہم (اے اللہ تیرے نام سے جیسے آپ لکھا کرتے تھے۔ مسلمانوں نے جواب دیا اللہ کی قسم ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم ہی لکھیں گے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا جیسا یہ کہتا ہے۔ وہی لکھو: باسمک اللہم پھر فرمایا لکھو، یہ ہے وہ تحریر جس میں محمد اللہ کے رسول نے فیصلہ فرمایا:۔

سہیل بولا اللہ کی قسم اگر ہم یہ مانتے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہم آپ کو بیت اللہ سے نروکتے اور نہ آپ سے مقاتلہ کرتے، بلکہ لکھو محمد بن عبد اللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگرچہ تم نے میری تکذیب کی ہے لیکن میں واقعۃً اللہ کا رسول ہوں (اچھا) اس طرح لکھو، محمد بن عبد اللہ!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اور بیت اللہ کے درمیان سے ہٹ

جاؤ گے تاکہ ہم اس کا طواف کر لیں۔

سہیل کہنے لگا: ہمارا کوئی آدمی آپ کے ہاں نہیں آئے گا چاہے وہ آپ کے دین پر آیا اور اگر آگیا تو اسے واپس کرنا ہوگا۔

مسلمان کہنے لگے سبحان اللہ جو آدمی مسلمان ہو کر آجائے اسے مشرکین میں کیسے بھجا جائے گا! ابھی انہی باتوں میں تھے کہ ابو جندل بن سہیل ہتھکڑیوں میں جکڑے ہوئے آگئے اور مسلمانوں کے سامنے پہنچ گئے۔ سہیل کہنے لگا: اے محمد! یہ پہلا آدمی ہے جسے فیصلے کے مطابق آپ لوٹائیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابھی تک تو عہد نامہ تیار بھی نہیں ہوا وہ کہنے لگا پھر اللہ کی قسم کسی بات کا فیصلہ نہ کروں گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اچھا میرے لیے رہنے دے وہ بولا میں آپ کے لیے بھی نہیں رہنے دوں گا۔

ابو جندل نے جب یہ سنا تو فریاد کی، اے مسلمانو! میں مسلمان ہو کر آیا ہوں کیا مجھے مشرکین کے حوالے کیا جائے گا! کیا تم نہیں دیکھتے کہ مجھے کیا کیا دکھ پہنچا ہے! کفار نے انہیں سخت ترین ایذائیں دیں تھیں۔

جب عہد نامے سے فارغ ہو گئے تو رسول اللہ

مسلمانوں پر مالوسی کی کیفیت

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٹھو اور نحر (قربانی) کرو، پھر حلق کرو، لیکن مسلمانوں میں سے ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہوا۔ آپ نے تین بار فرمایا۔ جب کوئی بھی کھڑا نہ ہوا تو آپ ام سلمہ کے پاس تشریف لے گئے اور لوگوں کی حالت بیان فرمائی۔ ام سلمہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول اگر آپ یہ چاہتے ہیں تو تشریف لے جائیے۔ کسی سے کوئی بات نہ کیجیے۔ یہاں تک کہ آپ خود قربانی کر لیں اور پھر حجام کو بلائیے اور خود حلق کر دائیے۔ چنانچہ آپ اٹھے کسی سے کلام نہ فرمایا: اور نحر کیا پھر حجام کو بلا کر حلق کر دایا، جب لوگوں نے دیکھا تو وہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بھی نحر کیا اور ایک دوسرے کا حلق کیا اور غم کی شدت کے باعث ایک دوسرے کو زخمی

کر دیا۔ اس کے بعد عورتیں مسلمان ہو کر آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یا ایہا الذین آمنوا اذا جاءکم المؤمنات مهاجرات سے لے کر عصم الکوافر آیات نازل فرمائیں۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم واپس مدینہ تشریف لے آئے، راستے میں ہی یہ آیات نازل ہوئیں: - انا فتحناک فتحا مبینا، لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تأخر، ویتم نعمته علیک ویہدیک صراطا مستقیما، وینصرک نصرا عزیزا ۵

یعنی ہم نے فیصلہ کر دیا تیرے واسطے صریح فیصلہ تاکہ معاف کرے تجھ کو اللہ جو آگے ہو چکے تیرے گناہ اور جو پیچھے رہے اور پورا کر دے تجھ پر اپنا احسان اور چلانے تجھ کو سیدھی راہ پر اور مدد کرے تیری اللہ زبردست مدد۔
حضرت عمر نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح (مکہ) کی بشارت ہے آپ نے فرمایا، ہاں!

صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مبارک باد پیش کی اور عرض کیا: پھر ہمارے لیے کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: هو الذی انزل التکینة فی قلوب المؤمنین الخ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو قریش کا ایک آدمی ابو بصیر مسلمان ہو کر حاضر ہوا انہوں نے ان کی تلاش میں دو آدمی واپس لانے کے لیے بھیجے۔ آپ نے انہیں دونوں آدمیوں کے حوالے کر دیا وہ انہیں لے کر نکلے۔ آخر ذالحلیفہ پہنچ گئے، یہاں ان کو کھجوریں کھانے لگے۔

ابو بصیر نے ایک سے کہا۔ اللہ کی قسم تیری تلوار میں دیکھنا ہوں کہ خوب سفید اور عمدہ ہے اس نے سونت لی اور کہا! اللہ کی قسم یہ بہت بہترین ہے۔ اسے میں کئی بار آزما چکا ہوں۔

منظوم مسلمانوں نے خود اپنی نجات کی صورت نکال لی | ابو بصیرؓ نے فرمایا: ذرا مجھے دکھاؤ۔ میں بھی دیکھوں۔

اس نے ان کے ہاتھ میں تھمادی، انہوں نے اسے قتل کر دیا، دوسرا بھاگ گیا، یہاں تک کہ مدینہ پہنچ گیا۔ مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دیکھا تو وہ گھبرا پنا ہوا تھا وہ آپ کے قریب پہنچا تو کہنے لگا واللہ میرا ساتھی قتل ہو گیا ہے اور میں بھی قتل ہونے لگا تھا مگر بھاگ آیا اتنے میں ابو بصیرؓ بھی پہنچ گئے۔ انہوں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی اللہ نے آپ کا عہد پورا کر دیا۔ آپ نے مجھے ان کی طرف لوٹا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے مجھے ان سے نجات دلا دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خرابی ہو اس کی ماں کو جنگبار ہے۔ کاش اس کا دوسرا ساتھی ہوتا۔ جب (ابو بصیرؓ) نے یہ کلام سنا تو یقین کر لیا کہ انہیں پھر لوٹا دیا جائے گا (ابو بصیرؓ) مدینہ سے نکل آئے اور ساحل سمندر پر آکر رہائش پذیر ہو گئے۔ ابو جندل بن سہیل بھی وہاں سے بھاگے اور ابو بصیرؓ سے جاملے۔ اب قریش کا جو آدمی بھی اسلام لانا وہ ابو بصیرؓ سے جا ملتا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت تیار ہو گئی۔ اللہ کی قسم وہ قریش کا جو قافلہ بھی دیکھ پاتے، اس پر ٹوٹ پڑتے، انہیں قتل کرتے اور ان کے اموال لوٹ لیتے۔ قریش نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا۔ اللہ تعالیٰ اور اپنی قرابت کا واسطہ دیا کہ انہیں اپنے پاس بلا لیں اور جو بھی (مدینہ) آئے گا وہ مامون ہے (یعنی ہم واپسی کا مطالبہ نہ کریں گے۔

اس موقع پر بعض عجیب واقعات پیش آئے صحیح بخاری میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ حدیبیہ کے دن لوگوں کو سخت پیاس محسوس ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پانی کا ایک لوٹا تھا جس سے آپ وضو فرماتے۔ جب لوگ ادھر آئے تو آپ نے فرمایا: کیا بات ہے! عرض کیا اے اللہ کے رسول ہمارے پاس نہ پینے کیلئے پانی ہے اور نہ وضو کرنے کے لیے۔ صرف آپ کے سامنے (ایک لوٹا) ہے آپ نے نوٹے میں ہاتھ رکھا اور انگلیوں سے چشموں کی طرح پانی بہنے لگا، تمام صحابہؓ نے پانی

پیا، وضو بھی کیا۔ ان کی تعداد پندرہ سو تھی۔ یہ واقعہ کنویں کے واقعہ سے جدا ہے۔
اسی شب کو بارش ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز پڑھی تو فرمایا۔ جانتے
ہو تمہارے رب نے آج شب کو کیا فرمایا!
انہوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا آج میرے بعض بندوں نے اس طرح صبح کی کہ وہ
میرے مومن ہیں اور بعض کافر ہیں، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل و کرم سے بارش ہوئی وہ
مومن ہے اور کواکب کا منکر ہے اور جس نے کہا ہم پر ایسے ایسے ستارے کے باعث
بارش ہوئی وہ میرا کافر ہے اور کواکب پر ایمان رکھتا ہے۔

مسلمان عورت کی حرمت نے معاہدہ کی ایک شق منسوخ کر دی
اور اہل مکہ میں دس

سال کے لیے مصالحت ہو گئی اور عوام ایک دوسرے کی ایذا دہی سے مامون ہو گئے۔
اگلے برس آپ مکہ میں تشریف لائے اور تین دن وہاں قیام فرمایا اور حکم دیا کہ تلوار کے
سوا کوئی ہتھیار نہ لیا جائے اور اسے بھی میان میں رکھا جائے نیز یہ بھی طے پایا تھا کہ ہم آپ
کے ساتھیوں میں سے آنے والے کو واپس نہ کریں گے اور ہمارے جانے والے
ساتھیوں کو لوٹانا ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم انہیں یہ (سہولتیں) دیں!
آپ نے فرمایا جو ہم میں سے ان کی طرف چلا گیا اسے اللہ نے (اسی رحمت سے) دور
کر دیا اور جو ہمارے پاس آیا اور پھر ہم نے اسے لوٹایا تو اللہ تعالیٰ اس کے نکلنے
کی راہ پیدا کر دے گا۔

صلح حدیبیہ میں ہی اللہ تعالیٰ نے سر منڈانے کا فدیہ روزہ یا صدقہ یا قربانی قرار دیا
یہ حکم کعب بن عجرہ کے معاملہ میں نازل ہوا۔

اس صلح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلق کرانے والوں کے لیے تین بار
اور قصر کرانے والوں کے لیے ایک بار دعائے مغفرت فرمائی۔
اس میں ایک آدمی کی جانب سے ایک اونٹ نحر فرمایا اور سات آدمیوں کی جانب

سے ایک گائے ذبح کی۔

اس واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قربانی کے اونٹوں میں ایک اونٹ کی ناک میں جو کبھی ابو جہل کی ملکیت رہ چکا تھا۔ چاندی کی ایک نیکل ڈال دی تاکہ مشرکین جل اٹھیں۔

اور اسی موقع پر سورہ فتح نازل فرمائی۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بنو خزاعہ نے معاہدہ کر لیا اور بنو بکر نے قریش سے معاہدہ کر لیا۔ کیونکہ (صلح حدیبیہ) میں یہ بھی ایک شرط تھی کہ (قبائل عرب میں سے) جس کا جی جس کے ساتھ چاہے معاہدہ میں شریک ہو جائے۔

جب آپ مدینہ تشریف لائے تو کچھ عورتیں مسلمان ہو کر آئیں۔ ان میں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط بھی تھیں۔ ان کے وارث آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کے مطابق انہیں واپس کرنے کا مطالبہ کیا۔ آپ نے انہیں واپس نہ کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا۔ کہا گیا ہے کہ عورتوں کے معاملہ میں یہ شوق منسوخ ہو گئی۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن کے ساتھ سنت کو محدود کر دیا گیا، لیکن (صحیح) قول یہ ہے کہ صلح حدیبیہ میں صرف مردوں کے متعلق یہ شرط طے ہوتی تھی اب مشرکین نے چاہا کہ اس کا دونوں صنفوں (مرد و عورت) پر اطلاق کیا جائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے انکار فرمایا۔

واقعہ حدیبیہ کے سلسلہ میں فوائد فقہیہ | ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اشہر حج میں عمرہ فرمایا،

کیونکہ آپ ذی قعدہ کو نکلے۔

دوسرے میقات سے عمرے کا احرام باندھنا زیادہ افضل ہے۔ جیسے حج کا احرام باندھا جاتا ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے لیے ذی الحلیفہ سے احرام باندھا۔ اس جگہ اور مدینہ میں ایک میل کے قریب فاصلہ ہے۔

تیسرے عمرہ مفرد میں ہدی چلانا سنون ہے جیسا حج قرآن میں طریقہ ہے۔
چوتھے ہدی کا اشتهار کرنا سنت ہے نہ کہ اسے مثلہ کیا جائے کیونکہ یہ ممنوع ہے۔

پانچویں اللہ کے دشمنوں کو غضب ناک کرنا اور جلانا مستحب ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ابو جہل کے سابق ملکیت اونٹ کو چاندی کی نیگل پہنائی تاکہ مشرکین خوب جلیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی وصف میں فرمایا: ان کی مثال دی۔ ومثلهم فی الا تجميل كزرع اخرج شطأاً فأنسرأ فاستغلظ فاستوتوى على سوقه يعجب الزراع ليغيظ بهم الكفار۔ یعنی، اور مثال ان کی انجیل میں، جیسے کھیتی نے نکالا اپنا پٹھا پھر اس کی کمر مضبوط کی پھر موٹا ہوا، پھر کھڑا ہو گیا۔ یعنی نالی خوش لگتی ہے کھیتی والوں کو۔ تاکہ جلائے ان سے جی کافروں کا۔

نیز فرمایا: ذلك بانهم يصيبهم ظما ولا نصب ولا مخمصة في سبيل الله ولا يظوون موطئاً يغيظ الكفار۔ ولا يتألون من عدو نيلاً الا كتب لهم به عمل صالح ان الله لا يضيع اجرا للمحسنين۔

چھٹا یہ کہ امیر کو چاہیے کہ دشمن کی طرف مجھرا سال کرے۔ ساتویں ملابس اور سواریوں کا نام رکھنا بھی مسنون ہے۔

آٹھویں دین کی خبر پر حلف اٹھانا جائز بلکہ مستحب ہے، جس سے اس کی تاکید ہو۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی سے زیادہ بار حلف اٹھانا ثابت ہے اور تین مقامات پر تو اللہ نے تصدیق کے لیے حلف اٹھانے کا حکم دیا۔ سورہ یونس، سورہ سبأ اور تغابن میں منقول ہے۔

نویں، مشرکین، اہل بدعت، فسق و فجور میں مبتلا لوگ بھی اگر اللہ کی محرمات کی عظمت و احترام کا مطالبہ کریں تو اس سلسلہ میں ان سے تعاون کرنا چاہیے اور دوسروں کو ان سے روکنا چاہیے اور حریمات اللہ کی تعظیم میں تو ان کی مدد کی جائے گی البتہ ان کے ذاتی فسق و فجور میں بالکل تعاون نہ کرنا ہوگا

دسویں، یہ کہ جو مکہ کے قریب نازل ہو اسے چاہیے کہ صل میں اترے اور حرم میں نماز ادا کرے۔ حضرت ابن عمرؓ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

گیارہویں، سر یا سینہ جہاں سے مواد ہے اسے پاک کرنا۔

بارھویں، مستعمل پانی کا پاک ہوگا۔

تیرھویں، نفاذ کا استحباب۔ یاد رکھیے یہ طیرہ یعنی غال لینے کی قسم کی نہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سہیل کی آمد پر فرمایا، اب کام سہل ہو گیا۔

پودھویں، حلق کروانا قصر سے افضل ہے۔ عمرہ میں بھی حج کی طرح قربانی ہوگی۔ عمرہ محصور میں دوسرے عمرے کی طرح قربانی ہوگی۔

پندرھویں، یہ کہ محصر اس جگہ قربانی کر دے جہاں کہ اسے روکا گیا، چاہے حل ہو یا حرم ہو اور یہ واجب نہیں کہ قربانی کو اگر حرم میں نہ پہنچا سکے تب بھی حرم میں پہنچائے۔

صلح حدیبیہ میں بعض حکمتوں کا بیان

اس میں جو حکمتیں ہیں ان کا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ جس نے اسباب بنائے۔ چنانچہ اس کے تقاضائے حکمت کے مطابق واقعات (ظہور) پذیر ہوئے۔

ان میں سے ایک یہ ہے کہ یہ معاہدہ فتح عظیم کا مقدمہ بنا، جس سے اللہ نے اپنے رسول اور لشکر کو عزت بخشی اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ درگروہ داخل ہوئے۔ گویا یہ واقعہ اس مبارک امر کا دروازہ اور چابی تھا اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی یہ عادت جمیدہ ہے کہ جو بھی عظیم اور بڑا کام کرنا ہے تو اس کے لیے پہلے مقدمات اور تمہیدیں قائم فرماتا ہے جو اس کا سبب بنتی اور اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

نیز یہ معاہدہ سب سے بڑی فتح تھی۔ کیونکہ لوگوں نے ایک دوسرے کو امان دے دیا اور مسلمان اور کفار آپس میں ملنے لگے۔ انہیں اسلام اور قرآن کی دعوت دینے لگے اور اسلام کے متعلق علانیہ مناظرے شروع ہو گئے اور مخفی طور پر جو مسلمان تھا وہ بھی ظاہر ہو گیا اور اس مدت میں جس نے چاہا وہ اسلام میں داخل ہو گیا۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح مبین کا نام دیا۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان و اذعان میں اسے زیادتی کا سبب قرار دیا۔ اللہ کی قضا و قدر کی رضا، اس کے وعدوں کی تصدیق، اس کے مواعیبہ کا انتظار پھر سکیں کی صورت میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے انعامات کا مشاہدہ جس کے ذریعہ قلوب کو اطمینان

نصیب ہوا اور انہیں قوت حاصل ہوئی ان سب سے ایمان میں زیادتی ہوئی۔
دیگر سجانہ و تعالیٰ نے یہ حکم ہوا اپنے رسول اور مومنین کو دیا اسے اپنے رسول کے
تمام سابق اُسندہ ذنوب کی بخشش کا سبب اور ان پر اپنی نعمت کے تمام اور صراطِ مستقیم
کی طرف ہدایت اور غالب نصرت کا سبب قرار دیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی بیعت کا ذکر فرمایا اور اسے اس طرح
مؤكد کیا کہ یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی ہی بیعت ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک
ان کے ہاتھوں پر تھا تو گویا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا دستِ قدرت ہے۔ کیونکہ وہ اسی ذات
کا نبی اور رسول ہی تو ہے تو یوں سمجھو کہ اس کے نبی و رسول سے بیعت خود اسی سے
عقد و بیعت ہے۔ پس جس نے رسول کی بیعت کی گویا اسی نے اللہ کی بیعت کی اور رسول
اللہ کے ہاتھ کے اوپر کا ہاتھ ہے۔ پھر خبر دی کہ اس عہد کو توڑنے والے کی اسی حرکت
کا زوال خود اس پر آکر رہے گا اور ایفائے عہد کرنے والے کے لیے بہت بڑا اجر
ہے۔ اس طرح ہر وہ مومن جو اسلام کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
پر اللہ کی بیعت کرتا ہے یا تو وہ عہد کو پورا کرے گا یا عہد شکنی کرے گا (یعنی دو ہی
صورتیں ہوں گی)۔

پھر ان اعراب کا ذکر فرمایا جنہوں نے عہد شکنی کی اور اللہ کے ساتھ بدظنی کا ثبوت دیا۔
اور ان کے ان خیالات کو کہ رسول اس کے ساتھیوں اور لشکر کو (نعوذ باللہ) رسوا کیا، کہ
دشمن ان پر فتح حاصل کرے تاکہ وہ واپس گھروں میں قطعاً نہ جائیں۔

پھر فرمایا: اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی وجہ سے مومنوں
سے راضی ہوا اور اس وقت ان کے قلوب جس صدق و وفا سے پُر تھے خدا ہی خوب
جانتا ہے۔ جس قدر وہ کمالِ اطاعت و وفا، اللہ و رسول کی خاطر ایثار کا جذبہ رکھتے تھے۔
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب پر سکینہ، اطمینان اور رضا نازل فرمائی اور اپنے حکم
سے ان کی رضا، صبر پر فتح قریب کا مشرہ سنایا، نیز یہ بتایا کہ انہیں بہت سے منافع ہاتھ
لگیں گے۔

مزید براں یہ بھی فرمایا کہ یہ عنانم نہیں جلدی دے دیئے جائیں گے اور ان منام کے علاوہ دوسرے فتوحات کثیرہ کا بھی وعدہ فرمایا کہ اس وقت وہ ان پر قادر نہ تھے۔ ایک قول فتح مکہ کے متعلق ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس سے مراد فارس اور روم کی فتوحات ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ فتح خیبر کے بعد آفاقِ عالم پر فتوحات کا سلسلہ مراد ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر کفار اللہ کے اولیاء سے جنگ کریں گے تو انہیں نصرت نہ ملے گی اور پیٹھ پھیر کر فرار ہو جائیں گے اور اس کے بندوں میں یہ اللہ کی سنتِ قدیمہ چلی آتی ہے اور سنت اللہ میں تغیر نہیں آیا کرتا۔

پھر خبر دی کہ اس کے رسول نے مسجد (حرام) میں امن سے داخلہ کا خواب صحیح دیکھا۔ اور وہ عنقریب رونما ہوگا۔ اور لازماً ہوگا۔ لیکن اس سال اس کا وقت نہیں آیا۔ تم اگرچہ جلدی کرنا چاہتے ہو لیکن اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اس کی تاخیر میں کیا کیا مصالح و علیس پوشیدہ ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے تہید و بنیاد کے لیے فتحِ قریب عطا فرمائی۔

پھر فرمایا کہ اللہ اوہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے باقی تمام ادیان پر غالب کر دے۔ پس جب دینِ اسلام کے اتمام اور اتمامِ ادیان پر غلبہ عطا کرنے کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہو گیا تو اس میں مسلمانوں کے قلوب کو قوت و فرحت حاصل ہوئی اور اس عہد پر انہیں ایقان حاصل ہوا کہ ضرور پورا ہو کر رہے گا۔ اور یہ نہ سمجھو کہ حدیبیہ کے روز جو انماض واقع ہوا وہ دشمن کی مدد اور اپنے رسول و دین سے اعراض کا سبب تھا اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؛ جبکہ اللہ نے اپنے رسول کو دینِ حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وعدہ کیا کہ اس دین کو باقی تمام ادیان پر غلبہ عطا کر دے گا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اس کے صحابہؓ کی مدح فرمائی اور تورات و انجیل میں ان کی صفات منقولہ کا تذکرہ فرمایا۔ اس طرح یہ تورات و انجیل اور قرآن کے ارسال فرمانے والے کی حقانیت کا ثبوت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جو مذکورہ

الہامی کتابوں اور ان صفاتِ مشہورہ سے متصف ہیں اور وہ بات نہیں کہ جس کا تذکرہ کفار کرتے ہیں اور الزام دھرتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) یہ طالبِ دنیا، اور حکومت کے خواہاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شام کے نصاریٰ نے (صحابہؓ) کو دیکھا، ان کا طریقہ زندگی کا مطالعہ و مشاہدہ کیا۔ ان کے عدل و علم و عمل اور دنیا سے پرہیزِ آخرت کی طرف رغبت کا حال دیکھا تو کہنے لگا۔

یہ لوگ ان سے افضل ہیں، جہنوں نے مسیح علیہ السلام کی حمایت کا شرف حاصل کیا

یہ نصاریٰ کی رائے ہے، جو صحابہؓ کے مقام و فضیلت سے آگاہ تھے۔ بخلاف روافض کے کہ یہ صحابہؓ کے متعلق ایسی باتیں بناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں روا نہیں رکھیں اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے وہی ہدایت یافتہ ہے اور جسے اللہ گمراہ کرے اس کا کوئی کارساز اور رہنما نہیں۔

فتح خیبر

یہود کی ہمیشہ کے لیے سرکوبی 'خیبر کے یہودیوں سے معاہدہ

شہ کا ایک اہم واقعہ | موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ جب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ سے لوٹ کر مدینہ تشریف لائے اور قریباً بیس دن ٹھہرے۔ اس کے بعد آپ خیبر کی طرف نکلے اور اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں اس کا وعدہ کر دیا تھا۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ خیبر شہ میں فتح ہوا اور جمہور کا خیال ہے کہ شہ میں فتح ہوا۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے زہری سے انہیں عروہ سے انہیں مروان بن حکم اور مسور بن مخزوم سے روایت پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سال تشریف لے گئے۔ ابھی مکہ و مدینہ کے درمیان تھے کہ سورۃ فتح نازل ہوئی۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو خیبر عطا فرمایا اور منانم کثیرہ وعدہ فرمایا۔ اس طرح یہ خیبر (کی فتح و غنائم) جلد عطا کر دی گئیں۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ذی الحجۃ کے مہینے میں مدینہ واپس تشریف لائے اور تھوڑی مدت ہی ٹھہر کر محرم کے مہینے میں خیبر تشریف لے گئے۔

آپ خیبر و غطفان کے درمیان وادی رجم میں اترے۔ خطرہ ہوا کہ غطفان حملہ نہ کریں چنانچہ یہیں رات گزاری اور صبح کے وقت ان کی طرف گئے۔ مدینہ پر سباع بن عرفطہ کو عامل مقرر کیا۔ اسی وقت ابوہریرہؓ پہنچ گئے اور صبح کی نمازیں سباع بن عرفطہ سے پہلی رکعت میں کہلیعص اور دوسری میں ویل للمطففین سنی۔

سلمۃ بن اکوع فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ خیبر کی طرف گئے

اور ہم نے رات کو سفر کیا۔ قوم کے ایک آدمی نے عامر بن اکوع سے کہا کیا تم ہمیں اپنے اشعار نہ سناؤ گے؟

عامر ایک شاعر آدمی تھے۔ پنا نچہ حاضرین کو ان اشعار سے گرمانے لگے:-

اللهم لولا انت ما هتدينا

ولا تصدقنا ولا صلينا

یعنی اے اللہ اگر تو نہ رہیں ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پر نہ آتے۔

اور نہ ہم صدقہ کرتے اور نہ ہم نماز پڑھتے۔

فاغفر لي لك ما اقتينا

وشيتا لا قد امان لا قينا

ہمیں بخش دے ہم تجھ پر فدا ہوں۔

اور اگر تو جنگ پر ثابت قدم رکھتا۔

وانزلنا سكينه علينا

وانا ذاصيح بنا قينا

اور ہم پر سیکینہ نازل فرما

اور جب ہمیں بلایا جائے گا، ہم حاضر ہوں گے۔

وبالصياح عولوا بنا

وان اسرا دوافتنه ابينا

اور جنگوں میں ہم پر اعتماد کیا گیا

اور اگر ہمیں بعض گمراہ کرنا چاہیں گے ہم انکار کر دیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا سائق کون ہے؟

عرض کیا گیا عامرؓ!

اُپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔ ایک آدمی کہنے لگا واجب ہو

گئی، واجب ہو گئی عامر کو اے اللہ کے رسول!

راوی کہتے ہیں کہ ہم خیر اُٹے اور ہم نے ان کا محاصرہ کر لیا لیکن شدید تکلیف و پریشانی کا سامنا کرنا پڑا پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر باب کامرانی اکھون دیا جب شام ہوئی تو انہوں نے کثرت سے اُگ جلائی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اُگ کیسی ہے! کیا پکار رہے ہو! عرض کیا گیا گوشت (پکار رہے ہیں) آپ نے دریافت فرمایا: کئی گوشت! عرض کیا گورخر کا گوشت۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس سال کو انڈیل دو، یہ ہانڈیاں توڑ دو۔ جب صف آراستہ ہوئی تو مرحب تلوار ہلاتا اور یہ شعر پڑھتا نکلا۔
قد علمت خیر اخی مرحب۔

شاك السلاح بطل محرب محرب - اذ الحروب اقبلت قلتها
یعنی: خیر کو معلوم ہو چکا کہ میں مرحب ہوں۔

ہتھیاروں سے سجا ہوا۔ تجربہ شدہ بہادر ہوں۔ جب لڑایاں اُٹیں تو شعلہ زن ہو جاتا ہوں۔

اس کے مقابلے میں عامر یہ شعر پڑھتے مقابلے میں اُٹے۔

قد علمت خیر اخی عامر

شاك السلاح بطل مفاخر

یعنی: خیر کو معلوم ہو چکا کہ میں عامر ہوں۔

ہتھیار سجانے والا، بہادر اور انڈر جنگجو ہوں۔

چنانچہ آپس میں بھڑپ ہوئی اور عامر کی ڈھال پر مرحب کی تلوار پڑی اور عامر اسے نیچے لے جانے لگے۔ عامر کی تلوار میں کچھ نقص تھا، تلوار کی دھاراں پر پڑی اور عامر کی آنکھ پر لگی اس سے ان کی شہادت بھی ہو گئی۔

حضرت سلمہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ عامر کا عمل برباد ہو گیا۔ آپ نے فرمایا: جس نے یہ کہا اس نے جھوٹ بولا اس کے لیے دوا ہر

ہیں اور آپ نے دو انگلیوں کو جوڑ کر بتایا، وہ یقیناً جاہد و مجاہد ہے۔ بہت کم عربی ایسے ہیں جنہوں نے اس کی طرح جہاد کیا ہو۔

اہل خیبر کی بے خبری | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر تشریف لائے۔ وہاں صبح کی نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد مسلمان سوار ہوئے تو اہل خیبر اپنے کھیتوں اور کام کاج کی جگہوں کی طرف نکلے اور انہیں مسلمانوں کی آمد کا علم بھی نہ تھا بلکہ وہ اپنے کھیتوں کی طرف نکلے تھے، جب انہوں نے لشکر (اسلام) کو دیکھا تو کہنے لگے۔

محمّد اللہ کی قسم محمد اور خس! (یعنی مالِ غنیمت کا حصہ)
چنانچہ اپنے شہر کی طرف بھاگتے ہوئے واپس ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
اللہ اکبر خیبر برباد ہو جائے، اللہ اکبر خیبر برباد ہو گیا۔ جب ہم ایک قوم کے علاقہ میں اترے تو ڈرائے جانے والوں کی صبح بری ہوئی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم قریب ہوئے اور شہر پر نظر پڑی تو فرمایا: ٹھہر جاؤ، لشکر (اسلام) ٹھہر گیا۔ آپ نے یہ دعا پڑھی:

اللهم رب السموات السبع وما اظلمن ورب الارضين السبع وما اقلن
ورب الشياطين وما اضلن۔ فاننا نسئلك خيرا هذا القرية وخيرا
فيها ونعوذ بك من شر هذا القرية وشرها فيها۔

اس کے بعد فرمایا: اللہ کے نام سے آگے بڑھو۔

حضرت علی کا شرف | جب داخلہ کی شب آئی تو آپ نے فرمایا: کہ صبح اس آدمی کے ہاتھ میں جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول

سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اس کے رسول اس سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔ لوگوں نے ان باتوں میں ہی رات گزار دی کہ دیکھیے صبح کس کو جھنڈا ملتا ہے۔ جب صبح ہوئی تو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ اسی کو جھنڈا عطا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب کہاں ہے!

عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول! اسے آشوبِ چشم کی شکایت ہے۔
 آپ نے انہیں بلا بھیجا وہ حاضر ہوئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں
 لعاب مبارک لگایا اور ان کے لیے دعا بھی فرمائی وہ تندرست ہو گئے گویا انہیں کچھ تکلیف
 ہی نہ تھی۔ اس کے بعد آپ نے انہیں جھنڈا عطا فرمایا۔

انہوں نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کیا میں ان سے تب تک مقابلہ کروں جب
 تک وہ ہماری طرح (مسلمان) نہ بن جائیں؟

آپ نے فرمایا ان کے علاقہ میں اترنے تک اپنے قاصدوں تک رہنے دو پھر انہیں
 اسلام کی دعوت دو اور انہیں اللہ کے حقوق کی خبر دو۔ اللہ کی قسم اگر اللہ تعالیٰ تیرے ہاتھ پر
 ایک آدمی کو ہدایت دے دے۔ تو تیرے لیے سُرخ ہونٹوں سے بہتر ہے۔

مرحِب اور حضرت علی کا مقابلہ،

انا الذی ممتنی امر مرحب

شاک السلاح بطل محرب

اذ الحروب اقبلت قلتہب

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے اس کا نام مرحب رکھا۔

ہتھیار پوش بہادر تجربہ شدہ۔

جب لڑائیاں آئیں تو شعلہ زن ہو جانا۔

دوسری جانب حضرت علی یہ پڑھتے ہوئے میدانِ مقابلہ میں آئے۔

انا الذی ممتنی امر حیدر

علیت غابات کربہ المنظر

أوفیہم بالصاع کیل السندر

یعنی، میں وہ ہوں کہ جس کی ماں نے حیدر نام رکھا۔

جنگلوں کے شیروں کی طرح خوفناک ہوں۔

اس کے بعد علیؑ نے مرحب پر تلوار کا وار کیا، جس سے اس کی گردن دور جا پڑی اور مسلمانوں کو فتح ہو گئی۔

جب حضرت علیؑ قلعے کے قریب ہوئے تو قلعے کی چوٹی سے ایک یہودی نے سر نکالا اور پوچھا کہ تو کون ہے! انہوں نے جواب دیا میں علی بن ابی طالب ہوں! وہ یہودی بولا تم غالب آگئے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؑ نے مرحب کو قتل کیا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ محمد بن مسلمہ نے اسے قتل کیا۔

حضرت جابر اپنی روایت میں فرماتے ہیں کہ خیبر کے قلعے سے مرحب یہودی نکلا اس نے خوب ہتھیار لگا رکھے تھے اور وہ رجز پڑھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ میرے مقابلے میں کون آئیگا! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون اس کا مقابلہ کرے گا! محمد بن مسلمہ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں اس کا مقابلہ کروں گا! اللہ کی قسم میں بدلہ لوں گا، اس نے کل ہی میرے بھائی محمود بن مسلمہ کو شہید کیا ہے وہ خیبر میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ آپ نے فرمایا: اٹھ اس کی جانب! اے اللہ (محمد بن مسلمہ) کی اس کے مقابلہ میں مدد کرنا۔ جب دونوں ایک دوسرے کے قریب ہوئے تو دونوں کے درمیان ایک درخت حائل ہو گیا۔ اس طرح ہر ایک اس درخت کی آڑ لینے لگا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے پر حملہ کرنا چاہا تو ہر ایک نے سامنے کا حصہ کاٹ دیا اور ایک دوسرے کے سامنے کھل کر آگئے اور اس درخت کا رتنا دونوں کے درمیان ایک آدمی کی طرح اڑ بن گیا جس پر کوئی شاخ نہ تھی۔ پھر (مرحب) نے محمدؐ پر حملہ کیا انہوں نے چمڑے کی ڈھال سے وار پجایا۔ اس کی تلوار اس میں پھلی گئی۔ اس کے بعد محمد بن مسلمہ نے اس پر وار کیا اور اسے قتل کیا۔

یا سر اور حضرت زبیرؓ کا مقابلہ | مرحب کے مرنے کے بعد یا سر (یہودی) نکلا اس کے مقابلے میں حضرت زبیرؓ نکلے، ان کی

والدہ حضرت صفیہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول میرا لڑکا قتل ہو جائے گا! آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تیرا بیٹا انشا اللہ یہودی کو قتل کرے گا۔

چنانچہ حضرت زبیرؓ نے اسے قتل کر دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر قوم یہود اپنے

قوموں کے قلعے میں داخل ہو گئی تاکہ روکاٹ ہو سکے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریباً بیس دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ یہ زمین خراب اور سخت گرم تھی۔ مسلمانوں کو سخت تکالیف کا سامنا کرنا پڑا۔ چنانچہ انہوں نے گدھے ذبح کیے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے سے منع فرما دیا۔ اہل خیبر کا ایک سیاہ فام غلام آیا جو اپنے آقا کی بکریاں چرا رہا تھا جب اس نے اہل خیبر کو دیکھا کہ انہوں نے ہتھیار لگا رکھے ہیں ان سے پوچھا کیا ارادہ ہے؟

انہوں نے کہا ہم اس سے جنگ کرنا چاہتے ہیں جو اپنے آپ کو نبی سمجھتا ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس کے دل میں لگ گیا۔ وہ بکریوں کو لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا، آپ کیا کہتے ہیں اور کس بات کی دعوت دیتے ہیں آپ نے فرمایا! میں اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور اس بات کی کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں اور تو اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرے۔

غلام بولا اگر میں گواہی دے دوں اور اللہ عز و جل پر ایمان لے آؤں تو میرے لیے کیا اجر ہے!

آپ نے فرمایا تیرے لیے جنت ہے اگر تو اسے (ایمان) پر مرے۔ چنانچہ اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر عرض کیا اے اللہ کے نبی میرے پاس یہ بکریاں امانت ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انہیں اپنے پاس سے ہنکا دے اور انہیں پتھر مار کر بھگا دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تیری جانب سے تیری امانت ادا کر دے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا، بکریاں مالک کے پاس پہنچ گئیں یہودی کو یقین ہو گیا کہ اس کا غلام مسلمان ہو گیا۔

شہداء کی صف میں ایک تو مسلم غلام | پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سامنے کھڑے ہوئے، انہیں

خطاب فرمایا: اور جہاد کی ترغیب دی۔ جب مسلمانوں اور یہودیوں میں جنگ ہوئی تو وہ

سیاہ غلام شہداد میں پڑا تھا۔ مسلمان اسے اٹھا کر اپنے لشکر میں لے آئے اور اسے نیچے میں داخل کر دیا۔ یوں معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے میں دیکھا۔ پھر صحابہ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس غلام کو عزت بخشی اور نیکی کی طرف چلایا۔ میں نے دیکھا کہ اس کے سر کے پاس دو خوبصورت آنکھوں والی حوریں ہیں۔ حالانکہ اس نے اللہ کو ایک بھی سجدہ نہ کیا یعنی نماز نہ پڑھ سکا کیونکہ اسلام لاتے ہی جہاد ہوا اور اس میں وہ شہید ہو گیا۔

احمد بن سلمہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں
ایک اور پروائے شمع اسلام
 کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی آیا اور کہنے لگا: اے اللہ کے رسول میں سیاہ رنگ بدبودار آدمی ہوں، میرے پاس مال بھی نہیں ہے۔ اگر میں مقابلہ کروں، یہاں تک کہ قتل ہو جاؤں تو کیا مجھے جنت میں داخل جائے گا؟

آپ نے فرمایا: ہاں!

پھر وہ بڑھا جنگ کی طرف، یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ اسے اسی حالت میں اٹھا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا۔ آپ نے فرمایا: یقیناً اللہ نے تیرا چہرہ حسین کر دیا۔ تیری بو کو خوشبو میں (بدل) دیا۔ اور تیرے مال کو زیادہ کر دیا۔ پھر فرمایا میں نے اس کی دو خوبصورت آنکھوں والی بیویوں کو دیکھا کہ وہ اس سے اس کا پرانا لباس اتار رہی ہیں۔ اور نئے لباس اور جبہ میں داخل کر رہی ہیں۔

مشداد بن ہاد فرماتے ہیں۔ ایک اعرابی نبی صلی اللہ علیہ وسلم
ایک من چلا اعرابی
 کی خدمت میں حاضر ہوا اور ایمان لایا اور اتباع کی۔ پھر کہنے لگا، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ آپ نے کسی صحابی کو اس کے متعلق وصیت فرمائی۔ جب غزوہ خیبر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مالِ غنیمت ہاتھ لگا۔ آپ نے اسے تقسیم فرمایا اور اعرابی کا حصہ بھی نکالا اور اس کا حصہ صحابہ کو محفوظ رکھنے کے لیے دیا۔ اس وقت وہ پشت پر پہرہ دے رہا تھا جب وہ حاضر ہوا تو صحابہ نے اس کا حصہ

دیا، وہ کہنے لگا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ وہ حصہ ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تیرے لیے الگ فرمایا۔ اس نے لیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے کر حاضر ہو گیا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا میں نے تیرا حصہ الگ کیا ہے۔ وہ کہنے لگا، میں نے اس لالچ سے آپ کا اتباع نہیں کیا۔ بلکہ میں نے تو اس لیے اتباع کیا ہے کہ مجھے یہاں اس جگہ تیرے لگے، پھر اپنی گردن کی طرف اشارہ کیا اور کہا اور بس میں مر جاؤں۔ پھر مجھے جنت میں داخل مل جائے

آپ نے فرمایا اگر تو نے سچ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ تیری تصدیق (کا صلہ) دے گا۔ پھر دشمن کے ساتھ لڑائی شروع ہو گئی اور اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقبولین میں لایا گیا۔ آپ نے فرمایا: کیا یہ وہی ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا جی ہاں!

آپ نے فرمایا: اس نے اللہ کی تصدیق کی۔ اللہ نے اپنا وعدہ اسی کو دکھایا۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جبہ مبارک کا اسے کفن دیا، پھر اسے لے گئے اور اس کے حق میں دعا فرمائی اور آپ اس کے لیے یہ دعا کر رہے تھے اے اللہ یہ تیرا بندہ ہے، تیرے راستہ میں مہاجر نکلا اور شہادت کے خون میں قتل ہوا اور میں اس پر گواہ ہوں۔

واقعی فرماتے ہیں کہ یہود اپنے قلعے کی طرف واپس جا کر قلعہ بند ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں تین دن ٹھہرے آخر ایک یہودی آیا۔ جسے عزال کہتے تھے۔ اس نے کہا اے ابوالقاسم اگر آپ ایک ماہ بھی ٹھہرے رہیں تو بھی انہیں کچھ پرواہ نہیں۔ کیونکہ ان کے پینے کا پانی اور چشمے زمین کے نیچے ہیں۔ رات کو نکلتے ہیں۔ اس سے پی لیتے ہیں اور پھر دوبارہ قلعے میں لوٹ جاتے ہیں اور آپ سے بچاؤ کر لیتے ہیں۔ اگر آپ ان کا پانی کاٹ دیں تو سامنے آئیں گے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے چشموں کی جانب تشریف لے گئے انہیں کاٹ دیا جب پانی بند ہو گیا تو اب نکلے۔ اور سخت ترین جنگ ہوئی کچھ مسلمان شہید ہوئے اور دس یہودی مارے گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح حاصل ہوئی اسے فتح کرنے کے بعد آپ اہل کتبہ و طیح اور سلام

کی طرف گئے جو ابن ابی حنیقہ کے قلعے تھے۔ انہوں نے سخت ترین قلعہ بندی کر لی۔ اور نطاة اور شق سے بھاگ کر یہ لوگ یہیں پناہ گزین ہو گئے، کیونکہ خیبر کے دو حصے تھے شق اور نطاة پہلے تھے جو فتح ہو چکے تھے اور کتبہ، وطیح اور سلام بعد میں آئے تھے۔ وہ اپنے قلعوں سے باہر نہ آئے تھے۔ یہاں تک کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ منجیق گاڑ کر ان پر پتھر برسائے جائیں، آخر انہیں ہلاکت کا یقین ہو گیا۔ پودہ روز سے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محاصرہ میں تھے تو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کی درخواست کی اور ابن ابی حنیقہ کو آپ کے پاس بھیجا تاکہ جنگ کے باعث ان کی جانوں کا نقصان نہ ہو اور ان کی اولاد انہیں بخشی جائے اور وہ خیبر سے چلے جائیں گے اور جو کچھ ان کے پاس مال و دولت، زمین، سونا چاندی ہے سب پیش کر دیں گے۔ سوائے اس لباس کے جو بدن پر ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم مجھے تحریر لکھ دو اور تم سے اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ختم ہو چکا۔ انہوں نے اس پر مصالحت کر لی۔ حماد بن مسلمہ کہتے ہیں کہ ہمیں عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا: انہیں نافعؓ سے انہیں ابن عمر سے روایت ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر سے مقاتلہ فرمایا: آخر وہ اپنے قلعے کی طرف سپاہوں کو محصور ہو گئے۔ کھیتی کھجور اور زمین کے عوض انہوں نے صلح کر لی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے اور ان کے سواری کے جانور جس قدر بوجھ اٹھا سکیں بس وہ لے لیں گے اور سونا اور چاندی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو گا۔ آپ نے شرط لگائی کہ وہ چھپائیں گے نہیں اور نہ کوئی چیز آپ سے اوجھل کریں گے اگر انہوں نے ایسی حرکت کی تو پھر نہ ذمہ ہے اور نہ عہد (امن)۔

لیکن انہوں نے ایک مشک جس میں مال اور حی بن اخطب کے زیورات تھے چھپا لیا وہ اسے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت خیبر کی طرف اٹھا لیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حی بن اخطب کے چچا کو فرمایا۔ حی جو مشک بنو نضیر سے اٹھا کر لایا۔ وہ کہاں ہے۔

وہ کہنے لگا: اخراجات اور جنگوں نے اسے ختم کر دیا۔

آپ نے فرمایا وہ عہد تو قریب کے زمانے کا ہے اور مال اس سے زیادہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حضرت زبیرؓ کے حوالے کیا۔ انہوں نے کچھ سختی کی۔ اس سے قبل وہ ایک ویرانے میں گیا تھا۔ کہنے لگا، میں نے دیکھا کہ وہ ویرانے میں پھر رہا تھا۔ ویرانے کی طرف گئے اور وہاں تلاش کیا تو مشک مل گئی۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن ابی حقیق اور اس کی ایک زوجہ صفیہ بنت حی بن اخطب کو قتل کر دیا اور اس کی عورتوں بچوں کو غلام بنا لیا اور مال کو تقسیم فرمایا۔ یہ برتاؤ ان کی مسلسل عہد شکنی کے باعث ہوا۔

اہل خیبر سے معاہدہ نیز آپ کا ارادہ ہوا کہ انہیں وہاں سے ملک بدر کر دیں، لیکن وہ کہنے لگے اے محمدؐ ہمیں اسی زمین میں رہنے دیجیے ہم

اس کی اصلاح کریں گے۔ اور اس کی حفاظت کریں گے۔ کیونکہ ہم آپ کی نسبت یہاں سے زیادہ واقف ہیں۔ چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے پاس اس قدر آدمی بھی نہ تھے جو اس کا انتظام سنبھال سکتے۔ اور وہ خود اس کی حفاظت کے لیے فراغت نہ رکھتے تھے اس لیے آپ نے انہیں خیبر کا علاقہ اس شرط پر دے دیا کہ جو پیداوار یا پھل ہو اس کا نصف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنا ہوگا۔ چنانچہ آپ عبد اللہ بن رواحہ کو اندازہ کرنے ارسال فرمایا کرتے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔

خیبر کی پیداوار کی تقسیم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی پیداوار چھتیس

سہم میں تقسیم فرمادی۔ ہر سہم کی ایک سو سہم کا تھا۔ گویا کہ کل چھتیس سو سہم بن گئے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لیے اٹھارہ سو سہم ہوتے اور باقی نصف یعنی اٹھارہ سو سہم اس کے محافظین اور وہاں پر اہل اسلام کے لیے چھوڑ دیے گئے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ اس کا سبب یہ ہے کہ خیبر کا ایک حصہ حملے سے اور ایک حصہ صلح سے مفتوح ہوا۔ چنانچہ جو حصہ لڑائی سے مفتوح ہوا اسے اہل خمس اور غنائم میں تقسیم کر دیا گیا اور جو حصہ صلح سے مفتوح ہوا اسے وہاں کے منتظمین اور مسلمانوں کے امور اور مصالح عامہ کے لیے چھوڑ دیا گیا۔

امام شافعی کے انکار کی اساس و بنیاد | میں کہتا ہوں کہ یہی امام شافعی کے خیال کی اصل و بنیاد ہے کہ تمام غنائم کی طرح قوت

سے مفتوحہ زمین کی تقسیم واجب ہوتی ہے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ خیبر کی زمین تقسیم نہیں ہوئی تو فرمایا یہ مصالحت سے مفتوح ہوا لیکن جو سیر و مغاری کا گہرا مطالعہ کرے گا۔ اس پر یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی کہ خیبر قوت سے فتح ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزور قوت اس علاقہ پر قابض ہوئے۔ اگر محض مصالحت سے فتح ہوا ہوتا تو آپ جلا وطن نہ کرتے۔

خیبر اٹھارہ ہزار سہموں پر تقسیم ہوا، کیونکہ یہ اہل حدیبیہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطیہ تھا جو اس میں شریک تھے اور ان کی تعداد چودہ سو تھی۔ نیز ان کے ہمراہ دو سو سوار بھی تھے۔ ہر گھوڑے کے دو حصے ہوتے۔ چنانچہ جملہ تعداد اٹھارہ سو سہم بن گئی اور جابر بن عبد اللہ کے سوا اہل حدیبیہ میں سے کوئی بھی غزوہ خیبر کے موقع پر غیر حاضر نہ تھا۔ ان کا آپ نے دوسرے شریک جہاد صحابہ کی طرح سہم (حصہ) نکالا۔ سوار کے تین سہم نکالے اور پیدل کا ایک! یہ کل چودہ ہوئے، دو سوار تھے۔ یہی روایت صحیح ہے جس میں کوئی تردد نہیں۔

نیز ابو معلویہ کی حدیث میں ہے کہ انہیں عبد اللہ بن عمرؓ سے انہیں نافعؓ سے انہیں حضرت ابن عمر سے روایت پہنچی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوار کے لیے تین سہم ایک سہم اس کا اور دو گھوڑے کے لگائے اور یہ صحیحین میں مروی ہے۔ امام ثوری اور ابو اسامہ نے بھی عبد اللہ سے اس طرح روایت کیا ہے امام شافعیؒ بتاتے ہیں کہ مجمع بن حارثہ نے بتایا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں اٹھارہ سو سہم مقرر فرمائے۔ فوج کی تعداد پندرہ سو تھی۔ جن میں تین سو سوار تھے۔ آپ نے سوار کو دو سہم اور پیدل کو ایک سہم عطا فرمایا۔ شافعیؒ نے فرمایا کہ مجمع بن یعقوب یعنی اس حدیث کا راوی اپنے والد سے وہ اپنے چچا عبد اللہ بن یزید سے وہ اپنے چچا مجمع بن حارثہ سے روایت کرتا ہے۔ جو غیر معروف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے عبد اللہ کی روایت قبول کر لی ہے۔

چونکہ اس کی معارفی خبر کوئی نہیں اور ایک خبر کو صرف اس پایہ کی خبر سے ادا کیا جا سکتا ہے۔ لہذا اسی کے رد ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آپ کے ابن عم جعفر بن ابی طالب اور ان کے ساتھی بھی آئے۔ ان کے ہمراہ عبداللہ بن قیس ابو موسیٰ اور ان کے رفقاء اشعری قبیلے کے لوگ تھے۔ نیز اسماء بنت عمیس بھی آئیں۔

ابو موسیٰ بتاتے ہیں کہ ہم یمن میں تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی اطلاع ملی ہم ہجرت کرتے ہوئے نکلے۔ میں تھا اور میرے ساتھ میرے دو بھائی تھے۔ میں ان دونوں سے چھوٹا تھا۔ ایک کا نام ابو رہم اور دوسرا ابو بردہ۔ ہماری قوم کے پچاس سے زیادہ افراد آگئے۔ چنانچہ ہم ایک کشتی پر سوار ہو گئے یہ کشتی ہمیں جلشہ میں نجاشی کی طرف لے گئی۔ ہم وہاں جعفر بن ابی طالب اور اس کے ساتھیوں سے جا ملے۔ حضرت جعفر نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہاں بھیجا ہے اور ہمیں یہاں ٹھہرنے کا حکم دیا۔ اس لیے ہمارے ساتھ ہی ٹھہرو ہم انہی کے ساتھ ٹھہر گئے۔ آخر کار ہم سب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فتح خیبر کے موقع پر ہمیں آپ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نے ہمارے لیے سہم نکالا۔ اور ہمارے علاوہ اور کسی غیر حاضر شخص کا حصہ اس میں سے نہیں نکالا۔ سو ان صحابہ کے جو آپ کے ہمراہ تھے۔ یا حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے یا ہمارا اور ہمارے شرکائے سینہ کا۔

حضرت اسماء بنت عمیس اور حضرت عمرؓ میں سخت کلامی لوگ کہنے لگے کہ ہمیں تم پر ہجرت

میں سبقت حاصل ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت اسماء بنت عمیس حضرت حفصہؓ کے پاس آئیں اور حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے۔ انہوں نے پوچھا یہ خاتون کون ہیں؟ جواب دیا کہ اسماءؓ ہیں۔

حضرت عمر نے کہا، ہم نے تم پر ہجرت میں سبقت کی۔ اس لیے تم سے زیادہ ہم رسول اللہ کے حقدار ہیں۔ (حضرت اسماء کو غصہ آیا وہ کہنے لگیں۔ اے عمرؓ گز نہیں۔

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، جو تم میں بھوکا ہوتا اسے وہ کھلاتے، جو تم میں بہا کر تا وہ مالِ غنیمت پاتا۔ مگر ہم ایک دور دراز علاقے میں کٹھنائیاں برداشت کر رہے تھے اور یہ صرف اللہ اور اس کے رسول کی خاطر تھا۔ خدا کی قسم نہ میں کھاؤں گی نہ پیوں گی جب تک جو تم نے کہا ہے اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض نہ کر لوں۔ ہمیں دکھ دیا جاتا ایذا دی جاتی اور ہم یہ سب خدا اور رسول کے لیے ہستے۔ میں یہ تمام ماجرا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کروں گی اور خدا کی قسم ذرا بھی نہ جھوٹ بولوں گی، نہ نمک مرچ لگا کر کہوں گی اور نہ مبالغہ کروں گی۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اسماء نے عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول! اس طرح کہہ رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے انہیں کیا جواب دیا؟

انہوں نے عرض کیا، میں نے جواب میں یہ یہ کہا۔

آپ نے فرمایا عمر اور ان کے ساتھیوں کی ایک ہجرت ہے اور اے اہل سفینہ تمہاری دو ہجرتیں ہیں۔ ابو موسیٰ اور اہل سفینہ حضرت اسماء کے پاس گروہ درگروہ آیا کرتے اور اس حدیث کے متعلق پوچھ گچھ کیا کرتے تھے۔ ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بات فرحت بخش اور پایہ مسرت نہ تھی۔ جتنی وہ بات جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمائی تھی۔

حضرت جعفر بن ابی طالب سے آپ کا والہانہ تعلق خاطر

جب حضرت جعفر بن ابی طالب سے آپ کا والہانہ تعلق خاطر

علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ان کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ خدا کی قسم میں اندازہ نہیں کر سکتا کہ آپ کو فتح خیبر سے زیادہ خوشی ہوئی۔ یا حضرت جعفرؓ کی آمد سے۔ اور واقعہ کی فرماتے ہیں کہ ابو شیم مزنی نے بتایا جو اسلام لاپکے تھے، اور سچ یہ ہے کہ انہوں نے بہت عمدہ طور پر اس دین کو قبول کیا تھا کہ جب ہم عینیہ بن حصن کے ہمراہ واپس آئے اور عینیہ بھی واپس آیا۔ جب ہم خیبر کے قریب تھے تو رات

کو ہم اترے اور ہمیں گھبراہٹ لاحق ہوئی۔

عینیہ نے کہا خوش ہو جاؤ، میں نے رات کو خواب دیکھا ہے کہ مجھے خیبر کا ایک پہاڑ ذوالرقیبہ دیا گیا۔ جب ہم خیبر واپس ہوئے، عینیہ آیا اور دیکھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر فتح کر لیا تھا۔ اس نے عرض کیا، اے محمد! آپ نے میرے حلیفوں سے جو غنیمت لی ہے تو اس میں سے مجھے بھی عنایت کیجیے، کیونکہ میں آپ کو گزند پہنچانے سے ہٹ گیا حالانکہ ہم آپ کو پہچان چکے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے بلکہ تو شور سن کر اپنے گھر کی طرف بھاگا۔

اس نے کہا: اے محمد مجھے انعام دیجیے۔

آپ نے فرمایا تیرے لیے ذوالرقیبہ ہے۔

اس نے پوچھا ذوالرقیبہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: وہ پہاڑ جو تو نے خواب میں دیکھا کہ تو لے گا۔

پہنچنے والی عینیہ واپس ہوا، جب واپس پہنچا تو حرت بن عوف اس کے پاس آیا اور کہا میں نے کہا نہیں تھا کہ تجھ سے اور ہی معاملہ ہوگا۔ اللہ کی قسم محمد مشرق و مغرب کی ہر قوم پر غالب آکر رہے گا۔ یہود ہمیں اس بات کی خبر دیا کرتے تھے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں ابورافع سلام بن ابی حقیق کو کہتے سنا کہ ہم محبت پر نبوت کے متعلق حسد کرتے ہیں کہ بنی ہارون سے نکل گئی حالانکہ آپ واقعی نبی مرسل ہیں۔ حرت کہتے ہیں میں نے سلام سے پوچھا کہ کیا وہ تمام زمین کے بادشاہ بنیں گے۔ اس نے کہا ہاں! اور کوئی یہودی نہیں چاہتا کہ میرے اس قول سے کوئی بھی واقف ہو جائے۔

آنحضرت کو زہر دینے کی کوشش | اس غزوہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا۔ سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت

حرت یہود نے آپ کو ایک مٹھی ہوئی بکری بھیجی، جس میں زہر ملا دیا، وہ آئی اور پوچھنے لگی۔ کونسا گوشت آپ کو زیادہ پسند ہے؟ بتایا گیا کلائی کا۔

چنانچہ اس نے کلائی میں زہر زیادہ ڈال دیا۔ جب اس پارچہ سے آپ نے کاٹا تو کلائی نے بتایا کہ مجھے مسموم کیا گیا ہے۔ آپ نے فوراً نوالہ پھینک دیا۔ پھر آپ نے فرمایا یہود کو جمع کرو، جب سب جمع ہو گئے تو ارشاد فرمایا! میں تم سے ایک بات دریافت کرتا ہوں، کیا تم سچ سچ بتاؤ گے؟ انہوں نے کہا ہاں! اسے ابوالقاسم۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارا باپ کون ہے! وہ کہنے لگے، ہمارا باپ فلاں ہے۔ آپ نے فرمایا: تم نے جھوٹ کہا، تمہارا باپ تو فلاں ہے۔ وہ بولے آپ نے سچ کہا۔ آپ نے فرمایا اگر میں کچھ پوچھوں تو سچ بولو گے: کہنے لگے ہاں! اسے ابوالقاسم اگرچہ ہم نے آپ کی تکذیب کی لیکن آپ نے ہمارے باپ کے متعلق ہمارا کذب معلوم کر لیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اہل نار کون ہے؟ وہ بولے ہم اس میں تھوڑی ہی مدت تک رہیں گے۔ پھر تم لوگ اس میں ہمارے بعد ہو گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا کی قسم ہم وہاں کبھی بھی نہ جائیں گے۔

پھر آپ نے فرمایا اگر میں تم سے کچھ دریافت کروں تو سچ بولو گے! کہنے لگے ہاں! آپ نے فرمایا تم نے اس بکری میں زہر ملا دیا ہے! کہنے لگے ہاں!

آپ نے فرمایا: کس بات نے تمہیں اس بات پر آمادہ کیا؟ بولے ہمارا ارادہ یہ ہوا کہ اگر آپ جھوٹے ہیں تو آپ سے نجات مل جائے گی اور اگر نبی ہیں تو آپ کو کچھ ضرر نہ پہنچے گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وہ عورت بھی لائی گئی اس نے اقرار کیا کہ میں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے کبھی بھی مجھ پر مسلط نہ کرے۔ ابوسلمہ بتاتے ہیں کہ بشر بن براہ بن مسرور اس بکری کے کھانے سے اوفات پا گئے۔ آپ نے یہود سے کہلا بھیجا کہ تجھے کس بات نے اس کام پر آمادہ کر دیا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ قتل کر دی گئی۔

اور اس باب میں اختلاف ہے کہ کیا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گوشت کھایا یا نہیں! زیادہ تر روایات کھانے کی تائید میں ہیں۔ اس واقعہ کے تین سال بعد تک آپ زندہ رہے۔ یہاں تک کہ مرض وفات کی تکلیف میں بھی آپ نے فرمایا کہ میں اس نوالے کا اثر محسوس کرتا رہا ہوں جو خیر کے دن (اس مسموم) بکری سے کھایا تھا۔

زہری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت تھی۔

غزوہ خیبہ کے سلسلہ میں احکام فقہیہ | ان میں سے ایک یہ ہے کہ اشہر حرم میں کفار سے مقاتلہ و جنگ۔ کیونکہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم ذی الحجہ میں حدیبیہ سے واپس آئے تو یہاں ٹھہرے۔ پھر آپ محرم میں خیبہ کی طرف تشریف لے گئے۔ زہری نے عروہ سے، انہوں نے مروان اور سعد بن محرز سے اس طرح نقل کیا ہے۔ نیز واقعی نے بھی کہا کہ آپ شہ کی ابتداء میں نکلے۔ لیکن یہ استدلال عملی نظر ہے۔ کیونکہ اوائل محرم میں آپ نکلے ابتداء میں نہیں اور صفر میں فتح حاصل ہوئی اس سے زیادہ قوی دلیل بیعت رضوان ہے جو صحابہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے کی کہ وہ جنگ کریں گے اور راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ یہ واقعہ ذی قعدہ میں پیش آیا تھا۔ لیکن اس سے استدلال نہیں ہو سکتا۔ آپ نے بیعت تب لی جب آپ کو حضرت عثمان کی شہادت اور قریش سے ارادہ جنگ کی اطلاع ملی۔ ورنہ اشہر حرم میں قتال کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔

کیا اشہر حرم میں قتال کا آغاز جائز ہے | اختلاف تو اس میں ہے کہ کیا ان مہینوں میں قتال کا از خود آغاز کرنا جائز ہے یا

نہیں؟ جمہور نے اسے جائز کیا ہے اور کہا ہے کہ تحریم قتال منسوخ ہو چکی ہے اور ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے اور حضرت عطاء وغیرہ کا خیال یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں حضرت عطاء اللہ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے کہ اشہر حرم میں قتال حلال نہیں اور اس کی حرمت منسوخ نہیں ہوئی۔

ان دونوں سے زیادہ قوی استدلال طائف کا محاصرہ ہے کیونکہ آپ شوال کے

آخر میں اس طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ محاصرے کا کچھ وقت ذی قعدہ میں آتا ہے۔ کیونکہ رمضان میں دس دن باقی تھے کہ فتح مکہ ہوا اور فتح مکہ کے بعد آپ انیس دن وہیں مقیم رہے اور نمازوں میں قصر کرتے رہے۔ اس کے بعد ہوازن کی طرف تشریف لے گئے۔ جب شوال میں بیس دن باقی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بنو ہوازن پر بھی آپ کو فتح عطا فرمائی۔ یہاں کے غنائم تقسیم کرنے کے بعد آپ طائف کی طرف تشریف لے گئے اور بیس سے زیادہ دن تک وہاں محاصرہ کیے رکھا۔ اس کے باوجود اس واقعہ سے دلیل نہیں ملتی۔ کیونکہ غزوہ طائف دراصل بنو ہوازن کی جنگ کا تمہ تھا اور انہوں نے پہلے سے ہی رسول اللہ علیہ وسلم سے قتال شروع کر رکھا تھا۔ جب انہیں شکست ہوئی تو وہ اپنے شہر میں داخل ہو گئے۔ اس طرح محاصرہ طائف نے دراصل پہلے سے شروع شدہ جنگ کا تمہ تھا۔

انہی احکام میں ایک تقسیم غنائم کا مسئلہ ہے کہ سوار کے لیے تین سہم اور پیادوں کے لیے ایک سہم، جس کے متعلق مفصل ذکر ہو چکا ہے۔ نیز یہ کہ ایک فوجی کو یہ جائز ہے کہ اسے کھانا ملے تو کھالے اور اس کا خس ادا نہ کرے۔ جس طرح حضرت عبداللہ بن مفضل کو چربی کی ایک بوریا ملی تو انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اسے اپنے لیے مخصوص کر لیا۔

نیز جنگ ختم ہو جائے اور اس کے بعد کچھ لوگ میدان میں آئیں تو انہیں حصہ نہیں ملے گا۔ جب تک تمام لشکر اجازت نہ دے دے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے اہل سفینہ کے متعلق اس وقت مشورہ فرمایا تھا جب جعفر اور ان کے رفقاء خیبر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ آیا انہیں حصہ دیا جائے؟ مشورے کے بعد انہیں حصہ دیا گیا۔

پالتو گدھوں کے گوشت کا مسئلہ | ان احکامات میں سے ایک پالتو گدھوں کے گوشت کی حرمت ہے۔ خیبر کے دن اس کی تحریم صحت کے ساتھ ثابت ہے اور اس کی تعلیل یوں ہے کہ یہ جس سے یہ قول

ان صحابہ کے قول پر مقدم سمجھا جائے گا، جنہوں نے یہ علت بتائی ہے کہ یہ سواری اور بار برداری کا جانور ہے اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ اس کا خنس نہیں نکالا گیا تھا اور اس قول پر بھی مقدم ہے کہ یہ جانور لسنی کے اس پاس کی گندگی کھاتا ہے۔ یہ تمام اقوال اگرچہ صحیح ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان زیادہ قابل ترجیح ہے کہ یہ رخص رنایا پاک ہے، سب پر مقدم ہوگا۔

متنع کب حرام ہوا؟
 متنع فتح خیبر کے دن حرام نہیں کیا گیا بلکہ فتح مکہ کے موقع پر اسے حرام کیا گیا اور یہی درست تر رائے ہے۔

بعض اہل علم کا خیال یہ ہے کہ آپ نے اسے فتح خیبر کے دن حرام بتایا اور انہوں نے صحیحین کی اس روایت سے دلیل لی ہے جو علی بن ابی طالب سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متنع کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا اور صحیحین میں ہے کہ حضرت علیؓ نے حضرت عباسؓ کو عورتوں کے متنع کے مسئلہ میں نرمی کرتے دیکھا تو فرمایا: اے عباسؓ ٹھہرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں سے متنع کرنے اور پالتو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے اور جب لوگوں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے سال اسے مباح بتایا پھر حرام کیا تو کہنے لگے حرام ہوا، پھر مباح ہوا، پھر حرام ہوا۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں سمجھتا کہ متنع کے سوا کوئی بات حرام کی گئی ہو۔ پھر مباح کی گئی ہو پھر دوبارہ حرام کی گئی ہو مروی ہے کہ دوبارہ یہ حکم منسوخ ہوا اور بعد والوں نے اس کی مخالفت کی ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ صرف فتح کے سال حرام ہوا اس سے قبل مباح تھا۔

متنع کے بارے میں حضرت ابن عباس کا فتویٰ | اور خیبر کے واقعہ میں صحابہ کرام رضوان علیہم یہودی عورتوں سے

متنع نہیں کرتے تھے اور نہ انہوں نے اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی اور اس غزوہ میں کسی نے اس قسم کی بات نقل کی اور نہ اس واقعہ میں فعلاً و قولاً اس

کا ذکر ہوا۔ بخلاف فتح مکہ کے کہ اس میں فعلًا تو امتدہ کا معاملہ سامنے آیا۔ یہ طریقہ دونوں سے زیادہ صحیح ہے۔

نیز تیسرا طریقہ بھی مروی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مطلقاً حرام نہیں بتایا بلکہ ضرورت کے وقت جائز اور بلا ضرورت اسے حرام قرار دیا۔ (مروی ہے) کہ حضرت ابن عباسؓ اس کا فتویٰ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے کہ یہ مردار، خون اور سوز کے گوشت کی طرح ہے کہ ضرورت اور شدت حاجت میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ اکثر لوگ اسے نہ سمجھ سکے اور سمجھا کہ انہوں نے اسے مطلقاً مباح قرار دیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے یہ دیکھا تو رجوع کر لیا اور اس کے حرام ہونے کا فتویٰ ادا کیا۔

مسافات اور مزارعت کے جواز کا پہلو نیز اس میں مسافات اور مزارعت کا جواز نکلتا ہے کہ زمین کی پیداوار

پھل اور کھیتی کے ایک مقرر حصے پر معاملہ طے کیا جائے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خیبر کے ساتھ معاملہ فرمایا تھا جو آپ کی وفات تک غیر منسوخ رہا اور بعد میں خلفائے راشدین کا بھی اس پر عمل رہا۔

اسی قبیل میں یہ بھی ہے کہ آپ نے دشمنوں کو زمین دی تاکہ اجرت پر کام کریں۔ زمین کو فروخت نہیں کیا اور نہ مدینہ سے بیچ بھیجے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی سنت طیبہ یہ ہے کہ زمین کا مالک بیچ دینے پر مجبور نہیں۔ البتہ یہ عامل کی جانب سے جائز ہے آپ کے بعد خلفائے راشدین کا بھی یہی معمول رہا۔

تقسیم الگ چیز ہے بیع جدا کھجوروں کے پھلوں کا اندازہ کر کے سودا کرنا اور اسے تقسیم کرنا بھی اس غزوہ سے جائز معلوم

ہوتا ہے نیز یہ کہ تقسیم بیع نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ اندازہ کرنے والا اور تقسیم کنندہ ایک ہی کافی ہے۔

نیز عقد صلح و امان کو مشروط کرنا بھی جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشروط لگا دی کہ یہودی کچھ غائب نہ کریں گے اور نہ کچھ چھپائیں گے۔

نیز متہم لوگوں کو سزا دینا، یہ حکم شرعی عدالت ہے نہ کہ ظالمانہ سیاست!۔
 نیز اگر اہل ذمہ اپنے آپ پر عائد شدہ شرائط میں سے کسی کی مخالفت کر دیں تو ان کا ذمہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کا جان و مال حلال ہو جاتا ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ معاہدہ کیا اور شرط لگا دی کہ وہ کچھ غائبانہ کریں گے اور نہ ہی کچھ چھپائیں گے اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کی جان و مال کا ذمہ ٹوٹ جائے گا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بھی اہل ذمہ کی شرائط کے متعلق سنت پر عمل کیا۔ اور (اہل ذمہ) پر شرط عائد کر دی کہ اگر انہوں نے کسی دفعہ کی مخالفت کی تو بندوقوں اور دشمنوں پر جو کچھ وارد ہو گا ان پر بھی کچھ نہ ہو گا۔

نیز یہ کہ جس نے تقسیم سے قبل غنائم میں سے کچھ لیا وہ اس کا مالک نہ ہو گا۔ اگرچہ وہ چیز اس کے حق سے بھی کم ہو۔ بلکہ وہ تقسیم کے بعد ہی مالک ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے آپ نے صاحب شملہ کے بارے میں جب اس نے غلو کیا تو فرمایا کہ یہ آگ بن کر اس پر جل رہی ہے اور تسمے والے کو فرمایا: آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔
 نیز امام کو اختیار ہے کہ قوت کے بل پر فتح کیے ہوئے علاقے کو تقسیم کر دے یا اس کی تقسیم ترک کر دے یا بعض کو تقسیم کر دے اور بعض کو چھوڑ دے۔

نیز اہل ذمہ کو دارالاسلام سے خارج کرنا جائز ہے۔ جب مناسب ہو، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تک اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں ٹھہرائے گا ہم بھی ٹھہرائے رکھیں گے۔ اور یہود کے سردار سے آپ نے فرمایا: تمہارا اس وقت کیا حال ہو گا۔ جب دن بدن تمہاری سواریاں شام کی طرف کوچ کریں گی اور حضرت عمر نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد انہیں شام کی طرف جلا وطن کر دیا۔ محمد بن جریر طبری کا یہی مذہب ہے۔

باندی کے ساتھ نکاح میں گواہوں کی ضرورت نہیں | نیز اپنی لونڈی کو آزاد کرنا پھر آزاد کرنے

کے بعد اس سے نکاح کرنا اور آزادی کو حق بہ مقرر کرنا جائز ہے اور لونڈی کے اذن اور گواہوں اور ولی کے بغیر اسے زوجہ بنا لینا جائز ہے اور نہ فقط نکاح کرتا ہوں یا شادی کرتا ہوں کی ضرورت ہے جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفینہ کے معاملہ میں کہا اور آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ یہ طریقہ صرف میرے لیے مخصوص ہے۔ اور باوجود اس بات کے کہ آپ کو معلوم تھا کہ امت آپ کی سنن کا اتباع کرتی ہے۔ آپ نے اس طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور نہ کسی صحابی نے کہ یہ طریقہ آپ کے سوا دوسروں کو جائز نہیں بلکہ انہوں نے اس واقعہ کو امت کی طرف نقل کیا اور انہیں منع نہیں کیا اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کام کی اقتداء سے منع فرمایا: حالانکہ اللہ تعالیٰ موہوبہ نکاح کے تعلق کو آپ نے خطاب کر کے فرمایا: *مخالصة لك من دون المؤمنین* یعنی، خاص کرنے کے لیے دوسرے مؤمنین کے سوا۔“

اس لیے اگر امت سے علاوہ یہ بھی آپ سے مخصوص ہوتا تو اس کی تخصیص کا

تذکرہ زیادہ اولیٰ ہے۔

نیز مرد کو اپنی بیوی کے ہمراہ خیمہ لگا کر رہنا اور سواری پر لشکر کے درمیان ایک ہی

ہودج میں سوار ہونا بھی جائز ہے۔

نیز جو آدمی دوسرے کو زہر دے کر قتل کر دے، اسے قصاص میں قتل کیا جائے

گا۔ جیسے حضرت بشر بن براد کو شہید کرنے کے عوض یہودیہ عورت کو قتل کیا گیا۔

کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ نیز کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ شاید یہودی عورت کو عہد شکنی کے

باعث قتل کیا گیا کہ اس نے زہر کھلایا نہ کہ قصاص کے باعث۔ اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر

عہد شکنی کے باعث اسے قتل کیا جائے تو اقرار کے فوراً بعد قتل کر دیا جاتا اور کھانے

والے کی وفات تک اس کا قتل مؤخر کر دیا جاتا۔ اور اگر کہا جائے کہ اسے عہد شکنی

کے باعث قتل نہیں کیا گیا اس کا جواب یہ ہے کہ یہی بات حجت ہے جو اس کے

قائل ہیں کہ امام کو اسیر کی طرح عہد شکن کے متعلق اختیار ہے اگر کہا جائے کہ تم تو امام

احسد کی طرح دجوب قتل کے قائل ہو۔ اور قاضی ابو یعلیٰ اور ان کے اتباع کا خیال یہ ہے کہ امام کو اس میں اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہوگا کہ اگر صلح سے قبل (زہری بکری) کا واقعہ درپیش آیا تو پھر یہ حجت نہیں ہو سکتا اور اگر صلح کے بعد ہوا تو مسلمان کو قتل کرنے کی صورت میں عہد شکنی کے متعلق اختلاف ہے جو اسے عہد شکنی نہیں سمجھتے تو ظاہر ہے اور جو اسے عہد شکنی تصور کرتے ہیں ان میں بعض اس کے وجوب قتل کے قائل ہیں۔ بعض اختیار قتل کے بعد بعض اسباب عہد شکنی کی مزید وضاحت کرتے ہیں۔

فتح خیبر کے سلسلہ میں اختلاف آراء | اور فتح خیبر کے قوت سے مفتوح ہونے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ

قوت سے مفتوح ہوا۔ بعض مصالحت سے فتح کے قائل ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد نے حضرت انسؓ کی حدیث نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کا غزوہ کیا تو خیبر جنگ کے بعد قوت سے فتح ہوا اور قتال کے بعد بعض کو ملک بدر کر دیا گیا۔ ابن عبد البر فرماتے ہیں کہ ارض خیبر کے متعلق یہ صحیح تر روایت ہے کہ یہ تمام زمین قوت سے مفتوح ہوئی۔ بخلاف فدک کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تمام زمین غنائم پر تقسیم فرمادی۔ جنہوں نے گھوڑوں اور سواروں پر بیٹھ کر ہلہ بولا تھا اور یہ اہل حدیبیہ ہی تھے اور علمائے کرام کا اس میں اختلاف نہیں کہ ارض خیبر تقسیم کردہ ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ جب ملک غنیمت میں ہاتھ آجائے تو اسے تقسیم کیا جائے یا وقف کیا جائے! اہل کوفہ فرماتے ہیں کہ امام کو اس کی تقسیم اور موقف دونوں کا اختیار ہے، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین کے متعلق کیا اور حضرت عمرؓ نے عراق کے متعلق کہا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تمام زمین تقسیم کر دی جائے گی۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کی زمین تقسیم فرمادی، کیونکہ زمین بھی کفار کے دیگر اموال کی طرح غنائم میں شامل ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمرؓ کی اتباع کے باعث وقف کے قائل ہیں کیونکہ زمین غنائم میں مخصوص حیثیت رکھتی ہے جس طرح حضرت عمرؓ نے صحابہ کی جماعت ہوتے ہوئے بھی ان مسلمانوں کے لیے

وقف کر دیا جو بعد کے زمانے میں آنے والے ہیں۔

وادی قزئی میں آپ کی تشریف آوری | پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے چل کر وادی قزئی تشریف لے گئے،

وہاں یہود کی ایک جماعت تھی اور عرب (مشرکین) کا ایک گروہ بھی ان کے ساتھ شامل ہو گیا۔ جب یہ لوگ وہاں پہنچے تو یہود نے تیر مارنے شروع کر دیئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام مدعم قتل ہو گیا۔ لوگوں نے کہا اسے جنت مبارک ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر گز نہیں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو چادر اس نے خیبر کے روز تقسیم سے قبل لی تھی اس پر آگ بن کر شعلہ زن ہے۔ جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا دو تسمے لایا۔ آپ نے فرمایا، آگ کا ایک تسمہ یا دو تسمے۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی، ان کی صف بندی فرمائی اور حضرت سعد بن عبادہ کو جھنڈا عطا فرمایا۔ اور ایک جھنڈا جناب بن منذر کو ایک سہل بن حنیف کو اور ایک جھنڈا عبادہ بن بشر کو عطا کیا۔ اس کے بعد یہود کو اسلام کی دعوت دی اور بتایا کہ تم اسلام لے آؤ تو تمہارے مال محفوظ ہوں گے، تمہاری جانوں کو امان ہوگا اور حساب اللہ پر ہوگا۔

حضرت زبیر اور حضرت علی کی بہادری | اس کے بعد ایک آدمی نکلا اس

عوام نکلے۔ حضرت زبیر نے اسے قتل کر دیا۔ پھر اور نکلا انہوں نے اسے بھی قتل کر دیا پھر اور نکلا۔ اس کے مقابلے میں حضرت علی بن ابی طالب نکلے اور انہوں نے اسے قتل کر دیا اس طرح کفار کے گیارہ آدمی قتل ہو گئے۔ جو نہی ایک قتل ہو جاتا، دوسروں کو دعوت اسلام دی جاتی۔ جب نماز کا وقت آجاتا تو آپ صحابہ کے ہمراہ نماز ادا فرماتے۔ پھر واپس آکر انہیں اسلام، اللہ اور اس کے رسول کی طرف دعوت دیتے اس کے بعد مقاتلہ فرماتے۔ آخر شام ہو گئی اور جب صبح ہوئی اور ابھی سورج ایک نیزہ بھی اونچا نہ ہوا تھا کہ آپ نے اس علاقہ پر قبضہ کر لیا اور قوت کے ذریعہ سے آپ کو یہ فتح حاصل

ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان کا مال غنیمت عطا کیا اور سامان و اموال کی ایک کثیر تعداد ہاتھ آئی۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وادی قریٰ میں چار دن تک مقیم رہے اور جو مال غنیمت حاصل ہوا اسے صحابہؓ پر تقسیم کر دیا اور زمین اور کھجور کے درختوں کو یہود کے پاس ہی رہنے دیا اور انہی کو کارندہ مقرر فرما دیا۔ جب یہود تیار کو خیر پہنچی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر، فدک اور وادی قریٰ کے یہود کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے تو انہوں نے بھی آپ کے ساتھ مال پر صلح کر لی۔

اس کے بعد جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ | **حضرت عمر اور یہود بیان خیر و فدک** کی خلافت کا زمانہ آیا تو انہوں نے خیر اور فدک کے یہود کو ملک بدر کر دیا۔ تیار اور وادی قریٰ کے یہود کو رہنے دیا، کیونکہ یہ دونوں علاقے ارض شام کی حدود میں شامل ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ اس سے نچلا علاقہ مدینے تک حجاز میں داخل ہے اور اسی سے پرے کا علاقہ شام میں داخل ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لے آئے۔ واپسی پر ایک شب ایک جگہ اترے اور حضرت بلالؓ سے فرمایا:

رات کو پہرہ دیتے رہنا۔

چنانچہ حضرت بلالؓ کی آنکھوں میں نیند غالب آگئی۔ کیونکہ وہ اپنی سواری سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلالؓ اور تمام صحابہؓ میں سے کوئی بیدار نہ ہوا۔ یہاں تک کہ دھوپ نکل آئی۔ سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور آپ گھبرا گئے۔ فرمایا: اے بلالؓ یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: اے اللہ کے رسول میرے ماں باپ آپ پر قربان جس ذات نے آپ کو سلا دیا اس نے مجھے بھی (سلا) دیا۔ چنانچہ سواریوں کو وہاں سے ہٹکایا۔ یہاں تک کہ اس وادی سے نکل گئے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اس وادی میں شیطان ہے۔ جب پار چلے گئے۔ آپ نے انہیں اترنے اور وضو کرنے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے فجر

کی سنتیں ادا کیں اور حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ آخر نماز کی اقامت ہوئی۔ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔ پھر فارغ ہو کر فرمایا:-

قضا نماز موقع ملتے ہی فوراً پڑھنی چاہیے۔

علاوہ کسی اور وقت انہیں لوٹاتا۔ اس لیے جب تم میں سے کوئی نماز کے وقت سو جائے یا بھول جائے، اسے چاہیے کہ اس طرح پڑھے جیسے وقت پر پڑھنا تھا۔ پھر آپ نے حضرت ابو بکر کی طرف توجہ فرمائی اور فرمایا کہ شیطان بلال کے پاس آیا وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ اس نے انہیں سنانے کی کوشش کی اور انہیں تھپکنے لگا جیسے بچے کو تھپکا یا جاتا ہے یہاں تک کہ سو گئے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور انہیں بھی بتایا، جس طرح حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تھا۔

اس واقعہ کے فقہی احکام

بھول جائے تو اس کا وقت اس کے لیے نماز کا وقت ہے۔ اس گھڑی میں ہوگا۔ جب وہ بیدار ہو یا اسے یاد آ جائے۔ نیز یہ کہ سنن راتبہ کی فرائض کی طرح قضا ہوگی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرائض کے ساتھ ساتھ فجر کی سنن بھی قضا کیں اور ظہر کی سنن تنہا قضا فرمائیں اور آپ کی سنت طاہرہ یہ تھی کہ فرائض کے ساتھ ساتھ سنن راتبہ بھی قضا کرتے تھے۔

نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قضا کی حالت میں اذان اور اقامت ہوگی، کیونکہ حالت سفر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت بلالؓ نے اذان کہی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان اور اقامت کا حکم دیا (ابوداؤد)۔

نیز اس واقعہ سے قضا نماز کو جماعت سے ادا کرنے اور (بیدار ہونے) کے فوراً بعد قضا کرنے کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔ جیسے آپ کا قول اُسے چاہیے کہ جب یاد آئے

اسے ادا کرنے۔ اور مقام نزول سے ہٹ کر آپ نے نماز پڑھی اور تاخیر کی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ شیطان کی جگہ تھی۔ آپ اس سے بہتر جگہ پر تشریف لے گئے۔ اس

وجہ سے قضا ئے نماز میں جلدی تاخیر میں شمار ہوگی۔ کیونکہ آپ رحلت سفر میں بھی نماز ہی کے کام میں مشغول تھے۔

نیز اس سے شیطانی جگہوں پر نماز پڑھنے کی ممانعت بھی معلوم ہوتی ہے جیسے حمام یا باغ کیونکہ یہ وہ مقامات ہیں جہاں شیطان کثرت سے جاتا اور سکونت پذیر ہوتا ہے۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وادی میں نماز کی عجلت کو مؤخر کر دیا تو ان جگہوں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ جو شیاطین کا کھلم کھلا مسکن ہیں!

مہاجرین کی بندہ جو صلگی | جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس آئے، مہاجرین کو خیبر کے مال سے حصہ ملا تو مہاجرین نے انصار کو ان کے عطیات واپس کر دیئے جو انہوں نے صحابہؓ کو دے رکھے تھے۔

سریہ ابو بکر صدیق رضی

خیبر سے واپس آکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوال تک مدینہ میں رہے اور اس زمانہ میں آپ نے چھوٹے چھوٹے دستے روانہ فرمائے۔ ان میں سے ایک دستہ بنی فزارہ کے علاقہ نجد کی طرف ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ارسال فرمایا۔ ان کے ہمراہ سلمہ بن اکوع بھی تھے۔ ان کے حصہ میں ایک خوبصورت لونڈی آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے لے لی، اور اس کے عوض ان مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا گیا، جو مکہ میں تھے۔ نیز تیس سواروں کا ایک دستہ حضرت عمرؓ بن خطاب کی زیر نگرانی ہوازن کی جانب بھیجا۔ جب انھیں اطلاع ہوئی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، مسلمان جب وہاں پہنچے تو کوئی بھی وہاں نہ تھا چنانچہ واپس مدینہ چلے گئے۔ رہنا نے پوچھا کہ کیا آپ بنو نضیم کے گروہ سے مقابلہ کریں گے؟ جو چلے آ رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا حکم نہیں دیا (اس لیے) انھوں نے ان سے کچھ تعرض نہ کیا۔

نیز ایک تیس سواروں کا دستہ حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کی سرکردگی میں بھیجا گیا۔ ان میں عبداللہ بن انیس تھے۔ انھیں بشیر بن دارام یہودی کی طرف بھیجا گیا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ عطفان نے آپ سے جنگ کرنے کے لیے گروہ بندی کی ہے۔ اسے وہ خیبر کے علاقہ میں لے آئے ہیں۔ اس طرح کہ انھوں نے یہ کہہ کر شروع کیا ہے کہ ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تاکہ تجھے خیبر پر عامل مقرر کر دیں۔ اس طرح یقین دلا کر تیس آدمیوں سمیت لے آئے۔ اس کا ایک ایک آدمی ایک ایک

مسلمان کے ساتھ اونٹ پر سوار ہو گیا۔ جب یہ لوگ خیبر سے چھ میل دور رہ گئے تو بشیر یہودی گھبرا یا اور حضرت عبداللہ بن انیس کی تلوار کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا۔ وہ سمجھ گئے انھوں نے فوراً اپنے اونٹ کو جھڑکا اور اونٹ سے الگ ہو کر قوم کے آگے آگے چلنے لگے۔ پھر جب بشیر پر قابو پالیا تو اس کی ٹانگ کاٹ دی۔ بشیر بھی الگ ہوا، اس کے ہاتھ میں شویط کی لکڑی تھی اس نے اسے حضرت عبداللہ بن انیس کی آنکھ پر حملہ کیا جس سے زخم ہو گیا (لیکن آنکھ محفوظ رہی اس پر ہر مسلمان نے ہر ساتھی یہودی سوار پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا۔ سوا ایک آدمی کے (کہ وہ بچ کر بھاگ گیا) اس حادثہ میں کوئی مسلمان زخمی نہیں ہوا۔

یہ مسلمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے عبداللہ بن انیس کے زخم چشم پر لعاب مبارک لگا دیا، جس سے نہ پیپ پڑی اور نہ وفات تک پھر کوئی تکلیف ہوئی۔

اس طرح فدک میں بنو سمرہ کی طرف حضرت بشیر بن سعد انصاری کی زیر سرکردگی میں ایک دستہ بھیجا گیا، جس میں انیس آدمی تھے۔ جب یہ نکلے تو چرداہوں سے ملے جو بکریاں اور چوپائے ہانگ کر مدینہ واپس ہو گئے۔ انھوں نے ان کا پیچھا کیا اور رات کو ان تک پہنچ کر تیر برسوں کے آخر کا بشیر اور ان کے اصحاب کے پاس تیر ختم ہو گئے۔ پھر بشیر نے ان سے سخت قتال کیا اور ان کی بکریاں اور چوپائے لے کر واپس ہوئے۔ بشیر کو چوٹ آگئی اور وہ یہود کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ صحت ہو گئی اور واپس مدینہ پہنچے۔

اس کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چہینہ کے خلاف ایک لشکر بھیجا جس میں اسامہ بن زید بھی تھے۔ جب یہ وہاں پہنچے تو امیر شکر نے خبر بھیجی وہ خبر لائے تو آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک شب کو ان کے قریب جا پہنچے۔ پھر یہ کھڑے ہو گئے۔ اللہ کی حمد و ثنا بیان کی اور کہا، میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے جس کا کوئی شریک نہیں ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں کہ تم میری اطاعت کرو۔ اور میری نافرمانی نہ کرو۔ اور میرے حکم کے خلاف نہ کرو۔ کیونکہ جس کی اطاعت نہ کی جائے۔ اس کی رائے کچھ (وزن) نہیں رکھتی۔ پھر انھیں ترتیب

دے کر کہا اے فلاں تو اور فلاں اور اے فلاں تو اور فلاں تم دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا اور ایسی بات قطعاً نہ ہو کہ میں کہوں کہ تمہارا ساتھی کہاں ہے تو وہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا۔ اور جب میں تکبیر کہوں تم بھی تکبیر کہو اور تلوار کھول لو۔ پھر انھوں نے تکبیریں کہیں اور متحد ہو کر حملہ کر دیا اور دشمن کو کھیر لیا (کفار) کو اللہ کی تلواروں نے پکڑ لیا۔ جہاں مسلمان چاہتے مارتے اور اسی دن ان کا شعار امت امت تھا۔

حضرت اسامہؓ | حضرت کی اس سے بیزارگی
ایک آدمی

کے پیچھے نکلے جس کا نام نہیک بن مرواس تھا۔ جب اس کے قریب آئے اور تلوار سے اس پر حملہ کیا تو اس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا۔

انھوں نے پھر بھی اسے قتل کر دیا۔ پھر انھوں نے بکریوں چوپالیوں وغیرہ کو ہنکایا۔ ہر آدمی کے حصہ میں دس بکریاں یا اس کے برابر چوپائے آئے۔

جب یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ کو حضرت اسامہؓ کے فعل کی خبر کر دی گئی۔

آپ کو یہ بات سخت ناگوار گزری اور فرمایا کہ کیا تو نے لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی اسے قتل کر دیا؟ انھوں نے جواب دیا اس نے محض جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھا تھا۔

آپ نے فرمایا، کیا تو نے اس کا دل پھیر کر دیکھ لیا تھا؟ پھر فرمایا کہ: قیامت کے دن لا الہ الا اللہ کے مقابلہ میں کون تیرا (مددگار) ہوگا؟ آپ یہی بات بار بار دہراتے رہے یہاں تک کہ اسامہؓ نے دل میں کہا۔ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا۔ پھر کہا اے اللہ کے رسول، میں اللہ سے وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی اس آدمی کو قتل نہ کروں گا جو لا الہ الا اللہ کہتا ہوگا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد؟

حضرت اسامہؓ نے عرض کیا، آپ کے بعد!

سریرہ غالب بن عبد اللہ کلبی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غالب بن عبد اللہ کلبی کو کدید
میں بنی ملوح کی طرف بھیجا اور حکم دیا کہ ان سے جنگ

کرو، ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے یعقوب بن عتبہ نے انھیں مسلم بن عبد اللہ جہنی سے
انھیں جذب بن بکیت جہنی سے روایت ملی کہ میں اس سریرہ میں شریک تھا۔ ہم چلے جب
ہم قدید پہنچے تو حرث بن مالک بن برضا لیشی سے ملے ہم نے اسے گرفتار کر لیا۔ وہ
کہنے لگا، میں تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہوں۔

غالب بن عبد اللہ نے فرمایا۔ اگر تو مسلمان ہونے کے لیے آیا ہے تو ایک دن
رات کی گرفتاری تیرے لیے کچھ مضر نہیں۔ اور اگر تو دوسری بات کے لیے آیا ہے تو بھی
ہمیں وثوق ہو جائے گا چنانچہ انھوں نے اسے باندھ دیا اور ایک چھوٹے سے سیاہ
قام آدمی کو اس پر مقرر کر دیا اور فرمایا اس کے پاس ٹھہرے رہو۔ ہم تمہارے پاس سے
گزریں گے اگر یہ تمہارے ساتھ جھگڑا کرے تو اس کا سرا ڈا دینا پھر ہم چلے اور وادی کدید
میں پہنچے۔ ہم وہاں عصر کے بعد شام کے قریب اترے۔ میرے ساتھیوں نے مجھے
ایک ٹیلے کی طرف بھیجا جس سے کہ وہ بستی نظر آتی تھی میں اس پر چڑھ گیا اور یہ غروب
آفتاب سے قبل کا واقعہ ہے اس بستی والوں میں سے ایک آدمی نکلا۔ اس نے غور
کیا اور مجھے ٹیلے پر بیٹھے دیکھا، اپنی بیوی سے کہنے لگا، میں اس ٹیلے پر کچھ سیاہی سی دیکھ
رہا ہوں جو میں نے ابتدائے دن میں نہ دیکھی تھی۔ ذرا دیکھنا کوئی کتابرتوں پر سے نہ گزرا
ہو۔ اس نے دیکھا اور کہنے لگی اللہ کی قسم میں نے تو کوئی چیز نہیں دیکھی جو کھوٹی گئی ہو، کہنے
لگا، ذرا مجھے کمان اور تھیلے سے دو تیر دینا، اس نے اسے تیر دیئے اور اس کے بعد
اس نے تیر مارا جو میرے پہلو میں لگا۔ میں نے اسے نکال دیا اور حرکت تک نہ کی۔ پھر
اس نے دوسرا تیر مارا جو میرے کندھے میں لگا۔ میں نے اسے بھی نکال دیا اور حرکت
بالکل نہ کی۔ وہ اپنی بیوی سے کہنے لگا، بخدا میرے تیر بے کار گئے، اگر کوئی (جاندار) ہوتا
تو ضرور حرکت کرتا۔ صبح کو میرے تیر تلاش کرنا اور دونوں کو لے آنا کہیں انھیں کلاب نہ
چبا جائیں۔

راوی کا بیان ہے کہ پھر ہم ٹھہرے رہے، حتیٰ کہ شام ہو گئی۔ انھوں نے دودھ دوبا، اور خاموشی چھا گئی اور شب کا ایک حصہ گزر گیا۔ پھر ہم نے اچانک ان پر حملہ کر دیا اور بعضوں کو قتل کیا اور چوپائے ہٹکائے اور واپس چل پڑے۔ ان کی تیغ پیکار قوم تک پہنچی اور ہم تیزی کے ساتھ نکل آئے۔ آخر ہم حوث بن مالک اور اس کے ساتھی کے پاس سے گزرے۔ انھیں بھی ساتھ لیا اور لوگوں کی آوازیں ہم تک پہنچنے لگیں۔ اور وہ ہم تک پہنچ ہی رہے تھے اور ان کے درمیان صرف وادی کا میدان ہی رہ گیا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں سے چاہا پانی کا سیلاب بھیج دیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وادی میں اس سے قبل بارش ہوتی دیکھی ہی نہ تھی۔ اور اب اس قدر سیلاب آیا کہ لوگ اسے عبور نہ کر سکے۔ میں نے انھیں دیکھا کہ وہ ہماری جانب دیکھ رہے تھے اور ان میں سے کوئی بھی آگے بڑھ نہ سکتا تھا۔ اور ہم ڈھلوان پر اتر رہے تھے۔ چنانچہ ہم تیزی سے چلے اور جو کچھ ہمارے قبضہ میں تھا انھیں اس کے حاصل کرنے سے عاجز کر دیا۔

کہتے ہیں کہ یہی وہ سر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔

بشیر بن سعد کی مہم | اس کے بعد سیل بن نویرہ حاضر ہوئے۔ یہ خیبر کے علاقہ میں
نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر تھے۔ آپ نے دریافت

فرمایا۔ کیا خیبر ہے؟

انھوں نے کہا کہ یمن، عطفان اور حیان میں میں نے دیکھا کہ ایک لشکر جمع ہے۔ آپ نے ان کی طرف عینہ کو بھیجا تھا کہ یا تو تم چلے آؤ، یا ہم تمہاری طرف آئیگی انھوں نے جواب بھیجا کہ تم ہماری طرف چلے آؤ اور وہ آپ سے جنگ کرنا چاہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ سے مشورہ فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ بشیر بن سعد کو ارسال فرمائیے آپ نے انھیں تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا اور انھیں حکم دیا کہ رات کو چلو اور دن کو چھپ جاؤ۔ سیل بھی ان کے ہمراہ رہنمائی کے لیے نکلے۔ یہ رات کو چلتے اور دن کو چھپ جاتے۔ یہاں تک کہ خیبر کے زیریں علاقہ میں پہنچ گئے

اور دشمن کے قریب ہو گئے اور ان کے چوپاؤں پر ہلہ بول دیا۔ جب انھیں خبر ہوئی تو بھاگ کھڑے ہوئے۔ بشیر اپنے اصحاب سمیت بستی میں گئے اور دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ چنانچہ یہ لوگ چوپائے لے کر واپس آ گئے۔ بعد میں عینہ نے ان کا ایک فخر قتل کر دیا، اور دو آدمی گرفتار کر کے مدینہ لے آئے جو مسلمان ہو گئے۔

سریہ ابی حدرد اسلمی | نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو حدرد اسلمی کو ایک سریہ میں بھیجا۔ اس کا واقعہ ابن اسحق نے اس طرح ذکر کیا ہے

کہ حشیم بن معاویہ کا ایک آدمی جس کا نام قیس بن رفاتحہ یا رفاعہ بن قیس تھا، ایک بھاری تمیمت لے کر آیا اور میدان میں اترا تاکہ قبیلہ قیس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کرنے کے لیے جمع کرے۔ یہ آدمی حشیم میں نامور اور معروف تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اور دو مسلمانوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس آدمی کی طرف جاؤ اور اس کی نبر لاؤ۔ آپ نے ہمیں ایک نجیف بڑی عمر کی اونٹنی عطا کی۔ ہم میں سے ایک آدمی اس پر سوار ہوا تو خدا کی قسم وہ ضعف کے باعث کھڑی نہ ہو سکی یہاں تک کہ لوگوں نے ہاتھوں کے ساتھ پیچھے سے اسے سہارا دیا تب وہ چلی۔

آپ نے فرمایا کہ تم اس سواری پر پہنچ جاؤ گے۔ ہم نکلے، ہمارے ساتھ ہمارے تیر اور تلواریں بھی تھیں۔ غروب آفتاب کے وقت ہم بستی کے قریب پہنچے۔ میں ایک سمت میں چھپ گیا اور ساتھی سے چھپنے کو کہا۔ وہ بھی بستی کے دوسری جانب چھپ گیا۔ میں نے کہا کہ جب تم میری تکبیر سنو۔ تو تم بھی تکبیر کہو۔ خدا کی قسم ہم اس حالت میں تھے اور انتظار کر رہے تھے کہ ذرا صبح ہو جائے یا کچھ نظر آنے لگے۔ رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ شہر والوں کے کسی چرواہے نے شب کو آنے میں دیر کر دی تھی۔ یہاں تک کہ انہیں خطرہ لاحق ہوا۔ اس پر ان کا سردار مار فاعہ بن قیس کھڑا ہوا۔ اس نے اپنی تلوار سے کرگلے میں لٹکائی اور کہنے لگا بخدا میں اس چرواہے کے نشانات پر جاؤنگا۔ خدا کی قسم اسے ضرور گزند پہنچا ہے۔ اس کے چند ساتھی کہنے لگے خدا کے لیے ہمارے بغیر مت جاؤ۔ وہ کہنے لگا، نہیں صرف میں ہی جاؤں گا۔ انھوں نے جواب دیا۔ ہم بھی تیرے ساتھ

چلیں گے۔ اس نے کہا، بخدا تم میں سے کوئی بھی میرے پیچھے نہ آئے۔

پھر وہ نکلا، یہاں تک میرے پاس سے گزرا۔ جب میری زد میں آیا تو میں نے اسے تیرا راؤہ اس کے دل پر لگا، واللہ اس نے بات تک نہ کی۔ میں اچھلا اور اس کا سر کاٹ دیا۔ پھر میں نے تکبیر کہی، میرے دو ساتھیوں نے بھی خوب زور سے نعرہ تکبیر لگایا۔ دشمن اتنا دہشت زدہ ہوا کہ اپنی عورتوں، بچوں اور ہلکے پھلکے سامان کو لے کر فرار ہو گیا اور ہم نے اونٹوں اور بکریوں کی ایک بہت بڑی تعداد کو ہٹکا یا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے اور اس کا سر بھی میں اپنے ہمراہ اٹھا کر لے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ان میں سے تیرہ اونٹ مرحمت فرمائے جس سے میں نے اپنے خاندان کو بسایا اس سے قبل، میں نے اپنی قوم کی ایک عورت سے شادی کی تھی اور دو سو درہم اس کا حق مہر رکھا تھا۔ اس سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدد چاہنے کے لیے حاضر ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا میرے پاس اس وقت کچھ نہیں کہ تیری مدد کر سکوں، میں چند دن ٹھہرا رہا، اس کے بعد اس سر یہ کا واقعہ پیش آیا، اور میں مالا مال ہو گیا۔

سر یہ ابو قتادہ و محکم بن جثامہ | نیز آپ نے اضم کی طرف ایک سر یہ بھیجا۔ اس میں جثامہ بھی شامل تھے اور عامر بن اضبط دودھ کا ایک مشیکرہ لے کر اونٹنی پر سوار اس کے پاس سے گزرا اور انھیں اسلام کے طریق پر سلام کہا، انھوں نے جواب نہ دیا۔ محکم بن جثامہ نے اس پر حملہ کر کے اسے قتل کر دیا، کیونکہ ان دونوں میں پہلے سے کچھ عداوت سی تھی۔ جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی جس پر قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ

السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعندَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنْ أَلَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا۔

یعنی اُسے ایمان والو، جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کرو اور مت کہو جو شخص تمہاری طرف سلام علیک کرے، کہ تو مسلمان نہیں، چاہتے ہو مال دنیا کی زندگی کا تو اللہ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں۔ تم ایسے ہی تھے پہلے پھر اللہ نے تم پر فضل کیا سواب تحقیق کرو، اللہ تمہارے کام سے واقف ہے۔“

وایسی پر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی خبر دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ تو نے اُصنت باللہ میں اللہ پر ایمان لایا کہنے کے بعد اُسے قتل کر دیا!

خیبر کے سال عینیہ بن بدر حاضر ہوا اور عامر بن اصبط اشجعی کا دم طلب کیا۔ یہ تیس کا سردار تھا۔ اقرع بن حابس غلم کی جانب سے تحفظ کر رہا تھا اور یہ ننفذ کا سردار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامر کے لوگوں کو فرمایا کیا تم اب ہم سے پچاس اونٹ لے لو گے اور جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو پچاس پھر دے دیں گے؟

عینیہ بن بدر نے جواب دیا، اللہ کی قسم میں اسے ہرگز اس دن تک نہ چھوڑوں گا جب تک اس کی عورتوں کو بھی وہی تکلیف نہ پہنچا دوں جو اس نے میری عورتوں کو پہنچائی ہے۔ اس طرح کافی بحث مباحثہ کے بعد یہ لوگ دیت پر رضامند ہو گئے۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ سہمی کا سر یہ صحیحین میں حضرت سعید بن جبیر سے انھوں نے حضرت ابن عباس سے روایت

کیا، فرمایا کہ یہ آیت یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم حضرت عبداللہ بن حذافہ کے حق میں نازل ہوئی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ایک سر یہ میں بھیجا صحیحین میں اعمش کی حدیث سے بھی ثابت ہے۔ انھوں نے سعید بن عبیدہ سے انھوں نے ابو عبد الرحمن سلمی سے، انھوں نے حضرت علی سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سر یہ میں ایک انصاری آدمی کو امیر بنایا اور حکم دیا کہ اس کا حکم سنو اور اطاعت کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ انھوں نے امیر کو کسی بات میں ناراض کر دیا، امیر نے کہا، لکڑیاں جمع کرو۔ انھوں نے لکڑیاں جمع کر دیں۔ پھر کہنے لگا، آگ جلاؤ، انھوں نے آگ جلائی، پھر کہنے لگا:

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم نہ دیا تھا کہ میرا حکم سنو اور اطاعت کرو۔

انہوں نے جواب دیا، ہاں کہا تھا۔

اس پر وہ بولا، اس آگ میں کود پڑو۔

راوی کہتے ہیں، پھر انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہنے لگے کہ ہم آگ سے بھاگ

کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آئے۔ اتنے میں امیر کا غضب بھی تھم گیا اور آگ بھی بجھ گئی

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے تو اس کا تذکرہ ہوا۔

آپ نے فرمایا، اگر تم اس میں داخل ہو جاتے تو اس سے کبھی نہ نکلتے۔ اطاعت امیر صرف معروف میں ہے۔

امیر کی اطاعت کے حدود و شرائط | یہ امیر عبداللہ بن عذافہ سہمی تھے۔ اگر یہ کہا جائے

کہ اگر وہ آگ میں داخل ہو جاتے تو وہ اپنے خیال

میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہوئے داخل ہوتے گویا از روئے تاویل وہ مخطیٰ سمجھے جاتے اس لیے جہنم میں وہ دائمی طور پر کیسے رہ سکتے!

اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ آگ میں اپنے آپکو ڈالنا معصیت ہے۔ اس لیے خودکشی کرنے

کی پاداش میں وہ ہمیشہ اس میں رہتے۔ کیونکہ خالق کی نافرمانی کرتے ہوئے مخلوق کی اطاعت جائز نہیں

اور اطاعت امیر سے آگ میں داخل ہونا اللہ اور اس کے رسول کی معصیت ہوگی۔ اس طرح یہ اطاعت

ہی سزا کا مستوجب ہو جاتی۔ کیونکہ یہ حرکت خود ہی معصیت کی حیثیت رکھتی ہے اور اگر داخل ہو جائے

تو گویا اللہ اور اس کے رسول کے نافرمان ہوتے۔ اس آدمی کے متعلق جو خودکشی کرے ایسا حکم ہے تو جو

آدمی دوسرے آدمی کو امیر یا بادشاہ کے حکم سے ناجائز اذادے اس کے رنجش یا عذاب کی کیا حالت

ہوگی؟ اور آگ میں کودنا اگر اس طرح ناجائز ہے، تو ایسے بازی گروں کے بارے میں کیا کہا جائیگا۔ جو

آگ میں کود جاتے ہیں اور جہلا سمجھتے ہیں کہ یہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی میراث ہے اور سمجھتے ہیں

کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام پر آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی بن گئی، اسی طرح ان پر بھی بروداً و سلاماً بن

جائیگی اور اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ حال رحمانی میں آگ کے اندر کودے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے

کہ وہ حال شیطانی میں داخل ہوئے کیونکہ یہ نہیں جانتے کہ یہ بازی گرا ایک خاص قسم کا لباس استعمال کرتے

ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اولیاء الرحمن میں سے ہیں، حالانکہ وہ اولیاء شیطان میں سے ہیں۔

عمرہ قضا

نافع فرماتے ہیں کہ شہ ذی قعدہ کے مہینے میں یہ عمرہ کیا گیا، سلیمان تیمی فرماتے ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے واپس آئے۔ انہوں نے سرایا بھیجے، اور مدینہ میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ ذی قعدہ کا چاند نکل آیا۔ پھر آپ نے لوگوں کو نکلنے کا حکم دیا۔ موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ پھر حدیبیہ سے اگلے سال جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہ ذی قعدہ میں عمرہ کرنے کے لیے نکلے۔ یہی وہ مہینہ ہے جس میں مشرکین نے آپ کو مسجد حرام کی زیارت سے روکا تھا۔ پھر آپ نے تمام جنگی ہتھیار، تیر، نیزے وغیرہ اتار دیئے اور صرف تلواروں کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تشریف لائے اور آپ نے فرمایا، اپنے کندھوں کو کھول دو اور طواف میں سعی کرو۔ تاکہ مشرکین قوت و سطوت کا مظاہرہ دیکھ لیں اور آپ حسب امکان ان کے سامنے مظاہرہ قوت کرتے رہے۔ چنانچہ مکہ کے مرد عورتیں اور بچے جمع ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کو دیکھنے لگے۔ یہ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے اور حضرت عبداللہ بن رواحہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تلوار سونتے رجز یہ اشعار پڑھ رہے تھے :-

خلو ابني الكفار عن سبيله	قد انزل الرحمن في تنزيله
كفار کی اولاد کو ان کی راہ سے ہٹادو	رحمن نے اسے قرآن میں نازل فرمایا ہے
في صحف تتلى عن رسوله	يا رب اتى هو من بقيله
ان صحیفوں میں جو اس کے رسول پر پڑھے جلتے ہیں	اے پروردگار میں اس کے فرمان پر ایمان لایا
ضربا يزيل الهام عن قبيله	ويذهل الخليل عن خليله
ایسی ضرب جو گردن کو جدا کر دے	اور دوست کو دوست سے الگ کر دے

اور مشرکین کے بعض لوگ آپ کو سخت غصے اور غیظ کے عالم میں دیکھ رہے تھے۔
حضرت میمونہ سے آپ کا نکاح | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن تک
 مکہ میں قیام فرمایا، چوتھے روز صبح کو آپ کے
 پاس سہیل بن عمرو اور حویطب بن عبد العزیٰ آئے۔ آپ انصار کی مجلس میں حضرت سعد بن عبادہ
 سے گفتگو فرما رہے تھے کہ حویطب چلایا اور کہنے لگا ہم اللہ اور عہد کا واسطہ دیتے ہیں کیا تم ہمارا
 سر زمین سے نہیں رخصت ہو گے؟ حالانکہ تین دن گزر چکے ہیں۔

سعد بن عبادہ نے کہا، بد بخت تو نے جھوٹ بولا۔ زمین نہ تیری ہے اور نہ تیرے آباؤ
 اجداد کی ہے۔ اللہ کی قسم ہم نہیں نکلیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حویطب یا سہیل کو خطاب کر کے فرمایا، میں نے ایک
 خاتون سے شادی کی ہے کیا ولیمہ تک نہ ٹھہر جاؤں؟ ہم بھی کھائیں گے اور تم بھی کھاؤ، اس
 میں تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ ہم تجھے اللہ اور وعدہ کا واسطہ دیتے ہیں اور سوال کرتے ہیں کہ
 کیا تو ہمارے یہاں سے نہ جائے گا؟ چونکہ معاہدہ حدیبیہ میں وعدہ کیا گیا تھا کہ مسلمان اگلے
 سال آئیں گے اور تین روزہ کر چلے جائیں گے اس لیے انبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابورافع
 کو کوچ کرنے کا حکم دیا اور آپ بھی سوار ہو گئے یہاں تک کہ آپ مقام سرف پر اترے اور
 وہاں ٹھہرے اور ابورافع حضرت میمونہ کو لانے کیلئے پیچھے رہ گئے آپ وہاں اقامت
 پذیر ہوئے تا آنکہ حضرت میمونہ اور ان کے ساتھ کے لوگ بھی آگئے۔ ان جہلا مشرکین اور ان
 کے بچوں سے انہیں از حد اذیتیں پہنچیں پھر آپ نے سرف میں خیمہ لگوایا۔ آپ نے ملاقات
 کی۔ اس کے بعد کوچ کیا اور مدینہ پہنچ گئے اور اللہ کی تقدیر دیکھیے کہ حضرت میمونہ کی قبر بھی اسی
 جگہ بنی جہاں کہ سرف کے مقام پر آپ نے خیمہ لگوایا تھا۔

اور حضرت عباس کا قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
کیا حالت احرام میں نکاح ہو سکتا ہے؟ | وسلم نے حالت احرام میں حضرت میمونہ سے

نکاح فرمایا اور خیمہ لگوایا تو آپ غیر محرم تھے۔ یہ ثابت نہیں ہے اور اسے وہم سمجھا گیا ہے۔

یزید بن امم حضرت میمونہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے نکاح کیا، جب ہم دونوں سرف میں غیر محرم تھے (مسلم)

اور حضرت ابورافع نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حلال ہونے کی حالت میں حضرت میمونہ سے نکاح فرمایا اور مکان یا خیمہ بنوایا تو بھی آپ حلال تھے، اور میں دونوں کے درمیان قاصد تھا۔ یہ ان سے صحیح روایت میں مروی ہے۔

سعید بن مسیت فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن عباس جو سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حالت احرام میں حضرت میمونہ سے نکاح کیا اور جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو محل اور نکاح ایک ہی وقت میں ہوئے، جس وجہ سے انھیں تو شبہ ہو گیا کہ آپ نے احرام سے قبل نکاح کیا۔ یہ بات محل ہے۔ سوا اس کے انھیں احرام سے قبل اس کا وکیل بتایا گیا ہو گا اور میں سمجھتا ہوں کہ شافعی نے بھی اس کے متعلق ایک قول ذکر کیا ہے۔ اب اقوال تین ہیں۔

ایک یہ کہ آپ نے عمرہ سے حلت کے بعد نکاح فرمایا۔ یہ خود حضرت میمونہؓ اور ان دونوں کے درمیان قاصد حضرت ابورافعؓ کا قول ہے۔ نیز حضرت سعید بن مسیب اور جمہور محدثین کا یہی قول ہے۔

دوسرا یہ کہ آپ نے حالت احرام میں نکاح کیا۔ ابن عباسؓ اہل کوفہ اور ایک گروہ کا یہی خیال ہے۔

تیسرا یہ کہ آپ نے ان سے احرام سے قبل نکاح فرمایا۔ صحیح مسلم میں حضرت عثمانؓ بن عفان سے منقول ہے انھوں نے بتایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ محرم نہ نکاح کرے۔ نہ نکاح کرائے اور نہ منگنی کرے اب اگر قول اور فعل کو متعارض تسلیم کر لیا جائے تو قول کو مقدم سمجھا جائے گا۔ کیونکہ فعل تو برات اصلبہ کے مطابق ہوتا ہے اور قول اس کا ناقل ہوتا ہے۔

حضرت حمزہؓ کی پچی کی تولیت پر جھگڑا

تمام قریبی عزیزوں اور رشتے داروں پر خالہ کو ترجیح

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنت عم۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے نکلنے کا ارادہ فرمایا تو حضرت

حمزہ کی پچی ان کے پیچھے چل پڑی اور آوازیں دینے لگی، چچا! چچا! حضرت علی بن ابی طالب نے اسے گود میں اٹھالیا اور حضرت فاطمہؓ سے کہا تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔

انہوں نے اسے اٹھالیا۔ اس پر حضرت علیؓ، حضرت جعفرؓ اور حضرت زید رضی اللہ عنہم نے نزاع کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں نے اسے اٹھایا تھا اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے مزید برآں اس کی خالہ میری بیوی ہے۔ حضرت زیدؓ نے فرمایا کہ یہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالہ کے حق میں فیصلہ فرمادیا اور فرمایا خالہ ماں کی قائم مقام ہے۔

اس کے بعد حضرت علیؓ نے فرمایا۔

تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور حضرت جعفرؓ سے فرمایا کہ تو شکل اور اخلاق میں

میرے مشابہ ہے۔ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تو ہمارا بھائی اور ہمارا مولا ہے۔

اس کی صحت پر اتفاق ہے۔ اس واقعہ میں فقہی مسئلہ یہ ہے کہ والدین کے بعد حضانت

کے زمانہ میں خالہ تمام اقارب پر فوقیت رکھتی ہے اور اگر عورت بچے کے قریبی سے نکاح

کرے تو اس کی حضانت ساقط نہیں ہوتی۔ اس واقعہ میں لوگوں کے لیے استدلال ہے۔ جنہوں نے چچی پر خالہ پر اور باپ کا قرابت پر ماں کی قرابت کو مقدم سمجھا ہے کیونکہ آپ نے بھی چچی کی خالہ کے حق میں ہی فیصلہ دیا۔ حالانکہ اس وقت اس کی چچی حضرت صفیہ وہی موجود تھیں۔ امام شافعیؒ مالک۔ ابو حنیفہ کا یہی مسلک ہے اور ایک روایت کے مطابق امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ امام احمد سے دوسری روایت بھی منقول ہے جس میں انہوں نے چچی کو خالہ پر مقدم بتایا ہے اور ہمارے شیخ الاسلام ابن تیمیہ قدس سرہ کا یہی مسلک ہے۔ اس طرح باپ کی جانب سے عورتیں ماں کی جانب کی عورتوں پر مقدم ہوں گی، کیونکہ اصل میں بچے کی ولایت باپ کے لیے ہے اور ماں کو مصلحت طفل اور تربیت و شفقت کی خاطر ترجیح دی گئی اور اس معاملہ میں مردوں کی نسبت عورتیں زیادہ مضبوط ہوتی ہیں لیکن جب معاملہ محض عورتوں یا محض مردوں پر پڑے تو اس وقت باپ کی قرابت ماں کی نسبت مرجوح ہوگی، جیسے ہر مرد سے باپ اول ہوتا ہے۔ اور یہی قوی قول ہے اور حضرت زیدؓ کا یہ فرمانا کہ میرے بھائی کی بیٹی ہے۔ ان کا مطلب اس انخوت سے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت حمزہؓ کے درمیان قائم کیا تھا۔ جب آپ نے انخوت قائم فرمائی۔ صحابہ کے درمیان مواخات یعنی بھائی چارہ | آپ نے اپنے صحابہ کے درمیان ہجرت سے قبل صرف مہاجرین میں حق و مواسات پر مواخات قائم کی۔ چنانچہ آپ نے حضرت ابو بکر اور عمرؓ کے درمیان۔ حضرت حمزہؓ اور زید بن حارثہ کے درمیان۔ حضرت عثمان اور عبد الرحمن بن عوف کے درمیان۔ حضرت زبیرؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان۔ حضرت عبیدہ بن حارث اور بلالؓ کے درمیان۔ حضرت مصعب بن عمیر اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان۔ حضرت ابو عبیدہؓ اور سالمؓ مولیٰ ابو حذیفہ کے درمیان۔ حضرت سعید بن زید اور طلحہ بن عبید اللہ کے درمیان۔ اور دوسری بار مدینہ تشریف لانے کے بعد حضرت انس بن مالک کے گھر میں مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی۔

ایک فقہی بحث

اس عمرہ کو عمرہ قضاء کہنے میں اختلاف ہے۔ کیا یہ اس عمرہ کی قضاء تھی جس سے آپ کو روکا گیا تھا، یا یہ عمرہ مقاضاہ تھا!

واقف کی فرماتے ہیں کہ مجھے عبداللہ بن نافع سے انھیں اپنے والد محترم سے انھیں سفر ابن عمر سے روایت پہنچی کہ یہ عمرہ قضاء نہ تھا، بلکہ یہ مسلمانوں پر شرط میں آیا تھا کہ وہ اس مہینے میں جس میں مشرکین نے انھیں روکا ہے۔ عمرہ کریں گے اور تین روز قیام کریں گے اس لیے اس کے متعلق فقہاء کے چار اقوال ملتے ہیں۔

ایک یہ کہ جسے عمرہ سے روک دیا جائے۔ اس پر ہدی اور قضائے عمرہ لازم ہے۔ امام احمد سے مروی دو روایات میں سے ایک یہ ہے، بلکہ زیادہ اشہر روایت یہی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہدی واجب ہے اور قضاء واجب نہیں۔ یہ امام شافعی اور امام مالک کا مسلک ہے اور امام احمد سے ابو طالب کی ایک روایت کے مطابق ان کا بھی یہی مذہب ہے تیسرا قضائے عمرہ لازم ہے لیکن ہدی لازم نہیں، یہ ابو حنیفہ کا قول ہے۔ چوتھا، نہ اس پر قضائے عمرہ ہے اور نہ ہدی لازم ہے۔ امام احمد سے مروی ایک قول یہ بھی ہے۔

محصر کی قربانی

ایک اہم تحقیقی مسئلہ

صلح حدیبیہ کے موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو روک دیا گیا تو حالت محصر میں آپ کا نحر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ محصر کو محصر کے وقت قربانی کرنا چاہیے۔ اگر عمرہ کا احرام باندھ رکھا ہو اس صورت میں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں۔

اور اگر مفرد یا قارن ہو تو اس میں دو قول ملتے ہیں ایک یہ مسئلہ حسب مذکورہ ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہ دو قربانیوں میں سے ایک ہے۔ جب اس سے حل جائز ہو تو عمرہ کی طرح وقت محصر قربانی بھی جائز ہے کیونکہ عمرہ فوت نہیں ہوتا۔ اور آئندہ تمام زمانہ اس کے لیے وقت ہے۔ پھر جب اس سے حل جائز ہو اور اس کے فوت کے خطرہ کے بغیر قربانی کر لی تو حج جس کے فوت کا خطرہ بھی ہے، اس میں قربانی بطور اولیٰ جائز ہے۔

امام احمد نے ایک روایت میں فرمایا ہے، کہ اسے چاہیے کہ یوم النحر تک نہ حلال ہو اور نہ ہی نحر کرے۔ اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ ہدی کے لیے ایک مخصوص زمانہ اور مکان ہے۔ مگر جب وہ مخصوص مکان میں ادا کرنے سے عاجز آگیا، تو اس سے مخصوص زمانہ کا محل ساقط نہ ہوگا جب کہ وہ مخصوص وقت اور زمانہ میں اسے ادا کر سکتا ہے۔

اس قول کی بنا پر اسے یوم النحر سے قبل حلال ہونا جائز نہیں، کیونکہ فرمان یہ ہے :-

لا تحلفوا سواؤسکم حتی یبلغ الہدی محلہ یعنی اور حجامت نہ کرو،

سر کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔

عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نحر اور حل اس بات کی دلیل ہے کہ عمرہ میں محصر حلال ہو سکتا ہے۔ یہی جمہور کا قول ہے۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ عمرہ کرنے والے کو حلال نہ ہونا چاہیے کیونکہ اس کے فوت ہونے کا کچھ خطرہ نہیں۔

امام مالک سے اس قول کی صحت نسبت بعید سی معلوم ہوتی ہے کیونکہ آیت حدیث کے موقع پر نازل ہوئی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ عمرے کا احرام باندھے تھے۔ پھر سب نے احرام اتار دیا۔ اور اس باب میں اہل علم کے اندر کسی کو شک نہیں۔

محصر کہاں نحر (قربانی) کر سکتا ہے؟ | حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذبیحہ کے بارے میں سمجھنا چاہیے کہ یہ بالاتفاق

حلال ہوئے کے بعد ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ محصر حل یا حرم میں جہاں بھی اسے حصر واقع ہو نحر کر سکتا ہے۔ جمہور علمائے کرام۔ احمد، مالک اور شافعی کا یہی قول ہے۔

دوسری روایت میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ میں ہے کہ محصر کو صرف حرم کے اندر قربانی کرنے کی اجازت ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ ہدی کو حرم میں بھیجے اور ایک آدمی کو حلال ہونیکے وقت حرم میں جا کر نحر کرنے پر مقرر کرے۔ ابن مسعودؓ تابعین کی ایک جماعت اور ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے یہ قول اگر ان سے صحیح ہے تو اسے مخصوص حصر پر قیاس کیا جائیگا۔ وہ یہ کہ کوئی ظالم کسی جماعت یا فرد کو روک دے۔ رہا حصر عام تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اس کے خلاف پائی جاتی ہے۔ مقام حدیبیہ تمام لوگوں کے اتفاق رائے سے حل میں شامل ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ جگہ کچھ حل میں اور کچھ حرم میں شامل ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ اس کے اطراف حرم میں ہیں ورنہ یہ جگہ بالاتفاق حل میں ہے اور اصحاب احمد کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ حرم کے کسی حصہ میں جاسکنے کی قوت رکھتا ہو تو کیا اسے وہیں جا کر نحر لازم ہوگا؟ یا نہیں۔

صحیح یہ ہے کہ یہ لازم نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف حرم پر قدرت رکھتے ہوئے بھی حل میں نحر کیا۔

غزوة موتہ، شہاد کا شوق فراوان

خدا کے راستے میں جان دینے والوں کی جرأت اور بے خوفی

یہ علاقہ ارض شام میں بلقاء کے قریب واقع ہے یہ غزوة شہ جہادى الاول میں ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو لہب کے ایک آدمی حوث بن حمیر ازدی کے ہاتھ شام کی طرف شاہ روم یا حاکم بصری کی طرف ایک نامہ مبارک روانہ فرمایا۔ شرجیل بن عمرو غسانی نے قاصد کو گرفتار کر لیا اور اسے باندھ دیا۔ پھر آگے بڑھ کر اس کی گردن مار دی۔ اس قاصد کے سوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی قاصد قتل نہیں کیا گیا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی تو آپ کو سخت رنج ہوا۔ آپ نے فوج کا ایک دستہ روانہ فرمایا اور زید بن حارثہ کو امیر مقرر فرما دیا اور فرمایا کہ اگر زید شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب کو امیر بنا لینا۔ اگر جعفر شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ کو امیر بنا لینا۔ چنانچہ لوگ تیار ہوئے ان کی تعداد تین ہزار تھی۔ جب کوچ کا وقت آیا تو لوگوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ امیروں کو الوداع کہا۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ رو پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ کیوں روتے ہیں کہنے لگے۔ اللہ کی قسم مجھے نہ دنیا کی محبت ہے اور نہ تم سے لگاؤ۔ لیکن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کتاب اللہ کی یہ آیت پڑھے سنا جس میں نارا ذکر آتا ہے کہ وَاَنْتُمْ مِّنْكُمْ اَلَا وَاَسْرَدْهَا كَانَ عَلٰی سَرٰیكُ حَتْمًا مَّقْضٰیًا۔ یعنی اور کوئی نہیں تم میں جو نہ پہنچے گا اس پر۔ ہو چکا تیرے رب پر ضرور مقرر۔ اس لیے مجھے کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ ہم داخل ہونے کے بعد کیسے نکلیں گے! مسلمانوں نے کہا اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت

رکھے اور تم سے راگ اور کر سے اور تمہیں ہماری طرح صالح حالت میں لوٹائے۔
عبداللہ بن رواحہ نے جواب میں چند اشعار پڑھے جس کا مطلب یہ تھا کہ میں اللہ سے
بخشش کا طالب ہوں۔ پھر یہ لشکر چل پڑا۔ آخر معان میں اتر سے تو پتہ چلا کہ ہر قتل بلقادی میں
ایک لاکھ رومی فوج لے کر ڈیرے ڈالے ہے اور نخم، جذام، بلقین، بہرا اور بلی
کے تمام لوگوں کو اس نے ساتھ ملا لیا تھا۔

جب مسلمانوں کو یہ اطلاع ملی تو یہ معان میں دو راتیں پڑے رہے اور اس معاملہ پر
غور کرتے رہے اور کہنے لگے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی تعداد کی اطلاع
دیتے ہیں۔ تاکہ یہ یا تو مزید فوج ارسال فرمائیں یا کوئی حکم دیں اور ہم اس پر عمل کریں۔

یا فتح یا شہادت | اتنے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لوگوں کو ہمت دلائی اور
کہا اے لوگو! اللہ کی قسم جس بات سے تم گریزاں ہو اس کے
لیے نکلے ہو، تم شہادت کے طالب بن کر آئے ہو اور ہم تعداد اور کثرت کے بھروسہ
پر جنگ نہیں کرتے بلکہ اس دین کی خاطر بہرہ پیکار ہیں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرف
بخشا، اس لیے دو نیکیوں میں سے ایک ضرور حاصل ہوگی، یا فتح یا شہادت۔

چنانچہ لوگ چل پڑے اور جب بلقادی میں پہنچے تو ایک بستی جس کا نام مشارف تھا
وہاں انھیں ایک جتھہ ملا۔ اب دشمن بھی قریب تھا۔ مسلمان موتہ کی طرف بڑھے۔ وہیں
دشمن اسے ملاقات ہوئی اور جنگ برپا ہوئی۔

حضرت زید بن حارثہ کی شہادت | اس جنگ میں حضرت زید بن حارثہ کے
ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ جنگ کرتے رہے،
یہاں تک کہ دشمنوں کے نیزوں کی زد میں آگئے اور شہید ہو گئے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب کی بے نظیر بہادری | پھر حضرت جعفر نے جھنڈا
اٹھالیا اور جنگ کی، جب
گھمسان کارن پڑا تو گھوڑے سے اتر آئے وہ زخمی ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پاپیادہ
مقابلہ کیا آخر وہ بھی شہید ہو گئے اسلام میں حضرت جعفر پہلے آدمی ہیں جن کا گھوڑا جنگ

کے موقع پر زخمی ہوا ان کا دایاں بازو کٹ گیا تو انھوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا اٹھا لیا پھر بائیں بھی کٹ گیا تو انہوں نے سینہ سے لگا لیا یہاں تک کہ شہادت پا گئے۔ ان کے بدن پر تینتیس نشانات تھے۔

اب حضرت عبداللہ بن رواحہ آگے بڑھے یہ گھوڑے پر سوار تھے اور گھوڑے سے اترتے وقت کچھ تردد کرنے لگے، آخر اتر آئے۔ ان کا چچا زاد بھائی ایک گوشت کا مکڑا لے آیا۔ اور کہنے لگا اسے کھا کر ذرا کم کو مضبوط کر لو، کیونکہ ان دنوں آپ کو کافی تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ انہوں نے اسے ہاتھ میں لے لیا اور ایک ٹکڑا دانتوں سے کاٹا، پھر ایک طرف لوگوں کا شور و غل سنا۔ اور کہا تو دنیا میں معروف ہے، یہ کہہ کر اسے پھینک دیا، تلوار اٹھائی اور آگے بڑھے اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے

امارت خالد بن ولید کے ہاتھ میں | ان کے بعد حضرت زید بن ارقم نے جھنڈا اٹھا لیا جو نبی جلال کے بھائی تھے اور کہنے

لگے اے مسلمانو! ایک آدمی پر اتفاق کر لو، انہوں نے کہا کہ تم ہی (امیر بن جاوا) انہوں نے کہا میں امیر نہیں بنوں گا۔ لوگوں نے خالد بن ولید پر اتفاق کر لیا۔ جب خالد نے جھنڈا لیا تو انہوں نے قوم کو پیچھے ہٹا لیا اور لوگوں کو لے کر میدان سے ایک طرف ہو گئے۔

ابن سعد نے نقل کیا ہے کہ مسلمانوں کی شکست ہو گئی اور صحیح بخاری میں ہے کہ اہل روم کو شکست ہوئی اور صحیح وہ ہے جو ابن اسحاق نے کہا ہے کہ ہر فریق دوسرے سے علیحدہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی تمام واقعات کی خبر کر دی۔

موسیٰ بن عقبہ فرماتے ہیں کہ حضرت یعلیٰ بن سنبہ اہل موتہ کی خبر لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تو چاہے تو مجھے اطلاع دے اور اگر چاہے تو میں خود بتا دیتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آپ بتا دیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمام واقعات بتا دیے اور

تمام حالات کی خبر دے دی۔

اور کہنے لگے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ آپ نے ایک بات بھی نہیں چھوڑی، جس کا تذکرہ نہ کیا ہو۔ اور واقعات اس طرح ہیں جیسے آپ نے بیان فرمائے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے سامنے زمین پیش کر دی گئی یہاں تک کہ میں نے ان کا معرکہ ہوتے دیکھا اور اس دن جعفرؓ، زیدؓ بن حارثہ، عبد اللہ بن رواحہ، مسعود بن اوس، وہب بن سعد بن ابی سرح، عباد بن قیس، حارثہ بن نعمان، سراقہ بن عمرو بن عطیہ عمرو بن زید کے دونوں بیٹوں ابو کلیبؓ جابرؓ اور سعد بن حرث کے دونوں بیٹوں عامرؓ اور عمروؓ وغیرہ نے شہادت پائی۔

عبداللہ بن رواحہ کے ابیات

ترمذی وغیرہ میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح کے دن مکہ میں داخل ہوئے تو عبد اللہ

بن رواحہ آپ کے سامنے ابیات پڑھ رہے تھے۔ خلوا بنی الکفار عن سبیلہ۔
لیکن یہ وہم ہے کیونکہ ابن رواحہ تو اس غزوہ میں شہید ہو گئے تھے اور یہ غزوہ فتح مکہ سے چار ماہ قبل پیش آیا تھا۔

غزوة ذات السلاسل

یہ وادی قریحا کے اُگے ہے، 'سین' مضموم اور مفتوح دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ اس کے اور مدینہ کے درمیان دس دن کی مسافت کا فاصلہ ہے یہ غزوة جمادیِ آخرہ ۳۳ھ میں ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ قضاعتہ کی ایک جماعت اکٹھی ہو کر اطرافِ مدینہ کی طرف بڑھنا چاہتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاص کو بلایا اور انہیں ایک سفید جھنڈا دیا، ایک اور جھنڈا ساتھ کر دیا اور انہیں مہاجرین و انصار کے تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا ان کے پاس تیس گھوڑے بھی تھے اور حکم دیا کہ علی عذرہ اور بلقیں کے جو لوگ بھی گذریں ان کا تعاون بھی حاصل کر لیا جائے۔ چنانچہ یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو سفر کرتے۔ جب دشمن کے قریب پہنچے تو پتہ چلا کہ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لیے رافع بن بکیث جنہی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مزید کمک کے لیے درخواست کی۔ آپ نے ابو عبیدہ بن جراح کو دو سو آدمیوں کے ہمراہ روانہ فرمایا اور انہیں بھی ایک جھنڈا عنایت کیا اور بڑے بڑے مہاجرین و انصار روانہ کیے، جن میں ابو بکرؓ اور عمرؓ بھی تھے اور انہیں حکم دیا کہ عمروؓ سے جا ملیں اور اتحاد قائم رکھیں، اختلاف نہ کریں۔

بے نفسی اور بے لوثی | جب یہ دستہ پہنچا تو ابو عبیدہ بن جراح نے اقامت کرنا چاہی عمروؓ نے کہا کہ آپ کو میری مدد کے لیے بھیجا گیا

ہے۔ امیر تو میں ہوں۔

ابو عبیدہؓ نے اس کی اطاعت کر لی۔ چنانچہ عمروؓ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہے اور برابر بڑھتے رہے، یہاں تک کہ قضاعتہ کے علاقے کو روندتے ہوئے آخری حصہ میں پہنچ

گئے۔ یہاں ایک اور لشکر سے مدد بھیڑ ہوئی، مسلمانوں نے اس پر بھی حملہ کر دیا۔ دشمن شہروں کی طرف بھاگ کھڑا ہوا اور منتشر ہو گیا۔

پھر عوف بن مالک اشجعی کو صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نامہ بر بنا کر بھیجا گیا۔ انہوں نے آپ کو خبر دی کہ مسلمان فتح و ظفر کے ساتھ واپس لوٹ رہے ہیں اور جنگ کے تمام حالات عرض کیے ابن اسحاق نے فرمایا ہے کہ جذام کے علاقہ میں چشموں پر اترنے کے باعث جسے سلسال کہا جاتا ہے اس غزوے کو ذات السلاسل کا نام دیا گیا۔

عمرو بن عاص کا اجتہاد | اس غزوے میں امیر شکر حضرت عمرو بن عاص کو بدخواہی ہوئی۔ یہ سخت جاڑے کی رات تھی پانی سے انہیں جان کا خطرہ لاحق ہوا اس لیے انہوں نے تیمم کر لیا اور اپنے اصحاب کو نماز پڑھا دی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس واقعہ کا تذکرہ کیا گیا تو آپ نے فرمایا۔

اے عمرو! تو نے اپنے اصحاب کو حالت جنابت میں ہی نماز پڑھا دی! انہوں نے غسل کی رکاوٹ کا تذکرہ کیا اور عرض کیا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بَكْرًا رَحِيمًا یعنی: اور اپنے آپ کو قتل مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور کچھ نہ کہا۔

اس واقعہ سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے، جن کا قول یہ ہے کہ تیمم رافع حدیث نہیں کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تیمم کے بعد بھی جنب کا ہی نام دیا اور جنہوں نے ان سے نزاع کیا ہے انہوں نے تین جواب دیے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ جب صحابہؓ نے شکایت کی تو عرض کیا کہ انہوں نے ہمیں نماز پڑھا دی جبکہ یہ جنبی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا اور فرمایا: کیا تم نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھائی، حالانکہ تم جنبی تھے! آپ نے یہ سوالیہ طور پر کلام فرمایا، جب انہوں نے عذر پیش کیا اور بتایا کہ میں نے اس ضرورت کے باعث تیمم کر لیا تھا تو آپ نے اسے قبول کر لیا۔

(۲) دوسرے یہ کہ روایت میں اختلاف ہے یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے غسل کیا اور

نماز کے لیے وضو کیا۔ پھر نماز پڑھائی اور یہ روایت تیمم کی روایت سے زیادہ قوی ہے۔ عبدالمحق نے بتایا ہے کہ یہ (وضو کی) روایت پہلی سے زیادہ متصل ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمروؓ کے ترک غسل میں فقاہت معلوم کرنے کی غرض سے دریافت فرمایا اور جب انہوں نے جواب دیا کہ میں نے فلاں ضرورت کے باعث تیمم کیا تھا تو آپ نے انکار نہ فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمروؓ نے سردی سے ہلاکت کے باعث تیمم کرنے اور تیمم سے نماز پڑھانے کا جو فعل کیا وہ جائز تھا۔ لہذا اس کے عامل پر اعتراض نہ کیا جائے گا۔ معلوم ہوا کہ آپ نے ان کی فقاہت اور علم کی خاطر استفسار فرمایا تھا۔

سریہ خبط

اس سریہ کے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ یہ ۱۰ شہ رجب میں پیش آیا۔ صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تین سو سواروں کے ہمراہ بھیجا۔ ہمارے امیر ابو عبیدہؓ بن جراح تھے۔ ہم قریش کے ایک قافلے کا بیچا کر رہے تھے کہ ہمیں سخت بھوک لگی۔ ایک آدمی نے تین اونٹ ذبح کئے، پھر تین اونٹ ذبح کیے، پھر تین اونٹ ذبح کئے۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے منع کر دیا۔ اس کے بعد سمندر نے ہماری طرف ایک جاندار پھینکا۔ جسے عنبر کہتے ہیں۔ ہم نے نصف ماہ تک اس کا گوشت کھایا اور اس کا تیل استعمال کیا۔ حتیٰ کہ ہمارے بدن اس سے مضبوط اور قوی ہو گئے۔ ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی پکڑ لی۔ اور لشکر کے سب سے طویل آدمی اور طویل اونٹ کو دیکھا اور اس پر لادوی اور اس کے نیچے سے گزرے۔ ہم نے اس کے گوشت کا ایک حصہ زاد سفر کے لئے بھی لے لیا۔ جب ہم مدینہ واپس پہنچے تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کا تذکرہ کیا۔

آپ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق کی صورت پیدا کی۔ کیا تم تمہارے پاس اس کا کچھ گوشت ہے جو تم ہمیں بھی کھلا دو؟ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیج دیا، آپ نے اُسے تناول فرمایا۔

اس واقعہ سے متعلق احکامات فقہ | اس سے شہر حرام میں جواز قتال کا پتہ چلتا ہے اگر اس کی تاریخ محفوظ طور پر رجب میں ہو اور ظاہر طور پر۔

یہ وہم ہے۔ ویسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے محفوظ نہیں ہے کہ یہ غزوہ شہر حرام

میں ہوا ہو اور نہ آپ نے اس ماہ میں اپنا تک حملہ کیا اور اس میں کوئی سریہ بھیجا اور مشرکین نے علاء بن

حضرت کے واقعہ کے متعلق اوائل رجب میں قتال پر مسلمانوں کو عار دلائی اور کہا کہ محمد نے شہر حرام کو حلال کر لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی :-

يسألونك عن الشهر الحرام قتال فيه قتل فيه كبير — (الآیۃ) اور یہ حکم کسی نص سے منسوخ نہیں ہوا اور نہ ہی امت کا اس کے نستح پر اجماع پر اور شہر حرام میں حرمت قتال پر اس آیت سے بھی استدلال کیا گیا ہے۔

فأذا تسليح الأشرار الحرام فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم یعنی؛ پس جب گنہگار ہائیں حرمت کے مہینے تو مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی تم ان کو پاؤ اس میں کوئی حجت نہیں کیونکہ یہاں اشہر حرم دراصل اشہر سفر ہیں، جن میں مشرکین مامون ہو کر زمین پر چلتے پھرتے ہیں اور ان کی ابتداء دسویں ذی الحجہ سے اور انتہاء دسویں ربیع الثانی پر ہوتی ہے۔

نیز اس غزوہ سے یہ حکم بھی نکلتا ہے کہ تکلیف کے وقت درخت کے پتے کھانے جائز ہیں، نیز زمین کی جڑی بوٹیوں کا معاملہ بھی اس طرح ہے۔

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام اور امیر لشکر کو اجازت ہے کہ سوار یوں کے ہاں نور ذبح کرنے کی ممانعت کر دی۔ اگرچہ کھانے کی ضرورت ہو۔ اس خطرہ کے پیش نظر کہ دشمن کے مقابلہ پر ان کی ضرورت ہوگی اور اس پر ممانعت میں امیر کی اطاعت لشکر پر واجب ہے۔

نیز اس میں سمندر کے مردار کے کھانے کا جواز بھی نکلتا ہے اور یہ مردار حرمت علیکم المیتة ولدن کی آیت کے تحت نہیں آتا جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے۔ احد لکم صید البحر وطعامه متاعا لکم یعنی؛ حلال کیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے نفع کے لیے۔

اور صحیح روایت میں حضرت ابو بکر صدیق اور عبداللہ بن عباس اور صحابہ کی ایک جماعت رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے کہ صید البحر سے مراد جو اس سے شکار کیا جائے اور طعامہ سے مراد جو جاندار اس میں مرجائے۔

اور سنن میں حضرت ابن عمر سے مرفوع اور موقوف روایت ہے کہ ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال ہیں۔ مردوں میں نجلی اور مکڑی اور خون میں جگر اور تلی شامل ہیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں ہی اجتہاد حیاتِ نبوی میں اجتہاد کو نہ صرف جائز رکھا گیا بلکہ اس پر عمل درآمد ہوا لیکن یہ معاملہ

اس وقت ہوگا جب نص موجود نہ ہو اور حقیقتاً اجتہاد کی ضرورت درپیش ہو اور حضرت ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما نے کسی موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اجتہاد کیا اور آپ نے اسے تسلیم کر لیا۔ لیکن یہ معاملہ خروبی احکام میں تھا۔ کلی اور عام امور میں ایسا طریقہ نہ تھا۔ کیونکہ موخر صورت میں اجتہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بھی صحابی کی جانب سے سرزد نہیں ہوا۔



فتح مکہ، تاریخ اسلام کا عظیم واقعہ

رحمت عالم کی شفقت و رحمت مجرموں اور خطاکاروں پر

جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین، اپنے رسول، لشکر اور خرب امین
ابوسفیان کا جھکا ہوا سر کو عزت بخشی اور جس کے ذریعہ اپنا شہر اور اپنا گھر کفار و مشرکین سے آزاد
 کرایا۔ جسے عالمین کے لیے ہدایت بنا یا گیا تھا۔

بہی وہ فتح اعظم تھی جس سے آسمان والے خوش ہوئے اور برج جوزا، پر خیمے گاڑ دیے اور لوگ گروہ در
 گروہ اللہ کے دین میں داخل ہوئے۔ اس سے ریح زمین چمکا اور روشن ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسلام
 کے لشکر اور رحمن کی جماعتیں لے کر دس رمضان ۱۰ھ کو مدینہ سے نکلے اور ابوہریرہ کلثوم بن حصین غفاری
 کو مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ابن سعد فرماتے ہیں عبد اللہ بن ام کلثوم کو عامل فرمایا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح حدیبیہ ہوئی تو اس میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ (قبائل عرب
 میں سے جس کا جی چاہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے۔ اور جس
 کا جی چاہے قریش کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو جائے۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش سے معاہدے کر لیا
 اور بنو خزاعہ نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معاہدے میں شریک ہو گئے۔ بنو بکر اور بنو خزاعہ
 کی قدیم زمانے سے آپس میں عداوت چلی آرہی تھی) اس لیے بنو بکر نے بنو خزاعہ سے انتقام لینے کا موقع دیکھا
 اور ارادہ کیا کہ بنو خزاعہ سے قدیم عداوت کا بدلہ لیا جائے۔

چنانچہ نوفل بن معاویہ دلی بنو بکر کی ایک جماعت لے کر نکلا اور بنو خزاعہ
 کے قریب رات کو ٹھہرا وہ مطمئن تھے۔ چنانچہ ان پر حملہ کر کے ان کے چند

قریش کی شرارت

اومی مارویے۔ پھر ان کی آپس میں لڑائی ہوئی اور قتل و غارت برپا ہوئی اور قریش نے ہتھیاروں کے ساتھ بنو بکر کی مدد کی اور قریش میں سے بعض لوگوں نے چھپ کر رات کو ان سے مل کر مقاتلہ بھی کیا۔ چنانچہ بنو خزاعہ کا ایک آدمی عمرو بن عاص خزاعی نکل کر مدینہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صحابہؓ کے ہمراہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ اس نے آپ کے سامنے کچھ اشعار پڑھے، جن میں بنو بکر کے حملے اور غارت گری کا قصہ بیان کیا۔ بنو خزاعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان معاہدہ کا ذکر کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد کی اور امداد کی درخواست کی۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرو بن سالم تمہیں **رسول اللہ کا پاس عہد** | مدد دی جائے گی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بادل کا

ٹکڑا پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ بادل بنی کعب کی مدد کے لیے آئے گا پھر بدیل بن ورقاء بنو خزاعہ کی ایک جماعت لے کر آیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کو تمام واقعات کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ قریش نے بھی بنو بکر کے ساتھ مل کر حملہ کیا۔ اس کے بعد وہ لوگ مکہ واپس چلے گئے۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گو ابوسفیان **بیٹی نے باپ کو بستر رسول اللہ پر نہیں بیٹھنے دیا** | تمہارے پاس آیا ہے تاکہ دوبارہ عہد کیا

جاسکے اور مدت معاہدہ میں اضافہ ہو جائے۔ جب بدیل بن ورقاء اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آ رہا تھا تو انہیں عسفان بن ابوسفیان لا، جسے قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب رنجیدہ معاہدہ کے لیے بھیجا۔ اس کے بعد ابوسفیان مدینہ پہنچا اور اپنی بیٹی ام حبیبہؓ کے گھر میں ٹھہرا۔ جب اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر سے پر بیٹھنے کا ارادہ کیا تو ام حبیبہؓ نے بستر لپیٹ دیا۔

ابوسفیان کہنے لگا: اے بیٹی کیا تو نے اس بستر سے باعث میری طرف سے اعراض کر لیا؟ یا

(نبی صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنے کے باعث میری طرف سے منہ پھیر لیا؟

ام حبیبہؓ نے جواب دیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر ہے اور آپ ناپاک مشرک ہیں۔

وہ کہنے لگا اللہ کی قسم میرے بعد تجھے خرابی ہوگئی۔

پھر نکلا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور آپ سے گفتگو کی، لیکن آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابو بکرؓ

ابوسفیان کی التجا پر آپ کی خاموشی |

کے پاس گیا، انہوں نے جواب دیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بات کرو۔ وہ کہنے لگا، میں یہ کرتے والا نہیں ہوں۔

پھر حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آیا۔ ان سے بھی بات کی۔ انہوں نے کہا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تمہاری سفارش نہیں کر سکتا ہوں اور اگر میں ایک قعدہ بھی پاتا تو اس کے لیے کوشش کرتا۔

حضرت علی کا جواب ابوسفیان کو

پھر حضرت علیؓ بن ابی طالب کے پاس آیا ان کے پاس فاطمہؓ بھی تھیں اور حسنؓ ابھی چھوٹے تھے۔ جوان کے پاس پیڑ کے

بل چل رہے تھے۔ وہ کہنے لگا، اے علیؓ کل تم ہمارے عزیز قریب تھے میں ایک ضرورت کے باعث آیا ہوں مجھے نامراد واپس نہ کرو۔ محمدؐ سے میری سفارش کرو۔

انہوں نے جواب دیا اے سفیان تیرا برا ہو، اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بات کا عزم فرمایا ہے کہ جس سے متعلق ہم ان سے کلام نہیں کر سکتے۔

حضرت فاطمہ کا جواب ابوسفیان کو

پھر وہ حضرت فاطمہؓ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا کیا تو اپنے اس بیٹے (حسن) کو حکم دے گی کہ یہ لوگوں کے درمیان صلح کرادے؟ یہ آخر زمانہ تک عرب کا سردار رہے گا۔ انہوں نے جواب دیا میرا بیٹا ابھی اس عمر تک نہیں پہنچا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ابوسفیان کہنے لگا: اے ابوالحسنؓ میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ سخت تر ہو چکا ہے مجھے نصیحت کرو۔ انہوں نے فرمایا: اللہ کی قسم میں کوئی ایسی تدبیر نہیں جانتا کہ جو تجھے فائدہ دے سکے۔ البتہ تو ہی کنناہ کا سردار ہے اس لیے اٹھ کر لوگوں میں خود (اعلانِ تجدیدِ عہد) کر دے اور اپنے شہر میں واپس چلا جا۔ اس نے کہا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ میرے لئے فائدہ ہوگا؟

انہوں نے کہا نہیں، اللہ کی قسم لیکن مجھے اس کے سوا کچھ چارہ کار نظر نہیں آتا۔ ابوسفیان اٹھ کر مسجد میں آیا اور کہنے لگا: اے لوگو! میں نے تجدیدِ معاہدہ صلح کر لی اور پھر اونٹ پر سوار ہو کر چلا گیا۔

جب قریش کے پاس پہنچا تو کہنے لگے کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا میں محمدؐ کے پاس گیا، ان سے گفتگو کی۔ اللہ کی قسم انہوں نے جواب نہ دیا پھر میں اس

ابنی مخالف کے پاس گیا، وہاں بھی کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر میں عمرؓ بن خطاب کے پاس گیا میں نے اسے سخت ترین دشمن محسوس کیا، پھر میں علیؓ کے پاس گیا میں نے انہیں قوم میں سب سے زیادہ نرم دیکھا۔ انہوں نے مجھے ایک بات کا مشورہ دیا وہ کہ گنرا۔ اللہ کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ وہ مجھے کچھ فائدہ دے سکے گا یا نہیں قریش نے پوچھا کیا محمدؐ نے بھی توثیق کی؟

وہ بولا، نہیں!

کہنے لگے تیری خرابی ہو، اللہ کی قسم تیرے ساتھ تو صرف مذاق ہی رہتا۔ اس نے کہا اللہ کی قسم میں نے یہی محسوس کیا ہے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروالوں اور تمام صحابہ کو تیاری کا حکم دے دیا۔ حضرت ابو بکر اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سامان سفر درست کر رہی تھیں۔

انہوں نے پوچھا، اے بیٹی! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں تیاری کا حکم دیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا ہاں!

انہوں نے پوچھا تمہارے خیال میں آپ کا کس طرف ارادہ ہے؟ انہوں نے جواب دیا، اللہ کی قسم مجھے معلوم نہیں۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بتایا کہ آپ مکہ کی طرف جا رہے ہیں اس لیے انہیں تیز چلی تیاری کرنے کا حکم دیا اور دعا کی۔ اے اللہ قریش سے تب تک خجروں اور مخجروں کو روکے رکھنا جب تک کہ ہم ان کے علاقے میں نہ پہنچ جائیں۔

لوگوں نے تیاری کی تو حاطب بن ابی بنتعہ نے قریش کو ایک مکتوب لکھا، جس میں انہیں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دے دی اور ایک عورت کو خط دے دیا اور اسے قریش تک پہنچانے کا کچھ معاوضہ بھی مقرر کر لیا۔ اس عورت نے یہ خط اپنے بالوں کی بینڈیوں میں چھپا لیا اور چل پڑی۔

اس پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان سے حاطبؓ کے اس فعل کی خبر دے دی گئی۔ آپ

نے علیؑ، زبیرؓ یا علیؑ اور مقدادؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ جب تم لوگ خانج کے باغ تک پہنچو تو وہاں ایک عورت ملے گی جس کے پاس قریش کی طرف لکھا خط ہوگا۔

چنانچہ یہ دونوں صحابیؓ گھوڑے دوڑاتے چل پڑے اور اسی جگہ عورت کو پایا۔ انہوں نے اسے اترنے کا حکم دیا اور کہا کہ تیرے پاس خط ہے وہ کہنے لگی میرے پاس کوئی خط نہیں۔ انہوں نے اس کے علاوہ سامان کی تلاشی لی اس میں کچھ بھی نہ تھا۔

حضرت علیؑ نے کہا میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلط کہا نہ میں نے جھوٹ بولا۔ اللہ

قول رسول، حضرت علی کا اعتماد

کی قسم یا تو تجھے خط نکالنا ہوگا اور یا پھر ہم تیرا جھاڑا لے کر رہیں گے۔ جب عورت نے یہ شدت دیکھی تو کہنے لگی تم دوسری طرف منہ کر لو۔ انہوں نے چہرہ گھمالیا۔ اس نے سر کی بینڈیاں کھولیں خط نکالا اور انہیں دے دیا۔

یہ خط بیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی جانب سے قریش کے نام تھا۔ اس میں قریش کو نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی۔

نبی صلی اللہ نے حاطب کو ملایا اور فرمایا:-

اے حاطب یہ کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسولؐ مجھ پر جلدی نہ کیجئے۔ خدا کی قسم میں اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان رکھتا ہوں، نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ میں نے دین بدلہ ہے۔ بلکہ میں قریش میں رہ رہا تھا۔ مگر میں خود ان میں سے نہیں ہوں ان کے ہاں میرے بال بچے ہیں۔ قبیلہ اور لڑکا ہے اور قریش سے میری کوئی قربت نہیں کہ وہ ان کی حفاظت کریں اور جو صحابہؓ آپ کے ساتھ ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں۔ جس سے وہ ان کی اہل و عیال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ میں ان پر احسان کر دوں تاکہ میرے اقارب کی حفاظت کریں۔

حضرت عمرؓ بن خطاب نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسولؐ مجھے اجازت دیجئے۔ میں اس کی گردن مار دوں۔ اس نے اللہ اور اس کے رسولؐ سے

حضرت عمر اور ابوسفیان

خیانت کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے بدر میں حصہ لیا تھا اور اے تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا اور فرمایا، اب تم جو چاہو کرو میں نے تمہیں بخش دیا۔

اس پر حضرت عمر کی آنکھیں ڈبڈبائیں اور عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب جانتے ہیں۔

اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے۔ آپ روزے سے تھے اور لوگ بھی روزے سے تھے جب یہ لوگ کدید پہنچے، اس شہر کو آج کل لوگ قدید کہتے ہیں تو آپ کے ساتھ لوگوں نے بھی افطار کیا۔ پھر سفر شروع ہوا۔ آخر کار مرانظہران پہنچے۔ یہ وادی مکر اور میانہ فی حصہ ہے۔

آپ کے ہمراہ دس ہزار کا لشکر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے قریش کو اہل اسلام کی آمد سے بے خبر رکھا۔ اس لئے وہ دہشت زدہ انتظار (خوف) میں مبتلا تھے۔ ابوسفیان نجس کے لیے باہر نکلا۔ اس کے ساتھ حکیم بن حزام اور ثناء بن ہذیل بھی تھا۔ یہ لوگ خیبر میں حاصل کرنے کے لیے نکلے تھے۔

حضرت عباسؓ ان سے قبل ہی اپنے اہل و عیال لے کر اسلام قبول کر کے ہجرت کی غرض سے نکل چکے تھے۔ چنانچہ یہ مقام جحفہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے۔ راستہ میں ان کا چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حراث اور عبداللہ بن ابی امیہ ابراء کے مقام پر ملے۔ یہ دونوں ان کے چچا اور پھوپھی زاد بھائی تھے آپ نے ان دونوں سے بچو اور ابانا وہی کے باعث اعراض فرمایا۔

حضرت علی نے ابوسفیان سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سامنے سے حاضر ہو، اور وہی کلمات عرض کر جو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے عرض کئے تھے۔

لوے قسم اللہ۔ البتہ پسند کر لیا تجھ کو اللہ نے ہم سے اور ہم تجھے جو کئے والے۔ قالوا تالله لقد اترك
کیونکہ آپ احسن قول کے سوار راضی نہ ہونگے۔ ابوسفیان نے ایسا ہی کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا۔

قال لا تشرب علیکم الیوم یخفر اللہ لکم وهو الرحم الرحیم یعنی کہا کچھ الزام نہیں تم پر آج بخشے اللہ تم کو اور وہ ہے سب مہربانوں سے مہربان۔

اس کے بعد وہ اسلام لے آیا۔

ابوسفیان کی ندامت کہا جاتا ہے کہ ابوسفیان نے اسلام لانے کے بعد حیار کے باعث کبھی

بھی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سر اٹھا کر نہیں دیکھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس کا خیال کرتے تھے۔ اور اُس کے جنتی ہونے کی بھی گواہی دی۔ اور فرمایا: مجھے امید ہے، کہ یہ حمزہ کے خلف ہوں گے۔ اور جب ابوسفیانؓ کی وفات قریب ہوئی۔ تو انہوں نے کہا: مجھ پر مت روؤ۔ اللہ کی قسم اسلام لانے کے بعد میں نے ایک بھی گناہ نہیں کیا۔

جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مر الطہران میں اترے تو عشاء کا وقت تھا۔ آپ نے لشکر میں آگ جھلانے کا حکم دیا۔ چنانچہ

اصل واقعہ یعنی فتح مکہ کی طرف عزم

دس ہزار جگہ آگ روشن ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے پر حضرت عمرؓ بن خطاب کا پہرہ تھا۔ حضرت عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہوئے اور کسی کی تلاش میں نکلے تاکہ قریش کو اطلاع دی جائے اور وہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول مکہ سے قبل ہی امان کی درخواست پیش کریں۔

راوی فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم میں جا رہا تھا، کہ میں نے ابوسفیان اور بدیل بن ورقاء کی گفتگو سنی ابوسفیان کہہ رہا تھا۔ میں نے آج کی رات سے زیادہ کبھی بھی نہ آگ دیکھی اور نہ لشکر۔

بدیل نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم یہ بنو خزاعہ کا لشکر ہے۔ جو جنگ کے ارادہ (سے آئے ہیں)

ابوسفیان بول اٹھا: بنو خزاعہ تو بہت ہی کم تعداد میں ہیں اس قدر آگ اور لشکر ان کا نہیں ہو سکتا، راوی کہتے ہیں: کہ میں نے اس کی آواز پہچان لی۔ اور کہا: اے ابوحنظلہ! اُس نے میری آواز بھی پہچان لی اور جواب میں پوچھا: کیا تو ابوالفضل ہے؟

میں نے کہا ہاں! اُس نے کہا میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ کیا معاملہ ہے؟

میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ہمراہ ہیں اور قریش کی بربادی آگئی۔

اُس نے پوچھا، اب کیا ہونا چاہیے؟ میرے ماں باپ تجھ پر قربان ابوسفیان سپاہ اور ماں کا طالب

گے۔ اس لئے تو میرے پیچھے اس خچر پر سوار ہو جا۔ میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے چلتا ہوں۔ اور امان دلا دیتا ہوں۔ وہ میرے پیچھے سوار ہو گیا اور اس کے دونوں ساتھی واپس چلے گئے جب ہم مسلمانوں کی آگ کے پاس سے گذرتے تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر کو دیکھتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا آپ کی خچر پر سوار ہیں۔ یہاں تک کہ ہم عمرؓ بن خطاب کی

انگ کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ اور میری طرف بڑھے۔ جب ابوسفیان کو خچر پر پیچھے بیٹھے دیکھا۔ تو کہا، ابوسفیان! اللہ کا دشمن اللہ کی ہزاروں تعریفیں کہ جس نے کسی عہد اور وعدہ کے بغیر تجھ پر قابو دیا، پھر تیزی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ خچر تیز ہو کر ان سے آگے بڑھ گیا۔ عباس خچر سے اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے۔ بعد میں عمرؓ بھی آگئے۔ اور عرض کیا اے اللہ کے رسول یہ ابوسفیان ہے۔ مجھے اجماعت دیجیے کہ میں اس کی گردن مار دوں (حضرت عباسؓ) فرماتے ہیں کہ میں نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! میں نے اسے پناہ دی ہے۔

کچھ دیر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **عباسؓ کی سفارشات حضرت کا ارشاد** اسے عباسؓ اسے لے جاؤ، صبح کو پیش کرنا۔

میں اسے لے گیا۔ جب صبح ہوئی تو میں اسے لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا:

اے ابوسفیان ابھی تک وقت نہیں آیا کہ تجھے یقین ہوئے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

اس نے جواب دیا، میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ آپ کس قدر حلیم، کریم اور وصل کرنے والے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا۔ تو ضرور مجھے کچھ نہ کچھ فائدہ دیتا۔

رسالت مآب نے دوبارہ یہی فرمایا: اس نے یہی جواب دیا اور کہا: یہ بات یعنی (لا الہ الا اللہ) اب تک میرے دل میں نہیں اتری۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا، تیرا ناس ہو اسلام سے اور قبل اس کے کہ تیری **قبول اسلام کی دعوت** گردن اڑے کلمہ پڑھ لے۔ اس نے اسلام قبول کیا اور شہادت دے دی **اشھدان لا الہ الا اللہ و اشھدان محمد رسول اللہ** میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے بغیر کوئی معبود کار ساز نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت عباسؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ابوسفیانؓ فخر کو پسند کرتا۔ اس لئے کوئی اعزاز عطا فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: ہاں! جو ابوسفیانؓ کے گھر میں داخل ہو جائے امان ہے۔ اور جو خود اپنے دروازے بند کرے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے۔ اس کے بعد آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ ابوسفیانؓ کو روک لو۔ اور بہاڑ پم لے جاؤ۔ یہاں تک کہ اللہ کا لشکر گزرے

اور یہ اسے دیکھ رہا ہو، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ چنانچہ مختلف قبائل جھنڈے لے کر گزرے اور حضرت عباسؓ اسے بتاتے رہے آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین اور انصار کے لشکر میں گزرے یہ لشکر لوہے میں ڈوبا تھا۔ اور آنکھوں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔

البوسفیانؓ نے کہا سبحان اللہ اے عباس یہ کون
لشکر اسلام سے البوسفیان کی مرعوبیت
ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ہیں مہاجرین و انصار آپ کے ہمراہ ہیں۔

اس نے جواب دیا۔ ایسے لوگ اس سے قبل نہ تھے۔ اور نہ ہی ایسے لوگوں سے مقابلہ کی قوت
کوئی رکھتا ہے۔

اس کے بعد البوسفیانؓ واپس گیا، جب قریش کے پاس پہنچا۔ تو زور سے آواز دی۔ اے قریش کے
گروہ یہ محمدؐ ایسا بڑا لشکر لے کر آگئے کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اس لئے جو البوسفیان کے گھر میں داخل
ہو جائے اسے امان ہے۔

ان کی بیوی ہندہ بن عتبہؓ ٹھی اس نے ان کی مونچھ پکڑ لی۔ اور کہنے لگی اس تیز چربی والے بھونڈے
پینڈلیوں والے کو قتل کرو۔

انہوں نے جواب دیا۔ تمہارا ناس ہو۔ تمہیں دھوکہ نہ ہو۔ یہ تم میں سے ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ
وہ اس قدر لشکر لے کر آئے ہیں۔ کہ تم سے ان کا مقابلہ ناممکن ہے۔ اور جو البوسفیان کے گھر میں داخل
ہو جائے اسے امان ہے۔ اور جو مسجد (حرام) میں داخل ہو جائے اسے بھی امان ہے۔

قریش کہنے لگے، اللہ تجھے ہلاک کرے نیرا گھر ہمارے لئے کیسے کفایت کرے گا؟

انہوں نے جواب دیا۔ اور جس نے اپنا دروازہ بند کر لیا اسے امان ہے۔ اور جو مسجد میں داخل ہوا

اسے امان ہے۔

چنانچہ لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں اور مسجد میں داخل ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی کی طرف سے مکہ میں داخل
ہوئے وہاں آپ کا خیمہ لگا دیا گیا اور آپ نے خالد بن ولید
اگر کوئی مقابلہ کرے تو ڈٹ کر لڑو

کو نہ بیویں حصہ سے داخل ہونے کا حکم دیا۔ حضرت علیؓ و ابی بنی جانب تھے ان میں اسلم۔ سلیم۔ غفار۔ مدینہ

جہینہ اور دوسرے عرب قبائل تھے۔ حضرت ابو بلیدہؓ پیدل والوں کے ساتھ تھے ان کے پاس ہتھیار نہ تھے آپ نے حضرت خالدؓ اور ان کے اصحاب سے فرمایا کہ اگر قریش میں سے کوئی مقابلے پر آئے۔ تو اسے پیس کر رکھ دو۔ یہاں تک کہ صفا کے مقام پر مجھ سے ان ملو۔ چنانچہ جو بھی ان کے مقابلے پر آیا۔ انہوں نے اسے موت کے گھاٹ اتار دیا۔

قریش کے سفہا کی جنگی تیاریاں | پھر قریش کے چند سفہا جمع ہوئے۔ جو عکرمہ بن ابی جہل۔ صفوان بن امیہ اور سہیل بن

عمرو کے ساتھ خدمہ میں آئے۔ تاکہ مسلمانوں سے جنگ کر میں جماس بن قیس جو بنو بکر میں سے تھا بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے دخول مکہ سے قبل ہتھیار تیز کرنے لگا۔ اس کی بیوی نے پوچھا یہ ہتھیار کس لیے تیار کر رہے؟ وہ بولا محمدؐ اور اس کے اصحاب کے لیے۔

اس نے جواب دیا۔ محمدؐ اور اس کے اصحاب کے مقابلہ پر کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ وہ کہتے لگا، اللہ کی قسم مجھے اُمید ہے کہ میں تیرے لیے ان میں سے بعض خادم لے آؤں گا پھر اس نے بہادری جتانے کے لیے چند شعر پڑھے۔

اس کے بعد صفوان۔ عکرمہ اور سہیل بن عمرو کے پاس خدمہ چلا گیا۔ جب مسلمانوں سے سامنا ہوا۔ معمولی سا قتال ہوا، تو کرز بن جابر فہری اور خنیس بن خالد بن زبیر شہید ہو گئے۔ یہ دونوں خالد بن ولید کے دستہ کے ساتھ تھے۔ لیکن ان سے الگ ہو کر دوسرے راتے چل پڑے تھے، اس لیے دونوں شہید ہوئے اور مشرکین کے بارہ آدمی داخل جہنم ہوئے۔ اور باقی بھاگ کھڑے ہوئے ان میں جماس ہتھیار تیز کرنے والا بھی تھا۔

جب وہ بھاگ کر گھر میں داخل ہوا، تو بیوی سے کہنے لگا۔ مجھ پر دروازہ بند کر دو۔ وہ کہنے لگی۔ وہ شیخاں کہاں گئیں؟ تو اس نے میدان جنگ کی دہشت کا نقشہ بناتے ہوئے چند اشعار پڑھے اور خاموش ہو گیا۔ آخر کار

مسجد کے قریب حجوں کے مقام پر رسول اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا گاڑ دیا گیا۔ اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے مہاجرین اور انصار آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں تھے۔ آپ مسجد میں داخل ہوئے حجر اسود کی طرف تشریف لائے اور استلام کیا (بوسہ دیا) پھر بیت اللہ کا طواف کیا۔ آپ کے ہاتھ میں کمان تھی۔ آپ بیت اللہ کے گرد پھرے اس وقت وہاں تین سو ساٹھ بت تھے آپ انہیں کمان سے مارتے اور یہ آیت پڑھتے۔

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ ضَعُفًا - یعنی حق آ گیا اور باطل مٹ گیا اور بے شک باطل مٹنے ہی کی چیز ہے اور بت چہروں کے بل گرتے جاتے آپ نے سواری پر چڑھ کر طواف کیا اور طواف پر ہی اقتصاد فرمایا۔

کلید بہ در کعبہ کی طلبی | طواف ختم کرنے کے بعد آپ نے عثمان بن طلحہ کو بلایا، اور اس سے کعبہ کی کنجی لے لی اور دروازہ

کھولنے کا حکم دیا۔ دروازہ کھولا گیا اور آپ کعبہ کے اندر داخل ہوئے آپ نے وہاں تصویریں دیکھیں، ایک جگہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی تصویریں دیکھیں۔ کہ انہوں نے انہیں سے تقسیم کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا! اللہ انہیں (مشرکین کو) ہلاک کرے۔ انہوں نے ابراہیم اسماعیل) نے کبھی بھی یہ کام نہیں کیا۔

کعبہ میں آپ نے لکڑی کا کیوٹر دیکھا۔ آپ نے اسے اپنے ہاتھ سے توڑ دیا، اور تصویروں کو مٹانے کا حکم دیا۔ پھر آپ نے اپنے اور اسمتہ رضی اللہ عنہا کے لیے دروازہ بند کرنے کا حکم دیا۔ اور دروازے کے بالمقابل دیوار کی طرف آپ تے رخ کر لیا، یہاں تک کہ آپ کے اور دیوار کے درمیان بیس تین ذراع کا فاصلہ رہ گیا۔ آپ نے کھڑے ہو کر وہاں نماز پڑھی پھر بیت اللہ کا چکر لگایا۔ اور اس کی اطراف میں تکبیر کہی اور اللہ کی توحید بیان کی۔ پھر دروازہ کھول دیا گیا۔

خطا بہکار اور مجرم فاتح کے سامنے | اتنے میں قریش سے مسجد بھر گئی اور وہ قطاروں میں بیٹھے انتظار

کر رہے تھے۔ کہ اب آپ کیا سلوک کرتے ہیں؟ آپ نے دروازے کے دونوں اطراف کو پکڑ لیا۔ قریش نیچے تھے۔

آپ نے کہا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں اس نے وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندے کی مدد کی اور اکیلے ہی گروہوں کو شکست دی یاد رکھو۔ مال یا خون میرے ان دونوں قوموں کے نیچے نہیں۔ سوائے بیت اللہ کی خدمت اور حجاج کی شقاوت کے (پانی پلانا) یا درکھو قتل خطا بیس و بیت مغلطہ ہوئی جو سوانٹ ہوں گے جن میں سے چالیس حاملہ ہوں گے اے قریش کی جماعت بے شک اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور باپ داد پر بڑائی ہٹا دی۔ تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور مٹی سے بنے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی ہم نے تمہیں تر اور مادہ کی صورت میں پیدا کیا۔ اور تمہیں قبائل اور خاندانوں میں تقسیم کر دیا تاکہ پہچانے جاسکو۔ بے شک تم میں سب سے زیادہ عزت مند وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ علیم وخبیر ہے۔

اے قریش کی جماعت تم جانتے ہو کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟ انہوں نے جواب دیا۔ آپ شریف بھائی۔ شریف بھائی کے بیٹے ہیں۔ (میں آپ سے) اچھی توقعات ہیں۔ آپ نے فرمایا: کہ میں تم سے اسی طرح کہتا ہوں۔ جیسے یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لا تشریب علیکم الیوم، آج تم پر کوئی مواخذہ نہیں جاؤ تم آزاد ہو۔

پھر آپ مسجد میں بیٹھ گئے اور حضرت علیؓ آپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ کبھی آپ کے ہاتھ میں تھی۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسول در بانی اور ستغایہ ہم میں جمع کر دیجئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، عثمان بن طلحہ کہاں ہیں؟ اسے بلا لیا گیا۔ آپ نے فرمایا اے عثمان یہ لو اپنی کبھی آج نبی اور وفا

کا دن ہے طبقات ابن سعد میں حضرت عثمان بن طلحہ سے مروی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ہم زمانہ جاہلیت میں پیر اور جمعرات کو کعبہ مشرقہ کو کھولنے تھے۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ لوگوں کے ہمراہ کعبہ میں داخل ہونے کا ارادہ رکھتے تھے۔ مگر میں نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اور سختی سے پیش آیا۔

لیکن آپ نے حلم اختیار کیے رکھا پھر فرمایا!

اے عثمان شاید تو دیکھے گا، کہ ایک دن یہ کبھی میرے ہاتھ میں ہوگی۔ اور جسے میں چاہوں گا دوں گا۔

میں نے کہا! تو اس دن قریش ہلاک ہو چکے ہوں گے؟

آپ نے فرمایا! نہیں بلکہ اس دن یہ عزت مند اور آباد ہوں گے۔

پھر آپ کعبہ میں داخل ہو گئے اور میرے قلب

میں ان کی یہ بات اُٹک کر رہ گئی۔ اور میں اسی وقت سمجھ گیا کہ یہ کام اسی طرح ہو

گا۔ جیسے آپ نے فرمایا ہے، جب فتح کا دن آیا، تو آپ نے فرمایا۔ اے عثمان کبھی

لاؤ۔ میں نے حاضر ہوا۔ آپ نے اسے میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور پھر واپس کر دی

اور فرمایا، اسے لے لو ہمیشہ کے لیے نسلاً بعد نسلًا ظالم کے سوا کوئی تم سے نہ چھینے

گا، اے عثمان اللہ نے تمہیں اپنے گھر کا امین بنایا ہے۔ اس لیے اس گھر سے جو اُٹے

نبی کے ساتھ کھاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ جب میں لوٹا۔ تو آپ نے مجھے اُوندی۔ میں

واپس آپ کی طرف گیا۔ آپ نے فرمایا کیا میں نے تم سے کہا نہیں تھا؟ (عثمان بن طلحہ)

کہتے ہیں کہ پھر مجھے مکہ میں ہجرت سے قبل آپ کا قول یاد آ گیا۔ کہ شاید تو دیکھے

گا کہ یہ کبھی میرے ہاتھ میں ہوگی اور جسے میں چاہوں گا دوں گا؟ میں نے عرض

کیا ہاں! میں گواہی دیتا ہوں۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام

ہانی کے گھر میں داخل ہوئے۔ آپ نے کہا

آن حضرت ام ہانی کے گھر میں

غسل فرمایا۔ اور انہی کے گھر میں آٹھ رکعتیں ادا کیں۔ یہ چاشت کا وقت تھا۔ اس لیے بعض لوگوں نے اسے صلوٰۃ الضحیٰ (نماز چاشت) سمجھ لیا۔ حالانکہ یہ نماز فتح تھی اور امر اسلام کا یہ دستور تھا۔ کہ وہ جب کوئی شہر یا قلعہ فتح کرتے، تو فتح کے بعد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرتے ہوئے آٹھ رکعات نماز فتح پڑھا کرتے۔

وہ لوگ جنہیں اماں نہیں ملی | جب مکہ فتح ہوا تو بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے نو آدمیوں کے سوا تمام لوگوں کو امان دے دی

ان لوگوں کے متعلق آپ نے فرمایا! یہ اگر کعبہ کے پردوں کے نیچے ملیں تو بھی انہیں قتل کر دو۔ ان کے نام یہ ہیں۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح۔

عکرمہ بن ابی جہل۔

عبدالعزیٰ بن خطل۔

حارث بن نفیل بن وہب۔

مقیس بن صباہ

ہبیر بن اسود۔

ابن خطل کی دو لونڈیاں جو لگا لگا کر بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو کیا کرتی تھیں۔

اور سارہ جو بنو عبدالمطلب کی ایک لونڈی تھی۔

چنانچہ ابن ابی سرح سلام لے آیا اور حضرت عثمان بن عفان اسے لے آئے

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے امان لے دی، آپ نے اسے روک رکھا تاکہ کہیں کوئی صحابی اسے قتل نہ کر دے۔ اس آدمی نے اس سے قبل بھی مسلمان نہ

ہو کر ہجرت کی تھی، اس کے بعد پھر مرتد ہوا اور مکہ واپس لوٹ آیا۔ عکرمہ بن ابی جہل

بھاگ گیا لیکن اس کی بیوی نے اس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے امان حاصل کر لی چنانچہ یہ حال نہ ہوا اور مسلمان ہو گیا اور ابن خطل حارث مقیس اور ایک لونڈی یہ

سب قتل ہو گئے۔ مقیس اس سے قتل اسلام لاکر مرتد ہو چکا تھا۔ اس نے قتل بھی کیا تھا

اور مشرکین سے مل گیا تھا۔ ہبیا دین اسود نے بھی اسلام قبول کر لیا اور ایک نوٹری اور سارہ کے لئے اس نے امان حاصل کر لی۔ آپ نے ان دونوں کو امان دے دی۔ چنانچہ یہ دونوں مسلمان ہو گئیں۔

فتح کے دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور خوب طرح تجہید بیان کی پھر فرمایا۔
و اے لوگو! جس دن سے زمین و آسمان پیدا ہوئے (اسی دن سے) اللہ نے مکہ کو حرم قرار دیا اس لئے قیامت کے دن تک اللہ کی حرمت کے باعث یہ شہر قابل احترام ہے، کسی مومن کو جائز نہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو کہ وہ اس شہر میں خون بہائے یا کوئی درخت کاٹ دے اس لئے اگر کوئی تیرے قتال کے باعث اس کی رخصت دے تو کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اس کا اذن دیا تھا اور تمہیں اذن نہیں دیا اور میرے لئے دن کی ایک ساعت میں (یہ کام) جائز کیا اور کل کی طرح آج اس کی حرمت ٹوٹ آئی پس موجودہ کو چاہیے کہ وہ غائب کو پہنچا دے۔

انصار مدینہ کی تشویش

جب مکہ فتح ہو گیا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وطن اور جائے پیدائش تھا، اس لئے احضار آپس میں باتیں کرنے لگے کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علاقے اور اپنے شہر پر فتح عطا کرے گا تو وہ اسی شہر میں رہائش پذیر ہو جائیں۔ اس وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم صفا پر ہاتھ اٹھائے دعائیں مانگ رہے تھے، جب آپ دعا سے فارغ ہو گئے تو آپ نے فرمایا، تم نے کیا کہا! انہوں نے جواب دیا اے اللہ کے رسول کچھ نہیں، آپ کے اصرار پر انہوں نے بتا دیا۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری زندگی اور موت اب تمہارے

ساتھ ہی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کر رہے تھے تو فضالہ
قاتلانہ حملہ کی تیاری

بن عمیر بن ملاح نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا، جب

آپ کے قریب ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

کیا فضالتہ ہے؟ اس نے کہا، ہاں اے اللہ کے رسول۔

آپ نے فرمایا: تو اپنے دل میں کیا سوچ رہا تھا؟

اس نے کہا کچھ نہیں۔ میں تو اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے، پھر آپ نے فرمایا، اللہ سے بخشش

چاہو۔ پھر آپ نے اس کے سینہ پر اپنا ہاتھ مبارک رکھ دیا۔ اس کے دل کو سکون ہو
گیا۔

فضالتہ کہتے ہیں خدا کی قسم آپ نے ہاتھ اٹھایا بھی نہ تھا کہ میرا سینہ ایسے ہو گیا

کہ اللہ کی تمام مخلوق میں سے آپ مجھے سب سے زیادہ محبوب بن گئے۔

اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو توڑنے کے لئے سراپا بھیجے

جو کعبہ کے ارد گرد تھے۔ چنانچہ تمام بت توڑ دیئے گئے جن میں لات اور عزری بھی تھے

اور منات ثالث بھی انہیں میں شامل تھا۔

مناوی کرنے والے نے مناوی کر دی۔ کہ جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو

اسے چاہیے کہ وہ اپنے گھر میں کوئی صنم (بت) نہ رہتے دے بلکہ اسے توڑ دے۔ نیز آپ

نے خالد بن ولید کو عزری کی طرف بھیجا بھی رمضان میں پانچ دن باقی تھے۔ تاکہ اسے توڑ

کر ختم کر دیا جائے (خالد بن ولید) تیس سواروں کے ہمراہ نکلے۔ اور وہاں پہنچ کر اسے توڑ

دیا پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔

آپ نے دریافت فرمایا، کیا تم نے کوئی چیز دیکھی ہے؟

انہوں نے جواب دیا نہیں۔

آپ نے فرمایا۔ تم نے اسے ابھی تک تباہ نہیں کیا، اس لئے لوٹ کر جاؤ اور تباہ کر دو۔

حضرت خالدؓ دوبارہ گئے اور سخت غیظ میں تھے، انہوں نے تلوار میان سے

نکال رکھی تھی۔ اچانک ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھرے سامنے آئی، جس کے بال کھلے تھے اور دربان اس کے ساتھ چھٹنے لگا۔ حضرت خالدؓ نے اس پر تلوار ماری اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس ہوئے، اور اطلاع کی۔

آپؐ نے فرمایا: ہاں یہ عزی تھی اور یہ مایوس ہو گئی کہ تمہارے شہر میں اب اس کی عبادت نہیں کی جائے گی۔

اور ایک کھجور کے درخت کے پاس بت تھا۔ یہ قریش اور تمام بنی کفانہ کا بت تھا اور ان کے نزدیک سب سے بڑا بت یہی تھا، بنی شیبان اس کے دربان تھے پھر آپؐ نے عمرو بن عاص کو سواع کی طرف بھیجا۔ یہ ہذیل کا بت تھا تاکہ اسے توڑ دیا جائے۔ عمرو فرماتے ہیں کہ جب میں وہاں پہنچا تو اس کا دربان وہیں تھا۔ وہ کہنے لگا، کہا ارادہ ہے۔

میں نے کہا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ اسے توڑ دوں۔

وہ کہنے لگا؟ تم اس کی قدرت نہیں رکھتے۔ میں نے کہا کیوں؟ کہنے لگا! وہ اپنا بچاؤ کرے گا۔ میں نے کہا اب تک؟ تو غلط ہے تیرا ناس ہو، کیا یہ سنتا یا دیکھتا ہے؟ (عمروؓ فرماتے ہیں کہ میں قریب ہوا اور اسے توڑ دیا اور میں نے اپنے اصحاب کو حکم دیا اسے گرا دو، انہوں نے گرا دیا تو اس میں کچھ نہ تھا۔ میں نے پہر بدار کو کہا، کیا خیال ہے؟

وہ کہنے لگا، میں اللہ پر ایمان لے آیا۔

پھر آپؐ نے سعد بن زید اشہلی کو سناۃ کی طرف بھیجا۔ یہ اوس و خزرج اور غسان وغیرہ کا بت تھا اور قدید کے قریب تھا، حضرت سعدؓ اس طرف گئے۔ ان کی طرف بھی ایک برہنہ سیاہ رنگ کی عورت بال بکھرے نکلی اور اپنا سینہ پیٹ

رہی تھی اور واویلا مچا رہی تھی، پھر بیدار نے اسے خطاب کر کے کہا:۔
اسے مناتا اپنے ناقرانوں سے مقابلہ کرو، حضرت سعد نے اسے قتل کر دیا اور
بت کی طرف بڑھے اور اسے توڑ دیا اور اس کے خزانہ میں کچھ نہ ملا:۔

بنو جذیمہ کی طرف خالد بن ولید کا سر پہ

جب حضرت خالد بن ولیدؓ کو لوٹ کر واپس ہوئے تو صلی اللہ علیہ وسلم نے اقامتِ مکہ کے دوران میں خالد بن ولید کو بنو جذیمہ کی طرف اسلام کی دعوت کے لیے بھیجا مگر جنگ کے لیے نہیں

خالد تین سو پچاس مہاجرین و انصار کے ہمراہ نکلے۔ بنی سلیم بھی ان کے ہمراہ تھے وہاں پہنچے تو پوچھا تم کون ہو؟

انہوں نے کہا، ہم مسلمان ہیں۔ ہم نے نماز پڑھی۔ محمد کی تصدیق کی اور اپنے علاقے میں مساجد بنائیں اور ان میں اذانیں دیں۔

انہوں نے پوچھا تمہارے بدن پر ہتھیار کیسے ہیں؟

انہوں نے کہا کہ ہمارے اور عرب قوم کے درمیان عداوت ہے، ہمیں خطرہ ہوا کہ کہیں وہی رہا رہے دشمن نہ ہوں۔

ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے گھبراہٹ میں کہا ہم صابی ہو گئے ہم صابی ہو گئے

اور اچھے انداز سے یوں نہ کہا کہ ہم مسلمان ہو گئے۔

اس گفتگو کے بعد انہوں نے ہتھیار رکھ دیئے۔

پھر خالدؓ نے حکم دیا، انہیں گرفتار کر لو۔ وہ گرفتار کر لیے گئے۔ اور بعض کو بانڈھ

دیا اور انہیں اپنے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔ جب سحر ہوئی تو خالد بن ولید نے آواز دی

کہ جس کے ساتھ کوئی قیدی ہو اسے قتل کر دو۔ بنو سلیم نے اپنے اپنے قیدیوں کو قتل

کر دیا۔ اور مہاجرین و انصار نے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

خالد کے فعل سے آپ کی برأت | بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو خالد بن ولید کے اس فعل کی خبر ملی تو آپ نے فرمایا۔

”اے اللہ خالد نے جو کچھ کیا میں اس سے بری ہوں“

پھر حضرت علیؓ کو بھیجا تا کہ ان کے مقتولوں کا خون بہا ادا کیا جائے۔

حضرت خالد اور عبدالرحمن بن عوف میں تلخ کلامی | حضرت خالد بن ولید اور عبدالرحمن بن عوف کے درمیان کچھ تلخ کلامی

ہو گئی بنی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو فرمایا اے خالد ٹھہرو۔ میرے صحابہؓ کو اپنی ایذا سے (محفوظ) رکھی اللہ کی قسم اگر احد کا پہاڑ سونا بن جائے اور تو اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دے تو بھی میرے ایک صحابی کے صبح یا شام کو (اللہ کی راہ میں نکلنے کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔

حضرت حسان کی شعر خوانی | پھر حضرت حسان بن ثابت نے عمرہ حدیبیہ کے متعلق اشعار پڑھے اور ان میں کفار کی ہجو کا

بھڑ بھڑ جواب دیا اور انہیں مسلمانوں کے لشکر کے عزائم اور قوتِ حرب سے آگاہ کیا اور کفار کو سخت ترہین طعن اور ملامت کی۔

فتح مکہ اور دوسرے غزوات سے

اہم فقہی مسائل کا استنباط

صلح حدیبیہ اس فتح عظیم کا مقدمہ اور تمہید تھی۔ اس عہد نامہ سے لوگوں کو امان مل گئی۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ گفتگو اور مباحثہ کا موقع ملتا ہوا آیا۔ اور مکہ میں جو مسلمان اظہار اسلام سے ڈرتے تھے اور اس کے متعلق دعوت دینے اور مباحثہ کرنے سے خوف محسوس کرتے تھے۔ وہ دور ہو گیا۔ اس وجہ سے ایک کثیر تعداد اسلام میں داخل ہو گئی۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے فتح کے م سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا: **لَا تَأْتِيكَ فَتْحًا مَبِينًا** اور یہ سورہ حدیبیہ کی صلح کے متعلق نازل ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا یہ فتح ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں! اہل حرب سے عہد کیا گیا۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ اہل عہد اگر جنگ کریں جو قوم کے امام المسلمین کے ساتھ عہد کر کے فرمی بن چکے اور امام کی پناہ میں آچکے ہیں تو اس حرکت کے باعث وہ محارب کہلا بیٹیں گے اور ان کے درمیان اور اس امام کے درمیان معاہدہ ختم ہو جائے گا اس لیے امام کو جائز ہوگا کہ ان کے علاقے میں رات گزار لے اور انہیں اس کی اطلاع دینے کی ضرورت بھی نہیں۔

ہاں جب ان سے خیانت کا خطرہ ہو تو پھر اطلاع دے دینی ضروری ہوگی۔ اور جب خیانت پائی جائے تو انہیں عہد شکن سمجھا جائے گا۔

نقض عہد کی نمر | نیز اس سے ناقض عہد کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ اس پر رضامندی ظاہر کریں اور اقرار کریں اور انکار نہ

کریں، تو تمام افراد کو عہد شکن سمجھا جائے گا کیونکہ قریش میں سے بعض لوگوں نے نبوکر کی حمایت کی اور قریش کے تمام افراد نے ان کے ہمراہ مقابلہ نہیں کیا۔ لیکن اس کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے ساتھ جنگ کی۔ یہ اس لیے تھا جیسے تمام قریش عہد کرتے وقت عہد میں تبعاً شریک ہو گئے۔ اور جب انہوں نے صلح پر رضا و اقرار کیا تو کوئی فرد بھی الگ نہ رہا۔ اس طرح عہد شکنی کے موقعہ پر ہوا۔ یہی نبی اقدس صلی اللہ وسلم کی سنت طیبہ ہے۔

معاہدہ صلح و جنگ میں پوری قوم شریک ہونی | نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام بنو قریظہ سے جنگ کی، اور کسی

آدمی سے دریافت نہیں فرمایا کہ کیا اُس نے عہد شکنی کی تھی یا نہیں؟ اسی طریقہ پر نبوتغیر کا اخراج بھی عمل میں آیا اور یہی صائب رائے ہے اور یہی احمد رحمۃ اللہ اور مالک رحمۃ اللہ علیہ اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

اہل حرب کے ساتھ مدت معاہدہ | اسی سے اہل حرب کے ساتھ دس سال تک جنگ بندی کا معاہدہ کر لینے کا جواز نکلتا ہے۔ اب سوال

یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اس سے زیادہ مدت کے لیے جائز ہے یا نہیں؟

صحیح یہ ہے کہ مصلحت اور ضرورت کے پیش نظر جائز ہے۔ مثلاً مسلمانوں میں کمزوری

ہو اور دشمن ان سے زیادہ طاقت ور ہو۔ اس صورت میں دس برس سے مدت کی زیادتی مصلحت اسلام کی صواب دہد پر ہوگی۔

امام کی خاموشی رضامندی نہیں | اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب امام سے ناجائز یا غیر واجب بات کے لیے پوچھا جائے

اور وہ خاموش رہے تو اس کی خاموشی رضامندی نہیں بن سکتی۔ جیسے ابوسفبیات نے صلی اللہ علیہ وسلم سے تجدید عہد کی درخواست کی۔ آپ خاموش رہے، تو آپ کی خاموشی سے تجدید عہد کا فائدہ نہ اٹھایا جاسکا۔

کفار کے قاصد قتل نہیں کیے جاسکتے | اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے قاصدوں کو قتل نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ

ابوسفیان پر عہد شکنی کے باعث حد ثابت ہو چکی تھی، لیکن چونکہ وہ اپنی قوم کی جانب سے قاصد بن کر آیا تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قتل نہیں کیا۔

محارب کفار پر اچانک حملہ جائز ہے | نیز یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ کفار کے ملک میں شب گزرانا اور ان پر اچانک حملہ کرنا

جائز ہے جب کہ انہیں دعوت اسلام پہنچ چکی ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا کفار کے علاقہ میں رات گزارنے اور جب انہیں دعوت پہنچ جاتی تو ان پر غارت گری سے بھی کرتے۔

جاسوس کے قتل کا جواز | نیز اس میں جاسوس کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے اگرچہ مسلمان ہو کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے

سے حاطب بن ابی بلتعنہ کو قتل کرنے کی اجازت مانگی۔ جب انہوں نے اہل مکہ کو خبر بھیجی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ مسلمان ہے اس کا قتل جائز نہیں، بلکہ

فرمایا، تمہیں کیا علم اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کو دیکھا، تو فرمایا، اب تم جو چاہو کرو، یعنی جواب دیا کہ ان کے قتل میں ایک رکاوٹ ہے اور وہ بدر میں حاضری ہے۔ اس جواب سے

جاسوس کے قتل کے جواز کا ثبوت ملتا ہے بشرطیکہ اس کے لیے اس قسم کی رکاوٹ نہ ہو۔ امام مالک اور ایک روایت کے مطابق احمد کا یہی مذہب ہے۔ شافعی اور

ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اسے قتل نہ کیا جائے۔ اور احمد کا ظاہر بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دونوں فریق حاطب کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں اور صحیح مذہب یہ ہے کہ اس

کا قتل امام کی رائے پر منحصر ہوگا۔ اگر امام اس کے قتل میں مسلمانوں کی مصلحت سمجھے

تو اسے قتل کر دے اور اگر اس کا زندہ رکھنا فائدہ بخش ہو تو قتل نہ کرے، واللہ اعلم۔

اس میں عورت کو ضرورت اور مصلحت عامہ کی خاطر برہنہ کرنے کی اجازت بھی ہے۔

عورت کی تلاشی لی جاسکتی ہے

لیکن یہ کام صرف منتشر سپاہی ہی کر سکتے ہیں (کیونکہ علیؑ اور مقدادؓ نے اس عورت سے کہا تھا کہ یا تو مکتوب نکال دے ورنہ ہم ضرور تیرے کپڑوں کی تلاشی لیں گے۔

اس میں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی آدمی کسی

جذیرہ دینی کے باعث کفر کا الزام گناہ نہیں

مسلمان کو اللہ اور اس کے رسول اور دین کی خاطر غصے میں صحیح تاویل سے کافر کہہ دے اور اس میں ذاتی ہوئی اور خط نفسانی شامل نہ ہو اس پر قائل کی تکفیر نہ ہوگی۔ بلکہ وہ گناہ گار بھی نہ ہوگا، بلکہ یوں کہے کہ نیت و قصد صحیح پر اسے ثواب بھی ملے گا، لیکن اہل بیوٹی اور اہل بدعت کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہو سکتا۔

اس میں یہ ثابت ہوتا ہے کہ

حنات سے سیئات مٹ جاتے ہیں

شکر سے کم کبائر گناہ گاہے گا ہے کبائر حنات سے مٹ جاتے ہیں جیسے حاطب کے شہرہ دیدار نے ان کی جاسوسی کا گناہ مٹا دیا کیونکہ یہ عظیم نیکی جس میں اللہ کی رضا و محبت اور ملائکہ کے سامنے فخر و مباہات البیسی بات ہے کہ اس کے قائل کی شان اس قدر بلند ہوتی ہے کہ اس کا جاسوسی کا گناہ (اسے کچھ گزند نہیں پہنچا سکتا) تو گویا قوسی نیکی ضعیف گناہ پر غالب آگئی اور طبعی تقاضا کے مطابق اسے زائل اور یا اطل کر کے رکھ دیا۔ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ کے فرمان میں برائیاں نیکیوں سے محو ہوتی ہیں۔ اس کا اصول بیان ہوتا ہے۔

ان الحسنات لذنہبن السیئات، یعنی بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اور اللہ کا فرمان ان تجتنبوا کیا ترماتنہون عنہ نکفر عنکم سیئاتکم اور یہی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ”برائی کے بعد نیکی کرو۔ وہ برائی کو مٹا دے گی۔“

اب حضرت حاظیؓ کی قوت ایمانی کا اندازہ کیجئے جس کے باعث وہ بدر میں حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اپنی جان پیش کر دی۔ نیز اپنی قوم اور قبیلہ اور قرابت داروں کے مقابلہ میں اللہ اور اس کے رسول پر جان قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور حالت یہ تھی کہ یہ دشمنوں کے زرعے میں اور ان کے علاقہ میں تھے اس کے باوجود انہوں نے اپنے اہل اور قبیلہ کے مقابلہ سے اعراض نہ کیا اور نہ ان کے پائے ثبات میں نزلزل ہوا اور نہ ایمان و یقین میں نرمی آئی۔ پھر جب جاسوسی کی تو توبہ قوت (شہود بدر) مقابلے میں آئی چونکہ بجران صالح تھا اس لیے مرض دفع ہو گیا اور مریض اس طرح ہو گیا جیسے کوئی تکلیف ہی نہ تھی۔

اور اس کے برعکس ذوالغواجرہ تمیمی اور اس جیسے خوارج کہ نماز روزہ اور قرأت میں جن کی مشقیں اور محن یہاں تک جا پہنچی ہیں کہ صحابہ بھی ان کے مقابلہ میں اپنے اعمال کو حقیر جاننے لگے۔ آپ نے ان کے متعلق کیسے حکم فرمایا کہ اگر میں نے انہیں پالیا، تو انہیں قوم عاد کی طرح قتل کروں گا اور فرمایا، انہیں قتل کرو، کیونکہ ان کے قتل کو اللہ کے ہاں اجر ملے گا اور فرمایا، آسمان کی چھت کے نیچے سب سے بدتر بن مقتول یہ خوارج ہیں چنانچہ انہیں فاسد عقائد کی وجہ سے ان کے مشقت امیر اعمال نے بھی کچھ فائدہ نہ دیا اور خود ہی نجس بن گئے۔

نیز ابلیس کی حالت پر غور کرو چونکہ مہلک مادہ (کفر) اس کے قلب میں چھپا ہوا تھا اس لیے اسے کی سابقہ طاعات نے کچھ فائدہ نہ دیا اور وہ اپنی (بدتر بن) حالت پر لوٹ آیا۔ اس لیے تمام اعمال کا دار و مدار سرائے، مقاصد اور ارادہ و نیت پر موقوف ہے۔ یہی چیز اعمال کو یا سونا بنا دیتی ہے یا ناپاک اور نجس کر دیتی ہے اور توفیق خدا کے ہاتھ ہے جسے کچھ بھی عقل و خرد ہو وہ اس مسئلہ کی اہمیت کو خوب سمجھ سکتا ہے۔

اس قصہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر معاہدینت عہد معاہدینت سے جنگ | شکنی کریں تو ان پر دفعۃً حملہ کرنا اور انہیں آنے کی اطلاع

دیئے بغیر ان پر غارت گری کرنا جائز ہے اور جب تک وہ عہد کے پابند رہیں تب تک یہ بات جائز نہیں یہاں تک کہ دونوں فریق مساوی طور پر معاہدے کو توڑ دیں۔

دشمن کے مقابلہ میں شان و شوکت کا اظہار اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اہل اسلام کی کثرت

اور شان و شوکت اور قوت کا اظہار نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے جب کہ دشمن کے قاصد آئے ہوں جیسے اسلام کے بادشاہوں کا طریقہ ہے اور جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملکہ میں داخلہ کی شب آگ جلانے کا حکم دیا اور حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ابو سفیان کو روک لو اسے پہاڑ کی چوٹی پر لے جا کر عسا کر اسلام اور توجید کے لشکروں کا معائنہ کرادو اور ہتھیاروں میں ڈوبے ہوئے مسلمان جانثاروں کا گروہ دکھا دو۔

نیز اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکہ میں احرام کے بغیر قتال مباح

بغیر قتال مباح جائز ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان داخل ہوئے اور اس میں کوئی اختلاف نہیں اور نہ اس میں اختلاف ہے کہ جو حج یا عمرہ کے ارادہ سے داخل ہو اسے احرام باندھنا ضروری ہے ان کے علاوہ صورتوں میں اختلاف ہے جب کہ کسی کو بار بار داخلہ کی ضرورت ہو جیسے لکڑہارا یا گھاس نیچنے والا۔

ان کے متعلق تین اقوال ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ انہیں احرام کے بغیر داخل حرم ہونا جائز ہے یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور احمد رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔ شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک قول کے مطابق یہی مذہب ہے۔

(۲) دوسرا یہ کہ چونکہ یہ لکڑہارا اور گھاس والا ہے۔ احرام کے بغیر حرم میں داخل ہو سکتا ہے۔ یہ امام شافعی کا دوسرا قول ہے اور ایک روایت امام احمد کی بھی مد موید ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ اگر وہ موافقت کے اندر رہتا ہو تو احرام کے بغیر داخل ہو سکتا

ہے اور اگر موافقت سے باہر رہا لٹش پذیر ہو تو احرام کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں
یہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے۔

مکہ بزور قوت فتح ہوا، صلح سے نہیں

نیز اس میں صاف وضاحت ہے کہ مکہ قوت سے فتح ہوا۔ یہی جمہور
اہل علم کی رائے ہے اور شافعی کے سوا اس میں کسی کا اختلاف منقول نہیں۔ ایک
قول کے مطابق احمد بن حنبل کا بھی اختلاف ہے۔

صلح سے فتح ہونے کے قائل کہتے ہیں کہ اگر قوت سے فتح ہوتا تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اسے غانمین میں تقسیم فرما دیتے جیسے آپ نے خیبر اور تمام دوسری
جاؤں کو تقسیم فرمایا، آپ خمس نکالتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے تھے۔ نیز یہ کہ
جب ابو سفیان نے اسلام لانے کے بعد اہل مکہ کے لیے امان طلب کی تو آپ
نے انہیں امان دے دی، یہ گویا عقد صلح ہی تھا اور اگر قوت سے فتح ہوتا تو
غانمین اس کی زمینوں اور مکانات کے مالک بن جاتے اور وہ اہل مکہ سے زیادہ
مستحق بھی تھے۔ نیز اہل مکہ کا اخراج بھی جائز ہوتا، حالانکہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم
نے اس قسم کا کوئی حکم نہیں دیا، بلکہ مہاجرین کے وہ مکانات بھی واپس نہیں
کیے جن سے انہیں نکالا گیا تھا اور انہیں نکالنے والوں کے ہی قبضہ میں رہنے
دیا گیا۔ اور ان مکانات کی بیع و شراہ اجارہ اور سکونت کو جائز قرار دیا۔ یہ معاملہ
قوت سے فتح کرنے کے احکامات سے منافی ہے۔

قوت سے فتح کے غانمین نے کہا ہے کہ اگر آپ نے مصالحت سے فتح کیا ہوتا
تو ہر آدمی کو اپنے گھر میں داخل ہونے، دروازہ بند کرنے اور ہتھیار ڈالنے سے
امان کو مشروط کرنے کا کچھ فائدہ نہ تھا اور نہ خالد بن ولید ان سے مفائدہ کرتے حتیٰ
کہ انہوں نے چند آدمی قتل بھی کر دیئے اور بنی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کچھ
نعرض نہ کیا۔

نیز اگر مکہ محض صلح سے فتح ہوتا تو آپ یوں نہ فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ

کے لیے دن کی ایک ساعت (مقائد) حلال کر دیا، کیونکہ اگر مصالحت سے مفتوح ہوتا تو اس کی حرمت قائم رہتی کیونکہ مصالحت سے ایک جگہ حرمت سے خارج نہیں ہوا کرتی۔ حالانکہ آپؐ نے بتایا کہ اس گھڑی میں یہ (مقائد) حرام نہ تھا۔ اور جنگ کی ساعت ختم ہونے کے بعد اس کی پہلی حرمت پھر لوٹ آئی۔ نیز اگر یہ محض مصالحت سے فتح ہوتا تو آپؐ اپنے سوار اور پیادہ لشکر وائیں بائیں ہتھیار بند حالت میں نہ رکھتے۔

(مزید برآں) آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا، انصار کو میرے پاس بلاؤ۔ انہوں نے آواز دی وہ حاضر ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد کھڑے ہو گئے۔

آپؐ نے فرمایا، تم قریش کے آوارہ لوگوں اور ان کے اتباع کو دیکھ رہے ہو؟ پھر آپؐ نے ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھ کر فرمایا، انہیں مکمل طور پر پیس کے رکھ دو۔ یہاں تک کہ تم مجھے صفا پر ملو، اس پر ابو سفیان کہتے لگا اے اللہ کے رسولؐ قریش کو مباح کر دیا گیا۔ آج کے بعد قریش نہ ہوں گے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو اپنا دروازہ بند کر دے اسے امان ہے، مصالحت کے ساتھ ساتھ اس قسم کی باتیں محال ہیں۔

یہ کہنا کہ مکہ قوت سے فتح ہوتا تو یہ غائبین میں تقسیم کر دیا جاتا۔ یہ تو تب ہوتا کہ زمین غنائم میں شامل ہو، جسے اللہ تعالیٰ کی خمس نکالنے کے بعد غائبین میں تقسیم فرما دے، حالانکہ جمہور صحابہؓ اور ان کے بعد ائمہؒ اس سے اختلاف رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ زمین ان غنائم میں شامل نہیں جن کی تقسیم واجب ہو۔ خلفائے راشدین کی سیرت بھی یہی تھی کیونکہ حضرت بلالؓ اور ان کے اصحابؓ نے جب تہی مفتوحہ زمین کی تقسیم کا مطالبہ کیا جو شام اور اس کے ارد گرد واقع ہو اور کہا کہ اس کا خمس لے لیا جائے، اور باقی کو (لشکر) پر تقسیم کر دیا جائے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ غیر مال ہے، ہاں میں اسے بطون فیء کے روک رکھوں گا، تاکہ تمہیں۔

اور عام مسلمانوں کو فائدہ دے سکے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب نے پھر تقسیم کا مطالبہ کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا کی۔ اے اللہ بلال رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کو کفایت عطا کر۔ چنانچہ سال بھی نہ گزرا تھا کہ تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اتفاق کر لیا۔

اسی طرح جب مصر، عراق، فارس کا علاقہ اور تمام دیگر ممالک قوت سے فتح ہوئے ان میں سے خلفائے راشدین نے ایک گاؤں بھی تقسیم نہ فرمایا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ انہوں نے خوشی سے قبول کر لیا اور ان کی رضا سے انہیں وقف قرار دیا کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان سے اس سلسلہ میں نزاع کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسلسل انکار کرتے رہے اور یہ محض توفیق الہی سے ہوا، کیونکہ اگر زمین تقسیم ہو جاتی تو وراثت چل پڑتی اور چلتے چلتے۔ بستی اور شہر ایک عورت یا ایک چھوٹے بچے کے قبضہ میں رہ جاتا اور جنگ کرنا ان کے بس کی بات نہ ہوتی۔ اس میں سخت ترین فساد اور ضرر ہوتا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہی خطرہ تھا اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے زمین کی تقسیم نہ کرنے کے سبب سے اور اسے وقف قرار دینے سے اہل اسلام کو اس بات کی توفیق بخشی کہ آخری مسلمان بھی جنگ کرنے پر اتر آئے اور اسلام اور اہل اسلام سے تعاون کرنے اور اس کے جھنڈے کی برکت ظاہر ہوئی۔ چنانچہ جمہور ائمہ رضی اللہ عنہم نے اس سے اتفاق کیا ہے۔

فتح مکہ کی شرعی و فقہی نوعیت و حیثیت

رہا مکہ تو اسے تقسیم کر دینے کے سلسلے میں ایک اور مالخ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس صورت میں دوسرے علاقوں کی تقسیم واجب ہوتی تو بھی یہ تقسیم نہ ہوتی، کیونکہ یہ مملوکہ نہیں ہے یہ دارالنسک (قریبانیوں کا گھر) ہے اور مخلوق کی عبادت گاہ اور پروردگار کریم کا حرم ہے جسے اس نے یہاں کے باشندوں اور باہروں کے لیے حرم قرار دیا ہے۔ اس طرح یہ اللہ کی جانب سے دینے والوں پر وقف ہے۔ اس میں ہر شخص برابر کا حصہ دار ہے اور منیٰ و قوف ہے جو بھی سبقت کر کے پہنچ جائے۔ اس طرح حرم، اس کے مشاعر مثلاً صفا۔ مروہ، منیٰ۔ عرفہ اور مزدلفہ کسی ایک آدمی کے ساتھ مختص نہیں بلکہ تمام لوگوں میں مشترک نہیں کیونکہ یہ ان کی قریبانیوں اور عبادت کی جگہیں ہیں۔ اور اللہ کی جانب سے جائے عبادت اور وقف ہیں۔ اس نے اسے مخلوق کے لیے بنایا۔ اسی وجہ سے بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں گرمی سے بچنے کے لیے خیمہ لگاتے سے منع فرمایا اور فرمایا۔

منیٰ پر اس آدمی کی جائے وقف ہے جو سبقت کرے اس لیے سلف و خلف کے۔ مہو برائے نے یہی فرمایا ہے کہ مکہ کی اراضی کی خرید و فروخت اور وہاں کے مکانات کو کرایہ پر دینا جائز نہیں۔ اہل مکہ میں حضرت مجاہدؒ اور عطاءؒ کا یہی مذہب ہے۔

اہل مذہب میں سے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا۔ اور اہل عراق میں سے امام ابو حنیفہ سفیان ثوری۔ امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راہویہ کا یہی مذہب ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے علقمہ رضی بن فضلہ سے روایت کیا بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اور عمر رضی کے عہد میں مکہ کی زمینوں کو سواٹب کیا جاتا تھا۔ جو چاہتا ٹھہر جاتا اور جو مستغنی ہو جانا وہ دوسرے کو ٹھہر دیتا کر ایہ کے بغیر، نیز انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ جس نے مکہ کے مکانات کا کر ایہ کھا یا وہ جہنم کی آگ کھاتا ہے (دار فطنی مرفوع)

نیز اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کو حرم قرار دیا۔ اس لیے اس کی زمینوں کو بیچنا اور اس کی قیمت کھانا حرام ہے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ ہمیں اسحاق بن یوسف نے بتایا۔ انہیں عبد الملک نے بتایا کہ حضرت عمر بن عبد الغزیز نے اہل مکہ کے امیر کو خط لکھا جس میں انہوں نے مکہ کے مکانات کو کر ایہ پر دینے سے منع فرمایا۔

بیع واجارہ کو جائز سمجھنے والے دلیل دیتے ہیں کہ کتاب اللہ

ایک دوسری دلیل سنت رسول اللہ اور آپ کے اصحاب اور خلفائے راشدین کا عمل جائز ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: للفقراء المهاجرين الذين اخرجوا من ديارهم واموالهم — یعنی ”فقراء مهاجروں کے لیے کہ جن کو کہ نکالا گیا ان کے گھروں اور اموال سے“

نیز فرمایا والذین ہاجروا و اخرجوا من ديارهم یعنی اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور نکالا گیا انہیں ان کے گھروں سے، یعنی ان میں مکانات کی اضافت اہل مکان کی طرف کی گئی۔

یہ اضافت تملیک ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب عرض کیا گیا کہ کل آپ کہاں اتریں گے؟ مکہ میں اپنے گھر کے اندر؟ آپ نے فرمایا، ”کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی جگہ رہنے دی ہے؟“ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ میرا یہاں کوئی گھر نہیں بلکہ اضافت کے ساتھ اقرار کر لیا

اور تباہ عقیل اس کے مالک بن چکے ہیں۔ اور آپ نے ان سے اُسے چھینا نہیں۔ اور احارِ بیت میں مکانات کی اضافت کئی مقامات پر آتی ہے، جیسے کرام ہانی کا گھر۔ حضرت خدیجہؓ کا گھر، ابو احمد بن جحش کا گھر وغیرہ۔ اور پھر یہ وارث بھی بنتے تھے، جیسے منقولہ جائداد کے وارث ہوتے ہیں اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا عقیل نے ہمارے لیے کوئی گھر ہتے دیا؟ اور عقیل اپنے والد ابو طالب کے مکانات کے وارث بنے۔ لیکن علی وارث نہ ہوئے کیونکہ وہ مکان شرع تھا۔ اور حضرت علی مسلمان تھے۔ یہ اختلاف دین کے باعث وارث نہ بن سکے۔ نیز صفوان بن امیہ نے حضرت عمر بن خطاب کے ہاتھ ایک مکان چار ہزار درہم میں بیچا اور اس کے اسے قید خانہ بنا لیا۔ پھر جب بیع اور میراث جائز ہے تو کرایہ پر اٹھانا بدرجہ ادنیٰ جائز ہوا۔ لیکن البتہ حقیقہً کا مذہب یہ ہے کہ بیع اور نقل ملک جو رباہ میں ہے وہ دراصل مکانات پر ہو سکتی ہے اور مکہ کی زمین پر نہیں ہو سکتی۔ اب اگر کہا جائے کہ کرایہ کو منع کیا اور بیع کو ناجائز قرار دیا۔ کیا شریعت اور معہود شریف میں اس کی کوئی مثال ہے؟ کیا کہ اجارہ بیع سے وسیع تر ہے لیکن کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ بیع ممنوع ہو اور اجارہ جائز ہو جیسے وقف اور حرارت۔

اس کا جواب یہ ہوگا، بیع اور اجارہ ہر ایک مستقل عقد ہے جو دوسرے کے جواز نہ مانعت کو مستلزم نہیں بن سکتا۔ ان کے مواقع احکام بھی مختلف ہیں۔ بیع جائز ہے اس لیے کہ بائع نے ایک فعل کے ساتھ اسے یعنی مکان بنا کر مخصوص کر دیا ہے اور اجارہ منفعہ میں شمار ہوگا اور یہ مشترک چیز ہے۔ اور جو بھی سبقت کر کے آجائے اسے معاوضہ دیئے بغیر و قوف کا حق پہنچتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے بیع کو جائز کہا اور اجارہ کرایہ کو ناجائز قرار دیا۔ اور اگر تم مثال کے بغیر اس کا انکار کرو تو اس کی مثال مکاتب میں ملتی ہے کہ اس کے آقا کو اس مکاتب غلام کی بیع جائز ہے اور اب یہ نئے خریدار کے پاس مکاتب غلام ہوگا۔ اور اسے کرایہ پر دینا جائز نہ ہوتا کیونکہ اس میں اس کے منافع باطل ہوتے ہیں۔ اور عقد کتبہ بت کتابت کے بعد اس کی ملکیت

کسی پروردگاری ہے۔

اور جب مکہ قوت کے بل پر مفتوح ہوا تو کیا اس کے مزار
مزار عین مکہ پر خراج عین پر خراج عائد کرنا جائز ہوگا جیسے مکہ تمام دیگر ارضی

عنوہ (قوت سے مفتوحہ) کا معاملہ ہے؟

اس مسئلہ میں دو قول ہیں۔

ایک تو یہ ہے کہ منصوص بات کے بغیر کوئی قول جائز نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ
مزارع پر خراج نہ ہوگا۔ اگرچہ اسے قوت سے فتح کیا گیا۔ کیونکہ بہ زمین اس بات سے
بند و بالا ہے کہ اس پر خراج عائد کیا جائے۔ خراج دراصل زمین کا جز بہ ہونا ہے اور
یہ زمین پر عائد کیا جاتا ہے جیسے صاحب استطاعت اصحاب پر جز بہ عائد کیا جاتا
ہے اور پروردگار کا حرم

اس بات سے بند و برتر ہے، کہ اس پر جز بہ عائد کیا جائے اور فتح ہونے کے بعد
مکہ کی زمین لوٹ کر دوبارہ امن والی حرم بن چکی ہے، جس میں تمام اہل اسلام مشرک
طور پر حصہ دار ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی قربانیوں اور عبادات کی جگہ ہے اور اہل زمینت
کا قبیلہ ہے۔

دوسرا قول اصحاب احمد کا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے مزارع پر خراج عائد ہوگا جیسے
دیگر علاقوں کے مزارع عین پر عائد ہوتا ہے۔ حالانکہ امام احمد کی نص کے خلاف اور غلط
ہے۔ نیز یہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عمل کے
بھی خلاف ہے۔ اس لیے یہ آخری قول ناقابل التفات ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوتا
فتح کے دوسرے روز کے خطبہ میں علمی جواب پارے ہے کہ مکہ حرم ہے اور

اسے لوگوں نے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حرم قرار دیا ہے۔ اس لیے اس کی تحریم شرعی
قدیمی ہے۔ اس عالم کی پیدائش سے قبل ہی اس کی حرمت ہو چکی تھی۔ اس کے بعد
اللہ کے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کا اظہار ہوا جیسے صحیح روایت

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے، فرمایا:

اے اللہ تیرے خلیل ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم کہا اور میں مدینہ کو حرم قرار دیتا ہوں“
یہ روایت اس بات کی خبر دیتی ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی زبان مبارک سے اس کی حرمت
کا اظہار ہوا جو کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے قبل ہی مقدر ہو چکی تھی۔ اس لیے اہل
اسلام میں سے کسی نے بھی اس کی حرمت کا انکار نہیں کیا۔ اگرچہ مدینہ کی حرمت میں
قدرے نزاع کیا ہے، اور صائب رائے میں اس کی تخریم بھی ثابت ہے۔ کیونکہ اس
سلسلہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیس سے زیادہ احادیث مروی ہیں جن
میں کسی طرح کا طعن نہیں۔

نیز آپ نے فرمایا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس تخریم

کے باعث ایسا خون بہائے جو دوسری جگہ

مباح ہو سکتا ہے یہاں اس مقام کی

حرم میں کوئی خون مباح نہیں

حرمت کے باعث احرام ہوگا جیسے یہاں پر درخت کاٹنا۔

گری پٹری چیز بھی نہ اٹھاؤ

نظرہ گری چیز کو اٹھانا حرام ہے اور بہ یہیں مخصوص

ہے اور دوسری جگہ مباح ہے۔ اس کی کئی انواع

ہیں۔ ایک وہ جو ابو شریح عدوی نے بتایا ہے۔ اس وجہ سے وہ گروہ جو امام کی بیعت

سے انکار کرتا ہے۔ اس سے جنگ نہ کی جائے گی۔ خصوصاً اس حالت میں جب اس کے

پاس کوئی تاویل بھی جیسے اہل مکہ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت ابن زبیرؓ

کی بیعت کرنی۔ چنانچہ ان سے جنگ کرنا اور نسا و اجماع سے اللہ کے حرم کو حلال کرنا جائز

نہیں، ہاں البتہ ایک خبیث فاسق عمرو بن سعد اور اس کے گروہ نے اپنی رائے

اور خواہش نفس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نص کی مخالفت کی اور کہنے لگا۔

حرم نافرمان کو نہیں بچانا، چنانچہ اسے جو اب دیا جاتا کہ اللہ کے عذاب سے نہیں

بچاتا، اور اگر لوگوں کو خون بہانے سے بھی نہ بچائے تو حرم ہی نہ رہے گا اور اگر بہ

پہندوں اور جو پاؤں کے لیے بھی حرم ہے تو آدمیوں کے لیے بدرجہ اولیٰ حرم ہی نہ رہے گا

اور واقعہ یہ ہے کہ حرم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے لے کر عصاة کو بچا رہا ہے۔

اور اسلام نے بھی اسی کو قائم رکھا۔ باغی تقیس بن حبابہ اور ابن حنظل اور ان کے ہمراہیوں کو نہیں بچایا۔ اس کا سید یہ ہے کہ اس ساعت میں یہ حرم نہ تھا۔ بل حل بن چکاتھا جب ساعت حرب ختم ہو گئی تو وہی حرمت لوٹ آئی جو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت تھی اور عرب بھی زمانہ جاہلیت میں اگر اپنے باپ یا بیٹے کے قاتل کو حرم میں دیکھتے تو کچھ نہ کہتے اور یہ چیز ان میں مخصوص طور پر پائی جاتی تھی جس سے یہ حرم ہو گیا۔ اس کے بعد جب اسلام آیا۔ اس نے اس کی تاکید کی اور اس مسئلہ کو اور زیادہ قوی کر دیا۔ امام احمد نے حضرت عمر بن خطابؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں اپنے والد خطابؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ اگر میں حرم میں اپنے والد خطاب کے قاتل کو دیکھ لوں تو اسے بالکل نہ چھڑو یہاں تک کہ وہ یہاں سے نکل جائے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔

اگر میں یہاں عمرؓ کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی اس سے تعرض نہ کروں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگر میں حرم میں اپنے والد کے قاتل کو دیکھ لوں تو بھی یہاں سے نکل جاتے تک سے کچھ نہ کہوں۔

جمہور تابعین اور ان کے بعد کے علمائے کرام کا یہی قول ہے بلکہ کسی تابعی یا صحابیؓ سے اس کے خلاف منقول نہیں۔ ابوحنیفہؒ اور اہل عراق امام احمد اور دیگر اہل حدیث کا مذہب بھی یہی ہے۔

امام مالکؒ اور امام شافعی کے اقوال | اور امام مالکؒ اور شافعی کا قول یہ ہے اس کی حرم میں بھی ویسے ہی گرفت کی جائے

گی جیسے حل میں ہوتی ہے۔ ابن منذرؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ رہا یہ قول کہ حرم نافران کو نہیں بچاتا۔ یہ عمرو بن سعد ناسق اور کلام جسے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے طور پر پیش کرتا تھا اور یہ کہنا کہ حرم اسے نہیں بچاتا جو حرم کے اندر فساد کر کے حرم کی ہتک کرتا ہے کیونکہ وہ ایسی حرکت کا مرتکب ہوا۔ جس کی وجہ سے اس پر حد لازم ہو گئی ایسے حرم کی طرف پناہ لینے والا خواب دیکھنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے

رسولؐ اور صحابہؓ نے ان دونوں صورتوں میں کیا فرق کیا ہے؟ امام احمدؒ نے عبدالرزاق سے انہوں نے عمر سے انہیں ابن طاؤس سے انہیں اپنے والد سے انہیں حضرت ابن عباسؓ سے روایت پہنچی۔ فرمایا کہ جس نے حل میں چوری کی یا قتل کیا۔ پھر وہ حرم میں داخل ہو گیا تو نہ اس کے پاس بیٹھو اور نہ بات چیت کرو، حتیٰ کہ وہ وہاں سے نکل جائے۔ نکل جانے کے بعد اسے پکڑ کر اس پر حد قائم کی جائے گی۔ اور اگر اس نے حرم کے اندر چوری کی یا قتل کیا تو اس پر حرم ہی میں حد قائم کی جائے گی۔

اثرم تے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جو حرم کے اندر کوئی جرم کرے اگر حرم ہی میں جرم کی سزا دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو حرم میں قتل کرے اسے (حرم میں) ہی قتل کر دیا جائے۔ فرمایا: وَلَا تَقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ۔

حرم میں پناہ لینے کا مسئلہ | اب پناہ لینے اور (حرم) میں ہتک کرنے والے میں فرق کئی وجوہ سے ہے، ایک یہ ہے کہ

حرم میں جرم کرنے والا، اس کے اندر جرم کر کے حرم کی حرمت توڑنے کا مجرم ہوتا ہے۔ بخلاف اس کے کہ جو حرم سے باہر جرم کرے اور پھر حرم میں پناہ لے لے کیونکہ وہ حرم کی عزت کرنے والا اور یہاں پناہ لے کر اس کا احترام کرنے والا ہوتا ہے۔ اس لیے ایک کا دوسرے پر قیاس کرنا باطل ہے۔

دوسرے یہ کہ جرم کی حیثیت ایسی ہے کہ اس نے بادشاہ کے گھر میں اس کے حرم میں اور اس کے دسترخوان (حرم) پر جرم کیا ہے اور جو باہر جرم کر کے یہاں آکر پناہ چاہے اس کا معاملہ اس طرح ہے جیسے کہ ایک آدمی نے بادشاہ کی بساط و حرم سے جرم کیا اس کے بعد پناہ لینے کے لیے حرم میں داخل ہو گیا۔

تیسرے جرم میں جرم کرنے والا ایسا ہے جس نے اللہ سبحانہ، و تعالیٰ کے حرم اور بیت اللہ کی توہینت کی، گویا وہ دوسرا جرم ہے۔ بخلاف دوسرے کے کہ اس کا معاملہ ایسا نہیں ہے)

چوتھے یہ کہ اگر جرائم پیشہ لوگوں پر حرم میں سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حرم میں فساد ہو جائے گا اور ایک عظیم شر پیدا ہو جائے گا، کیونکہ دوسروں کی طرح اہل حرم بھی اپنی جان و مال اور عزت کو بچانا چاہتے ہیں اور اب اگر جرائم کے ترکیب پر حرم کے اندر ہی سزا عائد نہ کی جائے تو اللہ کے حدود معطل ہو کر رہ جائیں گے اور حرم اور اہل حرم کو ضرر عمومی پہنچے گا۔

بیز آپ نے فرمایا کہ یہاں درخت نہ کاٹنا
حرم کے درخت نہ کاٹے جائیں
 جائے گا دوسرے الفاظ یہ ہیں کہ کانٹا
 بھی نہ توڑا جائے۔ اس میں اختلاف نہیں کہ خشکی کا وہ درخت جس کو آدمی خود کاشت
 نہ کرے یہاں وہ مراد ہے۔ البتہ جسے آدمی خود حرم میں کاشت کرے اس میں اختلاف
 ہے اور اس صورت میں تین اقوال ملتے ہیں۔

ایک نواجہد کے مذہب میں یہ ہے کہ انسان کو اکھڑنے کی اجازت ہے اور اس
 پر کوئی ضمان نہ ہوگی۔ ابن عقیل اور ابی خطاب وغیرہ نے اس کو اختیار کیا ہے۔
 دوسرا قول اسے اکھڑنے کا اختیار نہیں اور اگر اس نے ایسا کیا تو ہر حالت میں
 اس پر ضمان ہوگا۔ یہ امام شافعی کا قول ہے۔ ابن بناء نے خصال ثالث میں اس
 کا ذکر کیا ہے۔

تیسرے جو حل میں لگایا جائے اور پھر حرم میں بو دیا جائے ان میں فرق ہے یا
 جو ابتداء ہی میں حرم کے اندر بو دیا جائے۔ چنانچہ پہلی صورت میں ضمان نہ ہوگا
 اور دوسری صورت میں اسے اکھاڑنے کی اجازت نہیں اور اس پر قطعاً ضمان لازم
 آئے گا۔ یہ فاضل کا قول ہے۔

ایک چوتھا قول بھی ہے۔ وہ یہ کہ بعض پودے آدمی اپنے مطلب کے لگاتا ہے اور
 کھجور وغیرہ اور بعض ایسے ہی جو اس جنس کے نہیں ہوتے اور آدمی اسے کاشت
 نہیں کرتے۔ پہلی صورت میں ان کا اکھاڑنا جائز ہے اور اس میں ضمان نہیں۔
 دوسری صورت اکھاڑنا جائز نہیں اور اس میں ضمان ادا کرنا ہوگا۔

نیز حدیث نے سبز اور خشک میں فرق نہیں کیا لیکن علمائے کرام نے خشک کے کاٹنے کو جائز قرار دیا ہے اور فرمایا کہ یہ (خشک پودے) مردے کے قائم مقام ہیں اور اس میں کسی کا اختلاف معلوم نہیں۔

خود بخود درخت گر جائے تو انتفاع جائز ہے | نیز حدیث میں اس بات کی دلیل بھی ہے کہ جب درخت خود بخود اکھڑ جائے یا اس کی ایک شاخ ٹوٹ جائے اس سے استفادہ جائز ہے کہا جاتا ہے کہ امام احمد سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ جس نے اسے شکار سے تشبیہ دی ہے، وہ اس کی لکڑی سے انتفاع نہیں کرنا اور فرمایا، میں نے نہیں سنا کہ کٹ جانے کے بعد اس نے اس سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور وجہ بھی ہے وہ یہ کہ غیر قاطع کو اس سے انتفاع جائز ہے کیونکہ یہ اس کے فعل کے بغیر کٹ گیا۔ اس لیے اسے انتفاع کا حق حاصل ہے، جیسے کہ آندھی سے اکھڑ جائے۔ پتے کاٹنے کی صحت کے بارے میں بھی صراحت موجود ہے۔ امام احمد کا یہی مذہب ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسے پتے لینے کا حق ہے۔ عطار سے بھی مروی ہے لیکن ظاہر نص اور قیاس کے اعتبار سے پہلی صورت زیادہ صحیح ہے کیونکہ درخت کے پتوں کی حیثیت درخت کے لیے ایسی ہی ہے جیسے پرندے کے لیے پر ہوتے ہیں۔ نیز پتے کاٹنا شاخوں کے خشک ہونے کی وجہ سے ہے کیونکہ یہ ان کا لباس ہیں۔ اور ان کے تحفظ کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

حرم کی گھاس بھی نہ کاٹی جائے | آپ کا یہ فرمان کہ حرم کی گھاس وغیرہ بھی نہ کاٹی جائے اس میں کوئی اختلاف نہیں اور اس سے مراد وہ ہی پودے ہیں جو خورد و فرہوں۔ وہ مراد نہیں ہیں جنہیں لوگ کاشت کریں۔ اور خشک بھی حدیث میں داخل نہ ہوں گے بلکہ یہ حکم مخصوص طور پر سبز پودوں کے متعلق ہے، اور مروی ہے کہ حضرت ابن عمر (خشک) گھاس چن لیتے تھے، اور اذخر، نص سے مستثنیٰ ہے اور اس کا استثناء ہی اس بات کی دلیل ہے

کہ یہ حکم (اذخرا) علاوہ باقی کے سب پر حاوی ہے۔

اگر کہا جائے کہ چرنے پر بھی عاید ہو گا یا نہیں؟ اس بارے میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ صحابان عاید نہ ہو گا۔ اس صورت میں چرانا جائز ہے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے دوسرا یہ کہ معنوی طور سے اس پر بھی عاید ہو گا۔ اگرچہ ظاہر الفاظ اس پر حاوی نہیں۔ لہذا چرانا جائز ہو گا۔ یہ امام احمد کا مذہب ہے اور اصحاب احمد کے دو قول ملتے ہیں۔ حرام قرار دینے والے کہتے ہیں کہ چوپائے کے سامنے پیش کرنے، اختلاط اور چوپائے کو اس پر چھوڑنے میں کہ اسے وہ چرنے کی بافرق ہے؟ اور جائز بتانے والے فرماتے ہیں کہ چونکہ ہدایا قربانی کے جانور کا طریق کار یہ بھی رہا ہے کہ وہ حرم میں داخل ہوتے اور کثرت کے ساتھ آیا کرتے۔ اور یہ بھی کسی سے منقول نہیں کہ ان کے منہ باندھ دیئے جاتے تھے۔ اس سے چرنے کا جواز نکلتا ہے۔ حرم بتانے والے اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ چرنے کے لیے جانور کو خود بھینچنے اور آٹے ہوئے جانور کے خود بخود چرنے میں فرق ہے۔ بغیر اس بات کے کہ جانور کو اس پر مسلط کر دیا جائے اور اس پر یہ واجب نہیں کہ اس کا منہ باندھ دے، جیسے احرام کی حالت میں خوشبو کو سونگھنے سے بچنے کے لیے ناک کو بند کرنا واجب نہیں، اگرچہ فصداً خوشبو سونگھنا قطعاً جائز۔

حرم کے شکاری جانور نہ ستائے جائیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ حرم کے شکار کو پریشان نہ کرنا چاہیے۔ اس بات کی صراحت ہے کہ قتل شکار اور اس کی گرفتاری کا کسی طریقہ سے بھی سبب بننا حرام ہے، حتیٰ کہ اسے اپنی جگہ سے بھگانا بھی نہیں چاہئے کیونکہ اس جگہ وہ ایک مخزم حیوان ہے، اور وہ سبقت کر کے ایک جگہ حاصل کر چکا ہے اس لیے وہ اس جگہ کا زیادہ مستحق ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ حرم کا جانور اگر کسی جگہ سبقت کر کے پہنچ جائے تو اسے وہاں سے پریشان کر کے (بھگایا) نہ جائے

حرم کے اندر گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے | اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ حرم میں گری ہوئی چیز کو جاننے

والے کے سوا کوئی نہ اٹھائے اور ایک جگہ یہ الفاظ ہیں کہ اس کے نقطہ کو اٹھانا تعارف کرانے والے کے سوا جائز نہیں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حرم کا نقطہ رگری پڑی چیز کسی حال میں کسی کا مملوکہ نہیں اور اسے صرف اس کے مالک کو یا جاننے والے کو ہی اٹھانا چاہیے نہ کہ مالک بننے کے لیے، ورنہ حرم سے تخصیص کا کچھ بھی فائدہ نہ رہے گا۔

البتہ اس میں اختلاف بھی ہے، امام مالک اور ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ حل اور حرم کے نقطہ کا ایک ہی حکم ہے۔ احمد اور شافعی کے دو اقوال و روایات میں سے ایک روایت اور قول یہی ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی ہے۔ دوسری روایت میں امام احمد نے اور دوسرے قول میں امام شافعی نے فرمایا۔ مالک بننے کے لیے نقطہ اٹھانا جائز نہیں، البتہ اس کی حفاظت کے لیے جائز ہے اور اگر اٹھالے تو دائمی طور پر مشہور کرتا رہے یہاں تک کہ اس کا مالک آجائے۔ عبدالرحمن بن مہدی اور ابو عبیدہ کا یہی قول ہے اور حدیث بھی اس سلسلہ میں واضح ہے۔

قصاص یا ویت کا اختیار | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان، کہ جس کا کوئی آدمی قتل ہو جائے اس کے لیے دو بائیس، بیس۔ یا تو قاتل کو قتل کر دیا جائے، یا ویت لے لے۔

اس حدیث سے اس بات کی دلیل نکلتی ہے کہ یہ صورت قتل عمد میں ہوگی اور قصاص ضروری طور پر متعین نہ ہوگا، بلکہ اسے دونوں میں سے ایک کا اختیار حاصل ہے۔ چاہے قصاص لے لے اور چاہے تو ویت لے لے۔

اگر کہا جائے کہ قاتل کے مرجانے کی صورت میں آپ کا کیا خیال ہے؟ اس کے متعلق ہم یہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ میں دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ کہ

ساقط ہو جائے گی۔ ابو حنیفہؒ کا یہی مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک قصاص واجب عین ہے اور اب اللہ کے فضل کے باعث قصاص لینے کا محل ہی ساقط ہو گیا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ ایک مجرم غلام مر جائے تو جرم کی سزا غلام کے آقا کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ امام شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ترکہ سے دیت وصول کی جائے گی، کیونکہ اس کے مرنے کی صورت، میں صرف قصاص لینا محال ہو گیا، لیکن دیت ساقط نہ ہوگی۔ یہ واجب رہے گی۔

خطبہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اذخر کو مستثنیٰ کرنا،
اذخر گھاس مستثنیٰ ہے | جب کہ حضرت عباسؓ نے سوال کیا ”سوائے اذخر کے؟“

اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں، ایک یہ کہ اذخر (ایک قسم کی گھاس) کا ٹنا مباح ہے۔ دوسرے یہ کہ استثناء میں یہ لازم نہیں کہ کلام کی ابتداء میں ہی اس کی نیت کر لی جائے اور نہ یہ ضروری ہے کہ کلام ختم کر کے چپ ہونے سے قبل اس کا بھی تلفیظ کر دیا جائے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر کلام سے قبل اذخر کے استثناء کی نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرنے سے قبل نیت کی ہوتی یا کلام مکمل کرتے سے قبل نیت کر لیتے تو حضرت عباسؓ کے سوال پر ان کے ہتھ دینے تک خاموش نہ رہتے کہ اذخر ان کے گھروں اور غلاموں کے لیے ضروری ہے۔

اس واقعہ میں ایک صحابی ابو شاہ کا قصہ بھی ہے
کتابت حدیث کی اجازت | ابو شاہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ مجھے نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کا خطبہ مبارک لکھ دو آپ نے فرمایا کہ ابو شاہ کو لکھ دو۔ آپ کی مراد اپنے خطبے سے تھی۔ یہ فرمان علم، کے لکھنے اور حدیث کی کتابت کی بھی منسوخ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ (ابتداء میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ لکھا ہو، وہ اسے مٹا دے۔

اسلام کی ابتداء میں یہ حکم اس لیے دیا گیا تھا تا کہ وحی متلو کا وحی غیر متلو سے اختلاط نہ ہو جائے۔

اس کے بعد پھر آپ نے حدیث کی کتابت کی اجازت دی۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی ہے کہ وہ حدیث لکھا کرتے تھے۔ اور ان کی تحریروں کے مجموعہ کا نام "صَادِق" تھا۔ حضرت عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے اس مجموعہ احادیث کو روایت کیا۔ اور یہ مرویات تمام ذخیرہ روایات

سے زیادہ صحیح ہیں۔ بعض ائمہ حدیث اس مجموعہ کو اس درجہ میں تسلیم کرنے میں راجح ہیں وہ روایات تسلیم کی جاتی ہیں جو ابویوبؓ نے نافعؓ سے اور انہوں نے ابن عمرؓ سے روایت کیں۔ نیز ائمہ اربعہ وغیرہ ہم نے بھی ان سے استدلال کیا ہے۔

تصاویر کے سامنے نماز نہ پڑھنی چاہیے | اس میں یہ واقعہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ میں

داخل ہوئے وہاں نماز پڑھی اور جب تک تصاویر کو مٹانہ دیا گیا تب تک داخل نہ ہوئے۔ اس سنت کی رو سے ایسے مکان میں نماز کے مکروہ ہوتے کا ثبوت ہے جس میں تصاویر ہوں اور حمام میں نماز ادا کرنے سے (تصاویر) والے مکان میں نماز ادا کرنا زیادہ مکروہ ہے کیونکہ حمام میں نماز پڑھنے کی کراہت نجاست کے خیال سے یا اس وجہ سے ہے کہ حمام شیطان کا گھر ہوتا ہے اور وہ صحیح ہے۔ رہا تصاویر کا مکروہ تو اس میں شرک کا گمان ہوتا ہے اور زیادہ تر اقوام میں تصاویر اور قبروں کے واسطے سے شرک آیا ہے۔

آپ نے سیاہ عمامہ بھی باندھا | اس واقعہ میں یہ بھی مروی ہے کہ آپ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے

سیاہ عمامہ باندھ رکھا تھا اس سے گاہے گاہے سیاہ عمامہ باندھ لینے کا جو از بھی نکلتا ہے اسی وجہ سے خلفائے بنو عباس نے سیاہ پوشی کو اپنا اور اپنے گونہروں قاضیوں اور خطباء کا سرکاری شعار قرار دیا، البتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلسل اس قسم کا لباس زیب تن نہیں فرمایا اور نہ عبید بن جراح اور عام اجتماعات کے موقع پر

آپ کا یہ شعار تھا بلکہ فتح مکہ کے روز صحابہؓ کے سوا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اتفاقاً طور پر سیاہ عمامہ باندھ لیا اس روز آپ کا تمام لباس سیاہ نہ تھا بلکہ آپ کا جھنڈا بھی سفید تھا۔

متنعہ کے بارے میں فیصلہ نیز اس غزوہ میں عورتوں سے متنعہ کرنا بھی مباح تھا لیکن اس کے بعد مکہ سے نکلنے سے پیشتر ہی حرام کر دیا گیا۔ متنعہ کے حرام ہونے کے وقت میں البتہ اختلاف ہے۔ اور اس کے متعلق چار اقوال ملتے ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ خیبر کے دن حرام ہوا۔ یہ قول بھی علمائے کرام کے ایک گروہ کا ہے جس میں شافعی وغیرہ شامل ہیں۔

۲۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فتح مکہ کے سال حرام ہوا۔ یہ ابن عیینہ اور علمائے کرام کی ایک جماعت کا خیال ہے۔

۳۔ تیسرا قول حنین کے سال کے متعلق ہے۔ درحقیقت یہ قول ثنائی ہی ہے کیونکہ فتح مکہ کے فوراً بعد غزوہ حنین واقع ہوا۔

۴۔ چوتھا قول حج کے الوداع کے سال سے متعلق ہے۔ اور یہ قول بعض روایۃ کا وہم ہے۔

ان میں صحیح قول یہ ہے کہ متنعہ فتح کے سال حرام کیا گیا۔

صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ صحابہؓ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ فتح مکہ کے سال آپ کی اجازت سے متنعہ کیا۔ اگر یہ کام خیبر کے دن میں حرام کر دیا گیا ہوتا تو دوسرے سال کا منسوخ ہونا لازم آئے گا اور شریعت میں اس کی مثال قطعاً نہیں ملتی۔

نیز خیبر کے دن فوج کے ساتھ مسلمان عورتیں نہ تھیں، بلکہ یہودی عورتیں موجود تھیں اور اس زمانہ میں ابھی تک اہل کتاب عورتوں کی اباحت کا حکم

نازل نہ ہوا تھا بلکہ یہ اس واقعہ کے بعد سورہ مائدہ میں مباح قرار دی گئیں
اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

۱ لیوم حل لکم الطیبات و طعام الذین اوتوا الكتاب حل لکم
و طعامکم حل لہم و المحصنات من المؤمنات، و المحصنات من الذین
اوتوا الكتاب من قبلکم۔

اسی طرح اس خیبر کے روز
اہل کتاب کی عورتیں کب حلال ہوئیں

ہی نہ تھیں اور نہ فتح سے قبل مسلمانوں کو دشمنوں کی عورتوں سے کچھ دلچسپی
اور رغبت تھی۔ البتہ فتح کے بعد ان میں سے بعض گرفتار ہو گئیں اور مسلمانوں
کی لونڈیاں قرار دے دی گئیں۔ اور یہ مسئلہ حضرت عمرؓ کے زمانہ تک غیر معروف
تھا۔ اس وقت اس کی شہرت ہوئی تو نزاع واقع ہو گیا۔ اور نزاع ہونے
پہلے اس مسئلہ کے متعلق تمام روایات سامنے آجانے کی وجہ سے، اس کی حرمت۔
حرام ہونا ظاہر ہو گئی۔

فتح کے قصہ سے معلوم ہونا
مسلمان عورت کا فر کو امان دے سکتی ہے

ایک یا دو مردوں کو امان دے دینا جائز ہے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے
ام ہانیؓ کے امان دینے پر ان کے امان کی توثیق فرمادی۔

نیز اس سے مرتد کے قتل کا جواز بھی ملتا ہے جس کا ارتداد تو بہ نہ کر کے شدید
صورت اختیار کر گیا ہو۔ کیونکہ عبداللہ بن سعید بن ابی سرح نے اسلام قبول
کر کے ہجرت بھی کی تھی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی بھی لکھا کرتا تھا
پھر مرتد ہو گیا اور مکہ میں کفار سے جا ملا۔ جب فتح مکہ کا دن آیا تو حضرت عثمانؓ
بن عفان اسے بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے تاکہ بیعت کراویں۔ آپ

نے دیزنگ ہاتھ روک رکھا۔ پھر بیعت لی اور فرمایا:
 میں نے اس بیٹے ہاتھ روک رکھا تھا کہ تم میں سے کوئی اٹھے اور اس کی گردن
 مار دے۔

ایک آدمی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول۔ آپ نے میری طرف اشارہ کیوں
 نہ کر دیا؟
 آپ نے فرمایا کہ بنی کو مناسب نہیں کہ اس کی آنکھیں خیانت کرنے والی ہوں۔

غزوة حنین

مسلمانوں کی شکست اور فتح کا راز

آل حضرت کی استقامت | یہ مکہ اور طائف کے درمیان دو جگہیں ہیں۔ اس جگہ کے نام پر اس غزوہ کا نام پڑ گیا۔ اس کا غزوہ ہوازن بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ (بنو ہوازن) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے آئے تھے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ جب ہوازن نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد اور فتح مکہ کی خبر سنی تو وہ مالک بن عوف نضری سے جا ملے۔ اور ہوازن کے علاوہ بنو ثقیف بھی ان کے ساتھ مل گئے۔ نیز مضر، چشم کے تمام افراد اور سعد بن بکر بھی ان سے مل گئے اور مالک بن عوف نضری کو لوگوں کے مشورہ سے حکم بنا دیا گیا جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تو مردوں کے ساتھ ساتھ اپنے اموال، عورتوں اور بچوں کو بھی لے آئے۔ جب اوطاس میں اترے تو لوگ اکٹھے ہو گئے۔ ان میں درید بن صحتہ بھی تھا۔ اترنے کے بعد پوچھا کہ تم کس وادی میں ہو؟ جو اب ملا اوطاس میں! کہنے لگا۔

میں اونٹوں کی بلبلاہٹ۔ گدھوں کی آواز۔ بچوں کی چیخ پکار اور کبریوں کے منمناہٹ (بہر چیز) سن رہا ہوں؟ انھوں نے جواب دیا کہ مالک بن عوف

لوگوں کو ان کی عورتوں - اموال اور بچوں کے ہمراہ لایا۔ اس نے پوچھا مالک کہاں ہے؟

جواب ملا، یہ ہے مالک! اور اسے بلا لیا گیا۔

اس نے کہا مالک آج تو اپنی قوم کا سردار بن چکا ہے۔ کیا بات ہے کہ اونٹوں کی بلبلاہٹ گدھوں کی آواز۔ بچوں کی چیخ پکار اور بکریوں کی منمنناہٹ سن رہا ہوں؟ اس نے کہا میں نے ان کے ساتھ ان کی عورتوں بچوں اور امودل کو لے کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا، کیوں؟

اس نے کہا میں نے چاہا کہ ہر آدمی کے پیچھے اس کے اہل و عیال اور مال کو بھاڑوں تاکہ اس کی حفاظت کے خیال سے (خوب جوش) سے لڑے۔

اس نے جواب دیا۔ اللہ کی قسم تو بھیڑوں کا چرواہا ہی نکلا۔ کیا شکست کھانے والے کو کوئی چیز روک سکتی ہے؟ (یاد رکھ) تجھے صرف تلوار اور نیزے سے مسلح سپاہی ہی فائدہ دے سکتا ہے۔ اور اگر تجھے شکست ہو گئی۔ تو تو اپنے اہل و عیال اور مال کی جانب سے بھی رسوا ہو گا۔

درید بن صعہ کی جنگی ہدایتیں | اس کے بعد درید بن صعہ نے اُسے جنگی نصیحتیں کیں اور اہل و عیال کو واپس کرنے کا مشورہ دیا۔ لیکن

مالک نے اس کے تمام مشورے رد کر دیئے۔ اور لوگوں سے کہا کہ جب تم انہیں (مسلمانوں کو) دیکھو تو تلواروں کی نیامیں توڑ دو اور فردو احد کی طرح پورے اتحاد سے سخت ترین حملہ کرو۔

نیز اس نے اپنے چند مجرب بھیجے وہ واپس آئے تو اس حال میں کہ ان کے اوساں خطا ہو چکے تھے۔

اس نے پوچھا تمہارا ناس ہو تمہاری کیا حالت ہے؟ وہ کہنے لگے کہ ہم نے سفید لباس میں ملبوس آدمیوں کو گھوڑوں پر دیکھا، اللہ کی قسم ہم ٹھیر نہ سکے، حتیٰ کہ جو تو دیکھ رہا ہے۔ ہماری یہ حالت ہو گئی۔

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ نے عبداللہ بن ابی حدرداسلی کو بھیجا اور انہیں لوگوں میں داخل ہو جانے کا حکم دیا، وہ ان میں داخل ہو گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے متعلق جو کچھ انہوں نے تیاری کر رکھی تھی۔ تمام احوال سننے اور مالک سے بھی (تمام باتیں) سنیں اور ہوازن کے ارادے معلوم کر کے واپس آئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر تمام واقعات کی خبر دی۔

اس کے بعد جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ہوازن کی طرف سفر کیا تو آپ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ صفوان بن امیہ کے پاس زرہ ہیں اور ہتھیار ہیں۔ آپ نے اس کے پاس پیغام بھیجا۔ وہ اس زمانہ میں مشرک تھا۔

مشرک سے مدد لی جاسکتی ہے | آپ نے فرمایا اے ابو امیہ ہمیں اپنے ہتھیار مستعار دو۔ کل ہم ان سے اپنے دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

صفوان بولا، اے محمد، غصب کرنا چاہتے ہو؟ آپ نے فرمایا، نہیں مستعار لے رہا ہوں۔ اور واپس دینے کی ضمانت لیتا ہوں۔

وہ کہنے لگا۔ اچھا پھر کوئی ہرج نہیں۔ اس نے آپ کی خدمت میں ایک سوزہ پیش کیا اور ساتھ ہی بقدر کفایت، ہتھیار بھی مہیا کیے۔ نیز خیال ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سواریوں کے متعلق بھی فرمایا۔ اس کی تعمیل بھی کی۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نکلے۔ آپ کے ہمراہ اہل مکہ کے دو ہزار اور مدینہ سے آنے والے دس ہزار مسلمان تھے جن کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرایا۔ مسلمانوں کی کل تعداد بارہ ہزار ہو گئی۔ آپ نے عتاب بن اسود کو مکہ پر سردار بنا دیا۔ پھر ہوازن سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ سے انہیں عبدالرحمن بن جابر سے انھیں اپنے والد جابر بن عبد اللہ سے روایت ملی کہ فرمایا کہ جب ہم وادی حنین میں آئے تو ہم حطوط

کے درمیان ایک وادی میں اترے۔ اور ہم اتر رہے تھے کہ (دشمن) کی قوم نے وادی پر ہم سے پہلے قبضہ کر لیا تھا۔ چنانچہ وہ لوگ غاروں۔ اطراف اور تنگ مقامات پر چھپ گئے اور حملہ کرنے کے لئے بالکل تیار اور مستعد ہو گئے۔ اللہ کی قسم ہمیں خیال بھی نہ تھا کہ ہم چار طرف سے فوج میں گھر گئے ہیں۔ انہوں نے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا۔ اور ہم لوگ واپس بھاگ کھڑے ہوئے کوئی ایک دوسرے کی طرف نہ جاتا۔

بھاگنے والوں کو رسول کا بلاوا | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں جانب ہٹ گئے۔ پھر آپ نے فرمایا، اے لوگو! کہاں

جا رہے ہو؟ میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔ اور حالت یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہاجرین اور اہل بیت میں سے چند آدمی باقی رہ گئے تھے۔ مہاجرین میں سے آپ کے ساتھ جو رہ گیا۔ ان میں سے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ تھے۔ اور اہل بیت میں سے حضرت علیؓ۔ عباسؓ۔ ابوسفیانؓ بن حرث۔ ان کا بیٹا فضل بن عباس ربیعہ بن حرث۔ اسامہ بن زید اور امین بن امیہ تھے۔ یہ موخر الذکر اسی دن شہید ہو گئے تھے۔ راوی نے بتایا کہ ہوازن میں سے اس روز ایک آدمی جو بنو ہوازن کے آگے آگے ایک سرخ اونٹ پر سوار تھا اور اس کے ہاتھ میں سیاہ جھنڈا تھا اور ایک لمبائیہ اس کے سر سے (اوپر نکل) رہا تھا اور ہوازن اس کے پیچھے پیچھے آرہے تھے۔ جب اسے نیزہ لگا اور لوگوں نے اسے نہ پایا، تو اس کے پیچھے والے نے نیزہ اٹھا لیا۔ وہ اس کے پیچھے لگ گئے۔ اسی حالت میں حضرت علیؓ بن ابی طالب اور ایک انصاریؓ نے اس پر حملہ کر دیا اور کام تمام کر دیا۔

ایک دشمن رسول کی کہانی | اور بتایا، اللہ کی قسم ان کی شکست کے بعد لوگوں کی ابھی واپسی بھی مکمل نہ ہوئی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کے گرفتار شدگان موجود تھے۔ ابن سعد نے شبیہ

بن عثمان حجی سے نقل کیا کہ فتح کے سال جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو میں بھی قریش کے ہمراہ حنین میں بنو ہوازن کے مقابلہ میں گیا اس خیال سے کہ شاید مجھے کوئی موقع مل جائے اور میں محمدؐ سے کچھ بدلہ لے سکوں، بلکہ تمام قریش کی جانب سے میں ہی بدلہ لے لوں۔ اور میں کہہ رہا تھا کہ (نعوذ باللہ) اگر تمام عرب اور عجم نے بھی محمدؐ کی بیعت کر لی تو بھی میں اس کا اتباع نہ کروں گا۔

اور جب میں نکلا تو میرا یہ ارادہ پختہ تر ہی ہو رہا تھا چنانچہ جب (میدان حرب) میں لوگوں کا اختلاط ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر سے نیچے اتر آئے۔ میں نے تلوار سونتی اور آپؐ کے قریب ہو گیا۔ اور میں نے جو ارادہ کرنا تھا کر لیا۔ میں نے تلوار اٹھا بھی لی تھی اور میں سمجھ رہا تھا کہ اب یہ خاص انہیں پہ جا رہی ہے کہ اچانک آگ کا ایک شعلہ میرے سامنے بلند ہوا جیسے بجلی ہو اور وہ مجھے بھسم کر کے رکھ دینا چاہتا ہو۔ میں نے ڈر کر اپنا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توجہ کی۔ آپؐ نے مجھے آواز دی اے شیب! میرے نزدیک ہو۔ میں آپؐ کے قریب ہو گیا۔ آپؐ نے میرے سینہ پر (ہاتھ) پھیرا اور دعا فرمائی، اے اللہ! اسے شیطان سے بچا (شیب) کہتا ہے کہ اس وقت آپؐ مجھے اپنے کان بصارت اور جان سے زیادہ محبوب بن چکے تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے (برا خیال) دور کر دیا۔

جان کے دشمن سے آپؐ کا خطاب | پھر آپؐ نے فرمایا، قریب ہو جا اور جہاد کر۔ پھر میں آپؐ سے آگے آگے بڑھا اور تلوار

مارنے لگا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ میں چاہتا تھا کہ میں آپؐ کو اپنی ہر چیز کے عوض میں بچا کر رکھوں۔ اور اس وقت اگر میں اپنے باپ کو مقابلے پر دیکھتا اگر وہ زندہ ہوتا تو اس پر بھی تلوار چلا دیتا۔ چنانچہ میں آپؐ کے ہمراہ رہنے والوں کے ساتھ ہی رہا۔ یہاں تک کہ مسلمان واپس ہوئے اور لوٹ کر دو بارہ فرد واحد جیسے اتحاد کے ساتھ حملہ کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خچر پیش کیا گیا۔ آخر کار آپ اپنے خاص لشکر میں تشریف لائے اور اپنے خیمے میں داخل ہو گئے۔ میں بھی آپ کے بعد داخل ہو گیا اور میرے سوا کوئی داخل نہ ہوا۔ میں آپ کے چہرہ انور کی زیارت کرنے اور شدت فرحت کے باعث اندر گیا۔

آپ نے فرمایا، اے شیب اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اس سے بہتر ارادہ فرمایا، جو تو نے اپنے لئے ارادہ کیا، پھر آپ نے مجھے میرے تمام مضمرا ارادے بتا دیئے۔ میں نے عرض کیا، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا، میرے لئے بخشش کی دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے زہری نے بتایا انھیں کثیر بن عباس سے انھیں اپنے والد عباس بن عبدالمطلب سے روایت ملی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ اور آپ کے سفید خچر کی لگام تھامے ہوئے تھا، اور میں ایک موٹا جسم اور بلند آواز والا آدمی تھا۔

(حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا جب آپ نے لوگوں کو بھاگتے، دیکھا، اے لوگو، کہاں جاتے ہو؟ (حضرت عباسؓ) بتاتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ لوگ کسی چیز کی طرف دھیان نہیں دے رہے۔

آپ نے فرمایا: اے عباس زور سے آواز دو، اے انصار کی جماعت، اے اصحاب سمرہ چنانچہ اس پر سب نے لبیک لبیک (میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں) کی صورت میں جواب دیا۔ جب ایک سو آدمی جمع ہو گئے تو انہوں نے دشمن کی طرف منہ کیا اور قتال کیا، چنانچہ پہلی آواز یہ تھی، اے انصار پھر فرمایا اے خندرج۔ اور یہ لوگ لڑائی کے موقع پر ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

اب میدان کارزار گرم ہو گیا۔

اور فرمایا:

انا النبی لا کذب ۱۰ انا ابن عبد المطلب

میں نبی ہوں یہ جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کی اولاد میں سے ہوں

آل حضرت کا ایک معجزہ صحیح مسلم میں روایت ہے کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند کنکریاں اٹھائیں، انھیں کفار کے چہروں پر مارا اور

فرمایا محمد کے پروردگار کی قسم (کفار) شکست کھا گئے۔

آپ نے یہ کنکریاں مارے ہی تھے کہ میں ان کی طرف دور تک دیکھ رہا تھا کہ (کفار) شکست کھا کر واپس بھاگنے لگے۔ روایت کا ایک لفظ یہ بھی ہے کہ آپ خچر سے اتر آئے اور زمین پر سے مٹی کی ایک مٹھی اٹھائی۔ پھر (کفار) کے چہروں پر دے ماری چنانچہ ان میں سے اللہ نے کوئی انسان بھی ایسا پیدا نہ کیا تھا کہ جس کی آنکھوں میں اس مٹھی کی مٹی نہ پڑ گئی ہو۔ چنانچہ وہ پیٹھ پھیر کر واپس بھاگ اٹھے اور مالک بن عوف بھاگ کر بنو ثقیف کے قلعہ میں قلعہ بند ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ یہ تمام چیزیں جمع کی گئیں اور جعرانہ کے مقام پر رکھ دی گئیں۔ اس دن چھ ہزار پارچے، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بھیڑ بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی مسلمانوں کے ہاتھ لگی۔

نو مسلموں کے ساتھ خاص رعایت اور سلوک پھر آپ نے مال غنیمت کو تقسیم کرنا شروع فرمایا اور عام

مسلمانوں سے قبل مونقہ القلوب کو عطا فرمایا۔ چنانچہ آپ نے ابوسفیان کو چالیس اوقیہ چاندی اور ایک سو اونٹ مرحمت فرمائے۔

(ابوسفیان) کہنے لگے، میرا بیٹا ینزد ہے، آپ نے فرمایا اسے بھی چالیس اوقیہ

چاندی اور ایک سو اونٹ دیئے۔

پھر کہنے لگا، میرا بیٹا معاویہؓ ہے۔ آپ نے فرمایا، اسے بھی چالیس اوقیہ چاندی

اور ایک سواؤنٹ دو۔

نیز آپ نے حکیم بن حزام کو ایک سواؤنٹ عطا فرمایا۔ انھوں نے دوبارہ درخواست کی۔ آپ نے ایک سوا اور عطا فرمایا۔

نیز آپ نے نضر بن حرث بن کلدہ کو ایک سواؤنٹ عطا کئے۔

نیز علاء بن حارثہ ثقفی کو پچاس اؤنٹ عطا فرمائے۔

اسی طرح راوی نے سوا اور پچاس والے اصحاب کا ذکر کیا ہے اور (بتایا) ہے کہ آپ نے عباس بن مرواس کو چالیس اؤنٹ مرحمت کئے۔ انھوں نے اس کے متعلق ایک (تعریفی) شعر عرض کر دیا۔ آپ نے سو پورے کر دیئے۔

اس کے بعد آپ نے حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ غنائم اور لوگوں کو سامنے لایا جائے۔ اس کے بعد تمام لوگوں پر وہ مال تقسیم ہوا، تو چار چار اؤنٹ اور چالیس چالیس بکریاں ہر آدمی کے حصہ میں آئیں اور جو سوار تھے انہیں بارہ اؤنٹ اور ایک سو بیس بکریاں ملیں۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا انہیں محمود بن لبید نے انہیں حضرت ابوسعید خدری سے روایت ملی۔ انہوں نے فرمایا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بڑے بڑے عطایا قریش میں اور قبائل عرب میں تقسیم فرمائے۔ اور انصار کو ان میں سے کچھ بھی نہ ملا تو انصار کے ایک قبیلہ کے دل میں کچھ خیال سا گذرا، حتیٰ کہ کثرت سے باتیں ہونے لگیں، یہاں تک کہ ایک آدمی نے یہ بھی کہہ دیا کہ:

اللہ کی قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قوم کا خیال کرتے ہیں۔

حضرت سعد بن عبادہ آپ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا اے اللہ کے رسول، انصار کا یہ قبیلہ آپ کے متعلق اپنے دل میں کچھ (غلط) باتیں سے رکھتا ہے، جب کہ آپ نے اس غنیمت کا بڑا حصہ اپنی ہی قوم میں تقسیم کیا اور آپ نے قبائل عرب کو بڑے بڑے عطایا مرحمت فرمائے ہیں۔ لیکن انصار

کے اس قبیلہ کو کچھ نہیں ملا۔

آپ نے فرمایا، اے سعد تم اس بات کے ہوتے ہوئے کہاں ہو؟ انھوں نے جواب دیا، اے اللہ کے رسول میں اپنی قوم ہی میں ہوں۔ آپ نے فرمایا، اپنی قوم کو یہاں بلا کر لاؤ۔

فرمایا کہ مہاجرین میں سے کچھ لوگ آئے۔ آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔ پھر دو برس آئے، انہیں لوٹا دیا۔ جب تمام انصار جمع ہو گئے۔ سعد آئے اور عرض کیا اے رسول اللہ، انصار کا یہ قبیلہ آپ کے حکم پر جمع ہو گیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے اللہ کی حمد و ثنا کی پھر فرمایا:

جماعت انصار سے رسول اللہ کا خطاب | اے انصار کی جماعت، مجھے تمہاری ایک بات پہنچی ہے کہ

تمہارے قلوب میں وہ چیز کھٹکتی ہے، کیا تم گمراہ نہ تھے، پھر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی اور کیا تم مفلس نہ تھے مگر اللہ نے میری وجہ سے تمہیں غنا عطا کیا؟ کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے۔ پھر اللہ نے (میری وجہ سے) تمہارے دلوں میں محبت بھر دی؟

انھوں نے جواب دیا، اللہ اور اس کے رسول کا بہت بڑا احسان اور فضل ہے

پھر فرمایا، اے انصار کی جماعت تم مجھے جواب کیوں نہیں دیتے؟

انھوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم کیا جواب دیں؟ اللہ اور اس کے

رسول کا ہی احسان اور فضل ہے۔

آپ نے فرمایا، اللہ کی قسم اگر تم چاہو تو کہہ سکتے ہو اور تم سچ کہو گے اور میں

تمہاری تصدیق کروں گا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے پاس آیا۔ جب

(قریش نے) تیری تکذیب کی تھی۔ اور ہم نے تیری تصدیق کی تو کمزور تھا۔ ہم نے

تیری مدد کی۔ تجھے وطن سے نکال دیا گیا۔ ہم نے تجھے پناہ دی تو مفلس آیا تھا ہم نے

تیری مواسات کی۔

کیا تمہارے دلوں میں دنیا کی محبت ہے؟ میں نے اس (مالِ غنیمت) سے ایک قوم کا دل رکھا ہے تاکہ وہ اسلام میں پختہ ہو جائے اور تمہیں تمہارے اسلام کے سپرد کر دیا ہے۔

اے انصار کی جماعت کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے جائیں اور تم اپنے ساتھ اللہ کے رسولؐ کو لے جاؤ؟ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے جو کچھ تم لے کر جا رہے ہو، وہ اس سے بہتر ہے کہ جسے وہ لے کر جا رہے ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں ایک آدمی ہوتا۔ اور اگر لوگ ایک علاقہ اور وادی میں چلیں اور انصار دوسرے علاقے اور وادی میں چلیں تو میں انصار کے علاقے اور ان کی وادی میں چلوں گا۔ انصار شعار (اصل) ہیں اور لوگ وثار (بڑی چادر) ہیں، اے اللہ انصارؓ پر، انصار کے بیٹوں پر اور انصار کے پوتوں پر رحم فرما۔

راوی بتاتے ہیں کہ انصار رو پڑے۔ حتیٰ کہ ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر راضی ہوئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور لوگ بھی منتشر ہو گئے۔

رضاعی بہن سے آپؐ کا حسن سلوک

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی ہمیشہ شیماء بنت حمرث بن

عبدالعزیٰ حاضر ہوئیں اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسولؐ، میں آپؐ کی رضاعی بہن ہوں۔

آپؐ نے فرمایا اس کا ثبوت؟

انہوں نے عرض کیا، میں آپؐ کو اٹھائے ہوئی تھی کہ آپؐ نے میری پیٹھی میں کٹا

تھانیہ ہے وہ نشان۔

راوی کہتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علامت سے پہچان لیا اور ان کے لیے

اپنی چادر بچھا دی اس پر بٹھایا اور آپ نے ان پر احسان فرمایا۔ آپ نے فرمایا اگر تم میرے پاس رہنا چاہو تو اکرام و احترام سے رہو گی۔ اور اگر اپنی قوم کی طرف جانا چاہو تو بھی میں عطا کروں گا۔ انھوں نے عرض کیا آپ انعام دیجئے اور مجھے اپنی قوم کی طرف لوٹا دیجئے۔ آپ نے ایسا ہی کیا۔

دشمن کے تمام جنگی قیدیوں کو آپ نے رہا کر دیا | نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بنو ہوازن کا ایک وفد آیا۔

یہ چودہ آدمی تھے۔ اور زہیر بن مردان کا سردار تھا۔ نیز ان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی چچا ابو برقان تھے۔ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے غلاموں اور اموال کی درخواست کی (نیز انہوں نے اپنے گرفتار شدگان کی واپسی کی درخواست کی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی اور تمام قیدی واپس کر دیئے۔

غزوہ حنین سے متعلق

مسائل فقہیہ اور نکتہ ہائے حکمت

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسولؐ کے ساتھ وعدہ کیا۔ اور وہ سچے وعدے والا ہے کہ جب آپؐ نے مکہ فتح کیا تو آپؐ کے دین میں لوگ گروہ درگروہ داخل ہو گئے۔ اور تمام عرب نے آپؐ کی اطاعت کرنی۔ جب یہ فتح مبین مکمل ہوئی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت سے بنو ہوازن اور ان کے اتباع کے دل اسلام لانے سے رُک گئے اور انہوں نے قوم کو جمع کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل اسلام کے خلاف جنگ پر آمادہ ہو گئے تاکہ اللہ کا امر ظاہر ہو جائے اور اس کے رسول اور اس کے دن کی عزت و حرمت ظاہر ہو جائے تاکہ ان کے غنائم اہل فتح کے لئے شکرانہ کے طور پر بن جائیں۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسولؐ اور اپنے بندوں کو غالب کر دے۔ اور اس عظیم شوکت کے باعث کہ اس سے قبل اہل اسلام کو کبھی بھی ایسی عظمت حاصل نہ ہوئی (کفار پر) غالب کر دے تاکہ اس کے بعد کوئی عرب ان کا مقابلہ کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔

اس کے علاوہ بھی کئی حکمتیں تھیں جو غور کرنے والوں کے سامنے آ سکتی ہیں۔ اور فکر کرنے والوں کو معلوم ہو سکتی ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی حکمت، بالغہ کا تقاضا یہ ہوا

کہ دشمنوں کی کثرتِ تعداد اور عظمتِ شان و شوکت کے باوجود انہیں شکست اور ہزیمت کا مزہ چکھائے تاکہ فتح کے باعث جو سراٹھے وہ جھک جائے اور اللہ کے شہر اور حرم میں اس طرح داخل نہ ہوں جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (فاتحانہ) طور پر (لیکن پھر) اپنے کو نیچے رکھے۔ گھوڑے پر اس قدر جھکے تھے کہ آپ کی ٹھوڑی پروردگار کے سامنے سجدہ اور اس کی عظمت کے سامنے انکساری اور اس کی عزت کے سامنے خضوع کرتے ہوئے کاٹھی سے لگ رہی تھی۔

اور اللہ نے اپنا شہر اور حرم اپنے نبی کے لئے حلال کیا۔ آپ کے بعد اور آپ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا۔

ایک سوال اور اس کا جواب | نیز اس میں یہ بھی حکمت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اسلام کے عساکر کو مکہ کے غنائم سے منع کر دیا انہوں نے یہاں کسی قسم کا کوئی سونا چاندی۔ مال و متاع۔ قیدی اور زمین وغیرہ حاصل نہ کی۔ جیسے ابو داؤد نے و ہب بن مبنہ سے روایت فرمایا کہ میں نے حضرت جابر سے دریا کیا۔ کیا فتح مکہ کے دن آپ لوگوں کو کچھ مال غنیمت ملا۔ وہ کہنے لگے، نہیں، بلکہ (صحابہؓ) نے اس شہر کو گھوڑوں اور سواروں سے فتح کیا تھا اور ان کی تعداد دس ہزار تھی اور انہیں ان ضروریات کی حاجت بھی تھی جو اسبابِ قوت کی طرح ایک لشکر کو درپیش ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مشرکین کے دلوں کو جنگ کی تحریک دی۔ اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ وہ اپنے اموال، چوپائے بکریاں اور ساتھ ہی عورتوں کو بھی لے کر آئیں تاکہ اللہ کے لشکر کی ضیافت اور کرامت ہو جائے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی تقدیر پوری ہو کر رہے کہ اس نے انہیں فتح عطا کی اور نصرت کے مبادی ظاہر فرمادیئے تاکہ اللہ اس کام کو پورا کر دے۔ جو ہونے والا تھا۔

عنایات رسول کا نتیجہ، قبول اسلام | اس طرح جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور اپنے اولیاء کے لئے مدد نازل فرمائی

اور غنائم بھی آگئے اور ان میں اللہ اور اس کے رسول کا حصہ جاری ہو گیا تو آپ نے فرمایا

کہ ہمیں تمہاری جانوں تمہاری عورتوں اور بچوں کی کچھ ضرورت نہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین (بنو ہوازن) کے قلوب میں توبہ اور انابت ڈال دی۔ اور وہ مسلمان بن کر حاضر ہوئے۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے حسن اسلام کی تحسین کے طور پر ہم تمہاری عورتوں بچوں اور قیدیوں (غلاموں) کو واپس کرتے ہیں اور یہ کہ اللہ نے تمہارے قلوب بہتر دیکھے تو تمہیں اس سے بہتر عطا کرے گا جو تم نے لیا تھا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

نیز اس میں یہ حکمت بھی تھی کہ اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کی دلجوئی فرمائی اور انہیں فرحت عطا فرمائی کیونکہ نصرت اور غنائم ملیں اور یہ معاملہ دوا بن گیا جب کہ (اس سے قبل) دل ٹوٹ چکے تھے۔ نیز یہ ٹھیک ٹھیک اہل مکہ کی دلجوئی اور ان پر اتمام نعمت تھا کہ بنو ہوازن کے شر سے انھیں بچا لیا کیونکہ تنہا قریش میں ان کے مقابلے کی ہمت نہ تھی بلکہ مسلمانوں کے ذریعہ ان کی نصرت فرمائی اور وہ تنہا ہوئے تو ان کا دشمن ان کا صفایا کر دیتا۔

نیز اس کے علاوہ کئی حکمتیں ہیں کہ جنہیں اللہ تبارک و تعالیٰ کے بغیر کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ نیز اس میں بعض مسائل فقہ بھی حل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ امام کو چاہیے کہ مخیر (جاسوس) بھیجے جو کہ دشمن کی فوج میں داخل ہو کر ان کی خبریں ہتیا کرے اور جب امام کو دشمن کے حملے کا ارادہ معلوم ہو اور اس کے لشکر کی جمعیت اور قوت کا پتہ چلے۔ تو وہ انتظار میں نہ بیٹھا رہے بلکہ خود چل کر مقابلہ کرے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنو ہوازن کی طرف خود تشریف لے گئے یہاں تک کہ حنین کے مقام پر مقابلہ ہوا۔

مشرکین سے مدد لینے کا جواز | نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ وہ مشرکین سے ہتھیار اور دشمن سے لڑنے کے لئے جنگی سامان حاصل کرے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے زرہیں حاصل کیں، حالانکہ وہ اس دن مشرک تھا۔

مادی اسباب کا استعمال منافی توکل نہیں | نیز اس میں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تمام مادی اسباب جو اللہ تعالیٰ نے نتائج

کے لئے تیار رکھے ہیں انہیں استعمال میں لانا یہ طریقہ توکل کا نتیجہ ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب توکل کے لحاظ کا حل تھے۔ لیکن پھر بھی وہ جب دشمن کے مقابلہ میں آئے تو کئی انواع کے ہتھیاروں سے اپنا تحفظ کرتے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے تو آپ کے سر پر خود تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت بھی نازل فرمادی تھی وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی اور اللہ تعالیٰ تجھ کو لوگوں سے بچائے گا۔

ابو القاسم نے ابن عساکر میں ایک روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہودی عورت کے واقعہ کے بعد جب اس نے ایک زہر آمیز بکری پیش کی تھی (اس کے بعد) آپ کو کوئی آدمی کھانا پیش کرتا تو آپ اسے تب تک نہ کھاتے جب تک کہ پیش کرنے والا اس میں سے خود (کچھ نہ کچھ) کھانہ لیتا۔ علمائے کرام بتاتے ہیں کہ اس میں بادشاہوں کے لئے اسوہ ہے۔

نیز اللہ تبارک و تعالیٰ نے بتا دیا کہ وہ اپنا دین تمام ادیان پر غالب کر دے گا۔ اور اسے بلندی اور رخصت عطا کرے گا۔ یہ وعدہ اللہ کے امیر قتال اور قوت عسکری اور گھوڑے تیار کرنے کے حکم کے خلاف نہیں اور اس بات کے منافی بھی نہیں کہ جو اس نے دشمن سے بچاؤ اور تحفظ اور ہر قسم کی جنگ اور تور یہ سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا ہے۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندگی کی ضمانت دی یہاں تک کہ آپ پیغام رسالت پہنچادیں اور اپنے دین کو غالب کر دے۔ چنانچہ آپ خور و نوش، لباس اور جائے سکونت کے لحاظ سے تمام اسباب زندگی حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں۔

اور یہ وہ مقام ہے کہ جہاں اکثر لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے حتیٰ کہ بعض نے دعا کرنا بھی ترک کر دی۔ اور یہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں، کیونکہ اگر مطلوب ان کے

مقدر میں لکھا ہے تو پھر ضرور مل کر رہے گا۔ اور اگر مقدر میں نہیں ہے تو بالکل نہ ملے گا۔ اس لئے دعا میں مصروف رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے؟

ایسے خطبہ لکھا اس آدمی کی مثال اس طرح ہے کہ وہ یوں کہے اگر اللہ تعالیٰ نے شکم سیر ہونا میرے مقدر میں لکھا ہے تو شکم سیر ہو کر رہوں گا۔ چاہے میں کھاؤں یا نہ کھاؤں اور اگر شکم سیر ہونا میرے مقدر میں نہیں ہے تو چاہے کھاؤں یا نہ کھاؤں ہرگز شکم سیر نہ ہوں گا۔ اس لئے کھانے کا فائدہ ہی کیا ہے اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی حکمت اور شریعت انتظامیہ کے منافی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے توفیق ہے۔

مستعار اسلحہ لیتے وقت شرط ضمان | نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان سے اسلحہ

مستعار لیتے وقت ضمان کی شرط لگادی، بلکہ ضمانت پر اسلحہ مستعار لئے کیا شریعت میں مستعار لینے کے متعلق یہ ایک باقاعدہ مسئلہ کی بنیاد تھی اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کی آپ نے وضاحت فرمائی؟ کہ اس کا حکم ضمان کا ہے جیسے غصب شدہ کی ضمان پڑتی ہے یا بعینہ اس اسلحہ کی واپسی کی ضمانت تھی اور اس کا مطلب یہ تھا کہ میں انہیں واپس کرنے کا ذمہ لیتا ہوں۔ اور یہ ضائع نہ ہوں گے بلکہ میں اسی حالت میں انہیں واپس کروں گا۔

فقہاء کا اختلاف اور اقوال متعدد | اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعی اور احمد پہلے قول پر ہیں کہ ضائع ہونے پر

ضمان لازم ہوگا اور ابوحنیفہ اور مالک دوسرے قول پر ہیں یعنی واپس کرنے کی ضمانت ہوگی۔ البتہ مالک کے مذہب میں اس کی مزید وضاحت ہے وہ یہ کہ اگر وہ چیز ایسی ہے جو غائب نہیں ہو سکتی۔ جیسے کہ حیوان اور زمین ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم نہ ہوگی، جب تک کہ اس کا کذب واضح نہ ہو جائے۔ اور اگر غائب ہونے والی اشیاء میں سے ہے جیسے کہ زیورات وغیرہ تو ان کے تلف ہونے پر ضمان لازم ہوگی جب تک کہ شہادت پیش نہ کر دے جو اس کے تلف ہونے کی گواہی دے۔ اس

مسک کا راز یہ ہے کہ مستعار چیز ایک قسم کی غیر مضمون امانت ہے جیسا کہ ابو حنیفہ نے کہا ہے لیکن (امام مذکورہ) ظاہر نص کے خلاف قبول نہیں کرتے۔ اس وجہ سے انھوں نے غائب ہو سکتے اور غائب نہ ہو سکنے کا فرق کیا ہے۔

اور اگر کہا جائے کہ اس قصہ میں ذکر ہے کہ بعض زرہیں جو کم ہوئیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ضامن بننے کی پیشکش کی تو انھوں نے عرض کیا۔ آج میں اسلام کو پسند کر چکا ہوں۔ کہا گیا ہے کہ کیا آپ نے اس کے سامنے ایک امر واجب کی (ادا ینگہ کا) معاملہ پیش فرمایا، یا یہ فقط استحباب کا معاملہ تھا جو کہ ایک مستحسن فعل تھا اور جسے اخلاق حسنہ اور محاسن شریعت کا حصہ کہا جاسکتا ہے؟

بعض لوگ دوسری بات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایک آپ نے ضمان کی پیشکش فرمائی اور اگر ضمان واجب نہ ہوتی تو آپ اس طرح پیشکش نہ فرماتے بلکہ آپ اسے ویسے ہی ادا فرماتے اور فرماتے کہ یہ تیرا حق ہے۔ جیسے گم ہونے والی بعینہ موجود ہو۔ یعنی کہ آپ اسے واپس کرنے کی پیشکش نہ کرتے اس پر غور کیجیے۔

میدان جنگ میں دشمن کی سواری زخمی کی جاسکتی ہے | نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دشمن کے

گھوڑے اور سواری کو زخمی کرنا جائز ہے جب کہ اس سے اس کے قتل پر مدد مل سکتی ہو۔ جیسے حضرت علیؑ نے کفار کے علی بردار کا اونٹ زخمی کر دیا اور حیوان کو اس قسم کی ایذا وہی ممنوع نہیں۔

قتل کا ارادہ کرنے والے کو معافی | نیز اس میں سے یہ بھی مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو معاف فرما دیا جس نے آپ کو قتل

کرنے کا ارادہ کیا، بلکہ اس کو دعا بھی دی اور اس کے سینہ پر ہاتھ پھیرا، پھر وہ سچا مسلمان بن گیا

معجزات نبوی اور علامات رسالت | نیز اس غزوہ میں معجزات نبوت اور علامات رسالت بھی کثرت سے ظاہر ہوئیں اور نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کے عزم و استقلال کا پتہ چلا جب کہ لوگ واپس ہونے لگے تو آپ فرما رہے تھے

انا للنبی لا کذب ۲۰ انا ابن عبد المطلب
میں نبی ہوں، جھوٹ نہیں میں عبد المطلب کی اور سے ہوں

جب کہ مشرکین کے دستوں نے آپؐ کا مقابلہ کیا۔

اسی قبیل سے وہ معجزہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی پھینکی ہوئی ایک مٹھی مٹی کو دور ہونے کے باوجود کفار کی آنکھوں میں پہنچا دیا۔ یہاں تک کہ دشمن کی آنکھیں بھر گئیں۔ اس کے علاوہ ملائکہ کا اتر کر قتال میں شریک ہونا بھی ایک معجزہ تھا اور کفار اور مسلمانوں نے بھی کھل کر انہیں دیکھا۔

امام کے اختیارات خاصہ نیز ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کو اختیار حاصل ہے کہ کفار کے اسلام لانے کا انتظار کر کے غنائم تقسیم کرے اور اگر وہ لوگ اسلام اور اللہ کی اطاعت کو قبول کر لیں تو ان کے غنائم اور گرفتار شدگان کو واپس کر دے۔ اسی دلیل سے (یہ مسئلہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ تقسیم کے بعد غنیمت کی (انفرادی) ملکیت ہو سکتی ہے محض قابض ہونے سے (کوئی مالک نہیں بن سکتا) اور اگر مسلمان محض غلبہ اور استیلاء سے مالک ہو گئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو نرمی سے واپس کرنے کا حکم نہ فرماتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر تقسیم سے قبل کوئی مسلمان (غنائم) فوت ہو جائے تو اس کا حصہ وارثوں کی بجائے باقی مسلمانوں پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ اگر استیلاء سے قبل کوئی فوت ہو جائے تو اس کے وارثوں کا کوئی حق نہیں۔ اور اگر تقسیم کے بعد فوت ہو تو اس کے وارثوں کا حصہ ہوگا۔

عطائے رسول کی حیثیت اور نوعیت اور یہ عطاء عمومی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش پر فرمائی اور اس کے ذریعے

ان کی تالیف قلوب فرمائی، کیا یہ غنیمت میں سے تھی یا خمس سے خمس میں سے؟ امام شافعیؒ اور مالکؒ فرماتے ہیں کہ یہ خمس کے خمس میں سے تھا اور یہ خود نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذاتی حصہ تھا جسے آپؐ کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے۔ اور یہ

عام حال غنائم کے علاوہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عطایا دیتے وقت کسی سے اذان حاصل نہیں کیا۔ اور اگر یہ عطایا مالِ غنیمت میں سے ہوتے تو آپ اس کی اجازت لیتے کیونکہ عام مسلمان استیلاء اور قبضہ کے بعد اس مال کے مالک ہو چکے تھے۔

انفال اللہ اور رسول کے لئے ہیں | نیز یہ بھی معلوم ہے تمام انفال اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہیں۔ رسول انہیں

وہاں تقسیم کرتا ہے جہاں اس نے حکم دیا۔ وہ کسی بات میں تعدی نہیں کرتا۔ اگر آپ تمام غنائم کو بھی اسلام کی مصلحتِ عمومی کی خاطر (تالیفِ قلوب وغیرہ) میں صرف فرمادیتے تو بھی یہ فعل حکمتِ مصلحت اور عدل سے خالی نہ ہوتا اور جب ذی الصولعیرہ تمیمی کی آنکھوں سے یہ مصلحت و حکمت اوجھل ہو گئی تو اعتراض کرنے والے نے کہہ دیا، عدل کرو۔ کیونکہ تم نے عدل نہیں کیا۔

اور (ان کے مقابلہ) میں اس قول (انصار) پر اپنی مکمل نعمت نازل فرمائی اور یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر اپنے وطن میں واپس ہو گئے اور آپ ان کی قیادت فرما رہے تھے اور جو لوگ اس نعمتِ کبریٰ کی قدر نہیں پہچانتے تھے۔ وہ بکریوں اور اونٹوں پر راضی ہو گئے جیسے طفل نادان کہ اسے جو کچھ دیا جاتا ہے اس کی عقل اور سمجھ کے مطابق دیا جاتا ہے اور عقل مند اور صاحبِ خرد کو اس کی سمجھ بوجھ کے مطابق ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے دباؤ میں نہیں ہے کہ وہ اپنی فہم کے مطابق اس پر جبر کر سکیں اور اسے نیز اس کے رسول کو نفاذِ امر سے محروم رکھیں

ایک فقہی مسئلہ | نیز یہ بات بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کا ہوازن کے غلام آزاد، کہنے کا جی نہ چاہے (اگر وہ بھی آزاد

کر دے) تو اسے ہر ایک فریضہ کے بدلے چھ حصص اس فتنی سے ملیں گے جو اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرمائے گا۔ اس سے یہ بھی جواز نکلتا ہے کہ غلام بلکہ چوپائے کے بعض کو بعض کے ساتھ ادھار یا متفاضل فروخت کیا جاسکتا ہے۔

سنن میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر تیار کرنے کا حکم دیا۔ اونٹ کم ہو گئے۔ آپ نے خلاص (اونٹوں) پر زائد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ ایک کے بدلے دو دو اونٹ لیتے رہے اور سنن میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے ایک حیوان کے عوض نہایت بیع کو منع فرمایا ہے، ترمذیؒ نے حضرت حسن سے انہوں نے سمرقند سے روایت کیا ہے اور صحیح بتایا ہے۔

نیز ترمذیؒ نے حجاج بن ارطاة کی حدیث حضرت ابوالنضر سے انہوں نے حضرت جابرؓ سے نقل کی ہے۔ انہوں نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک کے بدلے دو حیوان ہوتے ہوں تو نسبتاً درست نہیں اور نقد میں کوئی ہرج نہیں ترمذیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

ان احادیث کی بنا پر لوگوں میں اختلاف رونما ہوا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں چار اقوال منقول ہیں۔

ایک تو یہ کہ یہ متفاضل، مساوی، نہایت (ادھار) اور نقد ہر طرح جائز ہے یہ ابوحنیفہؒ اور شافعیؒ کا مذہب ہے۔

۲۔ اور دوسرے نہایت (ادھار) اور متفاضل صورت میں جائز نہیں۔

۳۔ تیسرا قول یہ ہے کہ عورتوں اور تفاضل کے جمع ہونے کی صورت میں حرام ہے۔ اور صرف ایک صورت واقع ہونے پر جائز ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔

۴۔ چوتھے یہ کہ اگر جنس ایک ہو تو تفاضل جائز ہے۔ اور نہایت حرام ہے۔ اور اگر جنس میں اختلاف ہو تو تفاضل اور نہایت دونوں جائز ہیں۔

اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ یہ معاملہ جہاد اور مسلمانوں کی سخت ضرورت کے مواقع پر پیش آیا، جب کہ لشکر تیار ہی کہ رہا تھا اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ لشکر کی تیاری حیوان کے حیوان کو ادھار بیچنے کے شر سے بڑا شر تھا اور امور شریعت راجح امور کی وجہ سے معطل نہیں ہوتے۔ اس کی مثال جنگ کے موقع پر ریشمی لباس

پہننے اور فخریہ اکڑ کر چلنے میں ملتی ہے کیونکہ اس وقت یہ مصلحت مروج ہے۔
 متعاقدین غیر معین مدت کے لیے معاہدہ کر سکتے ہیں | اس واقعہ سے اس بات
 کی دلیل بھی ملتی ہے کہ

جب متعاقدین عقد کرنے والے دونوں فریق کے درمیان غیر محدود مدت موثر کی
 جائے تو بھی جائز ہے اگر وہ دونوں راضی اور متفق ہوں۔

امام احمد نے آپ کی روایت سے اس کے جو انہ پر نص فرمائی ہے کہ غیر محدود
 مدت مقرر کرنا جائز ہے۔ جب تک کہ وہ دونوں اسے ختم نہ کر دیں۔ اور یہی راجح ہے
 کیونکہ یہاں اس کے مقابلہ میں کوئی محذور یا عذر نہیں اور عذر کے طور پر دونوں نے
 رضا و بصیرت سے اسے تسلیم کیا ہے، اس لیے علم میں دونوں برابر ہیں، اور کسی کو دوسرے
 پر تفوق حاصل نہیں اس لیے یہ ظلم نہ ہوگا۔

جنگ میں مقتول کافر کا مال مسلمان قاتل کی ملکیت ہے | نیز اس غزوہ میں آپ
 نے فرمایا: جس نے

کسی کافر کو قتل کیا ہو تو اس کا لٹا ہوا سامان (سلب) اس کا ہوگا بشرطیکہ اس کا کوئی گواہ
 بھی ہو۔ اور دوسرے غزوہ میں آپ نے فرمایا تھا کہ ”اس سے قبل اس پر فقہا کا اس
 باب میں اختلاف ہو گیا کہ یہ شرعاً سلب کا مستحق ہے یا شرط کے بعد مستحق ہوگا؟
 اس کے متعلق وہ قول ہیں جو احمد سے دو روایات میں ہیں۔

۱۔ ایک یہ کہ وہ سلب کا مستحق شرعاً ہے چاہے امام اس کے لیے شرط لگائے یا
 نہ لگائے۔ امام شافعی کا بھی یہی قول ہے۔

۲۔ اور دوسرا یہ ہے کہ امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں، یہ ابوحنیفہ کا قول ہے۔
 امام مالک فرماتے ہیں کہ قتال کے بعد امام کی شرط کے بغیر مستحق نہیں ہوگا اور اگر
 اس سے قبل ہی نص کر دے تو جائز نہیں۔ مالک فرماتے ہیں کہ مجھے حنین کے دن کے
 سوا کوئی روایت نہیں پہنچی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہوا و نبی اکرم
 صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی لڑائی ختم ہونے کے بعد صدقات فرمائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حیثیتیں، منصب رسالت | اس نزع کا اصل
ماخذ یہ اصول ہے

کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امام بھی ہیں، حاکم اور مفتی بھی، اور رسول بھی ہیں، کبھی تو آپ
منصب رسالت سے حکم فرماتے ہیں۔ یہ حصہ قیامت تک شریعت عام بن جاتا ہے
جیسے کہ آپ کا فرمان۔

”جس نے ہمارے اس امر (دین) میں کوئی نئی بات پیدا کی جو اس سے نہیں ہے تو وہ

مردود ہے۔“

رسول مفتی کی حیثیت سے | اور کبھی آپ مفتی کی حیثیت سے علم فرماتے ہیں، جیسے
آپ نے ابوسفیانؓ کی بیوی ہند بنت عقبہ کو، جب

اس نے اپنے شوہر کے بخل کی شکایت کی تو بقدر کفایت خرچ نہ دینے پر فرمایا۔

معروف طریقے پر اس قدر لے لے جتنا تجھے اور تیرے لڑکے کے کفایت کر سکے
یہ فتویٰ ہے حکم نہیں، کیونکہ آپ نے ابوسفیانؓ کو بلا کر ان سے جواب دعویٰ نہیں
سنا۔ نہ ہند سے شہادت طلب فرمائی۔

رسول امام کی حیثیت سے | اور کبھی آپ منصب امامت کی رو سے حکم فرماتے۔
اور یہ حکم اس وقت اور اس جگہ اور اس حالت

میں امت کے لئے ایک مصلحت بن جاتا۔ اس لئے آپ کے بعد ائمہ مسلمین کو چاہئے
کہ وہ بھی وقت جگہ اور حالات کے اعتبار سے مصالح عمومی کا خیال رکھیں جو آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت طیبہ ہے۔

ائمہ کا اختلاف فکر و نظر | یہ مقام ایسا ہے کہ جہاں ائمہ کرام پیشتر مقامات پر اختلاف
کر جاتے ہیں۔ جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

کہ ”جس نے کوئی (کافر) قتل کیا تو مقتول کا سلب (قاتل) کو ملے گا“ سوال یہ ہے کہ
کیا آپ نے یہ کلام منصب امامت سے فرمایا تاکہ یہ حکم ائمہ سے متعلق ہو جائے۔ یا
منصب رسالت و نبوت سے فرمایا تاکہ شریعت عام بن جائے۔ اس طرح آپ کا فرمان

کہ جس نے بنجر زمین کو آباد کیا، وہ اسی کی ملکیت ہے، تو کیا یہ آدمی کے لئے عام قانون شریعت ہے، چاہے امام اجازت دے یا نہ دے، یا یہ قانون ائمہ مسلمین کی اجازت سے مشروط ہوگا؟ اور امام کی اجازت کے بغیر اس زمین کو آباد کرنے کی اجازت نہ ہوگی؟ اس میں دو قول ہیں،

- ۱۔ پہلا امام شافعیؒ اور احمدؒ کا ہے جو ان کے ظاہر مذہب سے معلوم ہوتا ہے۔
 - ۲۔ اور دوسرا ابو حنیفہؒ کا ہے اور مالکؒ نے بڑے بڑے صحراؤں اور ایسی جگہوں میں فرق کیا ہے جہاں لوگ محنت نہیں کرتے اور جہاں مخصوص طور پر محنت کرنا پڑتی ہے دوسری صورت میں امام کے اذن کا اعتبار ہوگا اور پہلی ہی اجازت کی ضرورت نہیں۔
- گواہ اور بیئہ کا مسئلہ | آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان (کہ قاتل کے پاس کوئی گواہ (بیئہ) بھی ہو، اس سے دو مسئلے نکلتے ہیں؛

۱۔ ایک یہ کہ اس نے کافر کو قتل کیا ہے، اور صرف اسی بات کو استحقاق سلب کے لیے قبول نہیں کیا جاتا۔

۲۔ دوسرے اس دعویٰ میں یمین کے بغیر ایک ہی شاہد کافی ہے؟ صحیح روایت میں حضرت ابن قتادہؓ سے ثابت ہے، انھوں نے بتایا کہ ہم حنین کے سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نکلے۔ جب ہم دشمن سے ملے تو مسلمان ہٹ ہٹ کر حملے کرتے تھے۔ میں نے مشرکین میں سے ایک آدمی کو دیکھا جو ایک مسلمان کے اوپر چڑھا بیٹھا تھا۔ میں پھر کہ اس کی طرف پھپھے کی جانب سے آیا اور میں نے اس کے کاندرھے کے جوڑے پر (تلوار) ماری، وہ میری طرف پلٹا اور بری طرح چمٹ گیا، یہاں تک کہ مجھے موت آتی محسوس ہوئی، پھر وہ مر گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اس کے بعد میں حضرت عمر بن خطاب سے جا ملا۔ انھوں نے کہا لوگوں کو کیا ہوا ہے؟

میں نے کہا، اللہ کا امر ہے۔

پھر لوگ واپس چلے گئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ گئے اور فرمایا، جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس کوئی بیینہ ہو، تو اس کے سلب کا وہ مستحق ہوگا۔

راوی فرماتے ہیں کہ میں کھڑا ہوا اور کہا، میری گواہی کون دے گا؟ آپ نے تین بار یہ فرمایا اور میں اٹھتا رہا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابو قتادہ کیا بات ہے؟ میں نے تمام واقعہ عرض کیا۔ اس پر ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول اس نے سچ کہا اور اس مقتول کا سلب میرے پاس ہے۔ اس لئے اسے اس کا حق دے دیجئے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یہ اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لڑتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا سلب ملے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس نے سچ کہا، اسے دے دو۔ چنانچہ آپ نے مجھے (اس کا سلب عطا فرمایا۔ میں نے زرہ بیچ دی اور میں نے بنو سلمہ سے ایک زنبیل خرید لی۔ یہ پہلا مال تھا جو مجھے اسلام میں حاصل ہوا۔

اس مسئلہ میں تین اقوال ہیں، جن میں سے ایک ہے، اور یہ مذہب احمد کے مطابق ہے۔ دوسرا یہ کہ شاہد اور عین دونوں ضروری ہیں، جیسے احمد کی روایات میں سے ایک روایت منقول ہے۔

تیسرا امام احمد کا منصوص ہے کہ دو گواہ ضروری ہیں۔ کیونکہ یہ قتل کا دعویٰ ہے جو دو گواہوں کے بغیر قبول نہیں ہو سکتا۔

اس واقعہ میں ایک اور مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، وہ یہ کہ شہادت میں یہ لفظ کہ ”میں گواہی دیتا ہوں“ کا استعمال ضروری نہیں اور امام احمد سے یہ صحیح ترین روایت ہے اگرچہ ان کے اصحاب کے خیال میں جو ان مذکورہ الفاظ کا زبان سے ادا کرنا لازمی ہے اور یہی (مؤخر کلام) امام مالک کا مذہب ہے۔ صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم سے لفظ شہادت کی شرط معروف نہیں۔

سلب کا خمس نکالنا ضروری نہیں | اور آپ کا فرمان کہ مقتول کا سلب قاتل کا ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ سلب

کا خمس نکالے بغیر مالک تھا اور سلمہ بن اکوع کے معاملہ میں آپ نے صراحت بھی فرمادی، کہ جس نے کسی (کافر) کو قتل کیا تو تمام سلب (قاتل) کی ملکیت ہے۔

اس مسئلہ میں بھی تین مذاہب ہیں، ایک کا ذکر ہو چکا۔

دوسرا یہ ہے کہ غنیمت کی طرح اس کا خمس لیا جائے گا۔ یہ امام اوزاعی اور اہل شام کا قول ہے، اور آیت غنیمت میں داخل ہونے کے سبب سے ابن عباس کا بھی یہی مذہب ہے۔

تیسرا یہ ہے کہ اگر امام کثرت مال دیکھے تو خمس لے لے اور اگر کم سمجھے تو خمس نہ لے۔ یہ اسحاق کا قول ہے۔

حضرت عمر کا ذاتی اجتہاد واجب العمل نہیں | اور عمر بن خطاب کے فعل سے ثابت ہے۔ سعید نے اپنی سنن

میں ابن سیرین سے نقل کیا کہ حضرت براء بن مالک نے بحرین میں مزربان کا مقابلہ کیا اور اسے نیزہ مارا اور اس کی پٹھی توڑ دی۔ پھر اس کے گنگن اور اس کا سلب لے لیا جب حضرت عمر نے ظہر کی نماز ادا کی تو حضرت براء کے گھر میں تشریف لائے اور فرمایا۔ ہم سلب کا خمس نہیں لیا کرتے تھے، لیکن براء نے سلب حاصل کیا، جس کی مالیت بہت زیادہ ہے اور میں اس کا خمس لوں گا، اس طرح اسلام میں یہ پہلا خمس تھا جو حضرت براء کے سلب سے لیا گیا اور یہ تیس ہزار تک پہنچ گیا لیکن پہلی صورت زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلب کا خمس نہیں لیا اور فرمایا کہ یہ تمام کا تمام اسی کا ہے اور اسی پر آپ اور آپ کے بعد حضرت صدیق کا بند رہا ہے۔ اور حضرت عمر نے جو کچھ کیا یہ ان کا ذاتی اجتہاد اور رائے تھی۔

خمیس غنیمت میں سے ہے اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ (خمیس) غنیمت میں سے ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے قاتل کو ادا فرمایا، اور اس کی قیمت اور قدر کی طرف توجہ نہ کی نیز خمیس سے خمیس نکالنے کا اعتبار نہیں کیا، مانگتے فرماتے ہیں کہ وہ تو خمیس کا خمیس تھا۔

قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ قاتل مقتول کے تمام سلب کا مستحق ہے اگرچہ یہ مال بہت زیادہ مقدار میں ہو۔ اور ابو داؤد نے نقل کیا ہے کہ ابو طلحہ نے حنین کے دن بیس آدمیوں کو قتل کیا، چنانچہ ان تمام کے سلب انھوں نے لیے۔

غزوة طائف

اہل طائف کے لئے ہدایت اور قبولِ اسلام کی دعا

طائف کا محاصرہ | یہ غزوة شوال ۳۱ھ میں ہوئی، ابن سعد کہتے ہیں کہ رواۃ کا بیان ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کی طرف کوچ کا ارادہ فرمایا تو طفیل بن عمرو کو ذی الکفین کی طرف بھیجا۔ عمرو بن حنمہ ووسی کا بت تھا۔ تاکہ اسے توڑ دے اور آپ نے اسے طائف میں ملنے اور اپنی قوم سے مدد لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ تیزی سے نکلا اور ذی الکفین کو توڑ کر تہس نہس کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس کی قوم کے چار سو افراد چل پڑے، چنانچہ طائف میں تشریف آوری کے چار دن بعد یہ لوگ بھی حاضر ہو گئے اور وہاں باہر اور منجینق ساتھ لے آئے۔

ادھر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین سے طائف جانے کا ارادہ فرمایا تو خالد بن ولید سامنے آئے اور بنو ثقیف نے اپنے قلعے کا ارادہ کر لیا اور اس میں اس قدر تروریاتِ زندگی جمع کر لئے جو انہیں ایک سال تک کے لئے کافی تھے جب یہ لوگ اوطاس سے شکست کھا کر بھاگے تو اپنے قلعے میں پناہ گزین ہو گئے اور دوازے بند کر دیئے اور جنگ کے لئے تیار ہو گئے۔

اہل طائف کی طرف سے شدید مزاحمت | اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی چل پڑے۔ چنانچہ آپ

طائف کے قریب اترے اور وہاں آپ کا لشکر بھی تھا۔ چنانچہ (اہل طائف) نے بڑی شدت کے ساتھ تیر برسائے جیسے مکڑی آ رہی ہو۔ یہاں تک کہ بعض مسلمانوں کو زخم آئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے اٹھ کر اس جگہ آگئے جہاں آجکل طائف کی مسجد ہے۔ آپ کے ہمراہ آپ کی ازواجِ مطہرات حضرت ام سلمہؓ اور زینب بھی تھیں، ان کے لئے دو خیمے لگا دیے گئے اور طائف کے محاصرے کے دوران آپ ان دو خیموں کے درمیان نماز پڑھتے رہے۔ آپ نے اٹھارہ روز محاصرہ جاری رکھا۔

ابن اسحاق فرماتے ہیں بیس سے زیادہ دن محاصرہ جاری رہا اور آپ نے منجیق گاڑ دی۔ اور یہ اسلام میں پہلا ہتھیار تھا۔ جس کے ذریعے (قلعہ توڑنے کے لئے پتھر) برسائے گئے۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں جس دن دیوار کے پاس ایک سوراخ سا ہو گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ صحابہ دبابہ کے نیچے چلے گئے۔ اور اس کے ذریعہ دیوار طائف میں داخل ہوئے تاکہ اسے جلا دیں۔ بنو ثقیف نے ان پر تیر برسائے، جس کی وجہ سے بعض صحابہ شہید ہو گئے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثقیف کے اعصاب کاٹ دینے کا حکم فرمایا، چنانچہ لوگ اسی میں مصروف ہو گئے۔

رسول اللہ کی طرف سے منادی | ابن سعد بتاتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ انہیں اللہ اور قرابت سے بلائیں؛

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! میں انہیں اللہ اور رحم (قرابت سے بلاتا ہوں) چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منادی نے ندا دی کہ جو آدمی قلعے سے اتر کر ہماری طرف آجائے گا، وہ آزاد ہے اس پر دس اور کچھ آدمی حاضر ہوئے جن میں ابو بکر بھی تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آزاد کر دیا اور ہر آدمی اہل اسلام کے ایک ایک فرد کو دیا تاکہ ہر ایک دوسرے کی کفالت کرے۔ اس بات سے اہل طائف کو سخت مدغم ہوا لیکن اس کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ

وسلم کو فتح طائف کی اجازت نہ ملی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفل بن معاویہ ویوی سے مشورہ کیا اور دریافت فرمایا۔ تمہارا کیا خیال ہے؟

انہوں نے عرض کیا، لومڑی بھٹ میں گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑنی جائے گی اور اگر چھوڑ دی گئی تو بھی نقصان نہیں دے سکتی۔

چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر بن خطاب کو حکم دیا کہ لوگوں کو کوچ کرنے کی اجازت سنا دی جائے۔ اس سے لوگوں کو کوفت ہوئی، کہنے لگے، طائف فتح تو ہوا نہیں اور ہم واپس چلے جائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اچھا، کل جنگ کرو۔ صبح ہوئی تو مسلمان گھائل ہوئے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم کل انشاء اللہ واپس جائیں گے۔ اس سے لوگ خوش ہوئے، اور انہیں یقین ہو گیا، چنانچہ انہوں نے سفر کی تیاری شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے لگے۔

اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے | جب سفر کا آغاز ہوا تو آپ نے فرمایا یوں کہو: اے نبیون قائبون عابدون

لربنا حامدون، لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے۔

عرض کیا گیا، اے اللہ کے رسول ثقیف پہ بددعا فرمائیے، آپ نے فرمایا: اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور انہیں (مطیع کر کے) حاضر کر

محاصرہ طائف میں ایک جماعت شہید ہو گئی اس کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جسرانہ کی طرف تشریف لے گئے۔ اور اس مقام سے عمرے کا احرام باندھ کر (مکہ) میں داخل ہوئے اور عمرہ ادا کیا، اس کے بعد آپ مدینہ تشریف لے آئے

رسول اللہ کی مدینہ منورہ واپسی | ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں تبوک کے بعد مدینہ منورہ

تشریف لائے اور اسی ماہ ثقیف کا وفد بھی حاضر ہوا۔ یہ واقعہ یوں ہے کہ نبی صلی اللہ

علیہ وسلم جب واپس ہوئے تو آپ کے پیچھے عروۃ بن مسعود حاضر ہوئے یہاں تک کہ مدینہ پہنچنے سے قبل آپ سے اٹلے اور اسلام قبول کر لیا اور حالتِ اسلام میں اپنی قوم کی طرف جانے کی اجازت چاہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جیسا کہ تمہاری قوم سے اندیشہ ہے کہ وہ تم سے جنگ کرے گی، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ ان لوگوں میں نخوت اور غرور ہے جس کی وجہ سے وہ قبولِ اسلام سے رک رہے ہیں۔

عروۃ بن مسعود کی قبولِ اسلام کے بعد شہادت کے عروۃ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول :-

میں ان کے نزدیک ان کی کنواریوں سے بھی زیادہ محبوب ہوں، اور واقعی وہ ان میں ایسے ہی محبوب اور مطاع تھے، چنانچہ اپنی قوم کو اس امید پر اسلام کی دعوت دینے کے لئے چلے کہ وہ ان کے مرتبہ کے باعث مخالفت نہ کرے گی۔ لیکن اس قدر و منزلت کے باوجود جب انہوں نے اسلام کی دعوت دی اور اظہارِ اسلام کیا تو ہر جانب سے تیر بے سنے لگے۔ چنانچہ ایک تیر ایسا لگا کہ شہید ہو گئے، نزع کے وقت پوچھا گیا کہ اپنے خون کے متعلق کیا خیال ہے؟ کہنے لگے :- اللہ تعالیٰ نے مجھے اعزاز و اکرام بخشا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے شہادت سے نوازا ہے اس لئے مجھ میں اور ان شہدا میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شہید ہوئے۔ کچھ فرق نہیں اس لئے مجھے ان کے ساتھ ہی دفن کرنا۔

رسول اللہ نے ان کے متعلق فرمایا، ان کی مثال اپنی قوم میں اس طرح ہے کہ جیسے صاحبِ لیس کی قوم میں تھی۔ عروۃ کی شہادت کے کئی ماہ بعد تک ثقیف کے رہے۔ پھر انہوں نے آپس میں مشورہ کیا اور سمجھ لیا کہ ہر چہاں طرف سے عربوں سے لڑنا ہمارے بس کی بات نہیں (کیونکہ) انہوں نے بیعت کر لی ہے۔ اور اسلام قبول کر چکے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس بات پر اجتماع کر لیا کہ عروہ کی طرح

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کوئی آدمی بھیجیں۔ انہوں نے عبد یالیل بن عمرو بن عمیر سے بات کی۔ یہ عروہ بن مسعود کا ہم عمر تھا۔ اس نے یہ کام کرنے سے انکار کر دیا۔ اور خطرہ محسوس کیا کہ کہیں اس کے ساتھ بھی عروہ کی طرح معاملہ نہ ہو، یہ کہنے لگا جب تک تم میرے مزید آدمی نہ بھیجو تب تک میں یہ کام نہیں کروں گا، اس پر انہوں نے اہلاف کے دو آدمی اور بنی مالک کے تین آدمی کر دیئے۔ یہ چھ آدمی تھے جنہیں بھیجا گیا، چنانچہ انہوں نے حکم بن عمر بن دہب اور شرجیل بن غیان کو اور بنی مالک میں عثمان بن ابی العاص اور اس بن عوف اور ہز بن خمر شتہ کو بھیجا۔ یہ لن کے ہمراہ نکلے اور جب مدینہ کے قریب پہنچے، ایک ہنر کے قریب اترے یہاں مغیرہ بن شعبہ ملے (حضرت مغیرہ انہیں دیکھ کر) تیزی کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آگئے تاکہ آپ ثقیف کے حاضر ہونے کی اطلاع کریں۔ انہیں (راستے میں) ابو بکرؓ ملے، انہوں نے فرمایا:۔ میں تجھے اللہ کی قسم دیتا ہوں کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مجھ سے پہلے نہ جانا کہ میں آپ کو یہ خوشخبری سناؤں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ آخر ابو بکرؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور (ثقیف کے وفد) کی آمد کی اطلاع دی، جب یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ تو ان کے لئے مسجد کے صحن میں ایک طرف خیمہ لگا دیا گیا اور خالد بن سعد بن عاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ثقیف کے وفد کے درمیان پیغام رسانی کا کام کرتے رہے یہاں تک کہ انہوں نے ایک عہد نامہ لکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بھیجا کھانا وہ اس وقت تک نہ کھاتے جب تک خالد اس میں سے نہ کھا لیتے۔

بنو ثقیف کا قبول اسلام | آخر کار وہ مسلمان ہو گئے اور عہد نامہ کے وقت انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست

کی، کہ ان کا بت طاغیہ جسے لات کہتے ہیں۔ تین سال تک کے لئے رہنے دیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا۔ پھر ایک ایک سال تک گھٹتے رہے یہاں

تک کہ ایک ماہ کی مہلت مانگی لیکن آپ نے قطعی طور پر ایک لمحہ کے لئے بھی انکار کر دیا، طاغیہ (لات) کو چھوڑ دینے کے علاوہ وہ نماز کی معافی بھی چاہتے تھے اور چاہتے تھے کہ انہیں اپنے ہاتھوں سے بت نہ توڑنے پڑیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

رہا بتوں کا تمہارے ہاتھوں سے توڑنا اس سے ہم تمہیں معاف کر دیں گے۔ لیکن نماز تو جس دین میں نماز نہیں اس میں کچھ بھی بھلائی نہیں۔

جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک مکتوب لکھ دیا اور حضرت عثمان بن ابی عاص کو ان پر امیر مقرر فرما دیا، یہ نو عمر تھے، اسی وجہ سے انہیں امیر بنایا گیا۔ کہ اسلام اور قرآن سیکھنے میں سب سے زیادہ خواہش مند تھے، جب یہ اس کام سے فارغ ہوئے اور انہوں نے اپنے علاقے کی طرف واپسی کا ارادہ کیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہمراہ ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو طاغیہ (لات) کے توڑنے کے لئے بھیجا۔ یہ دونوں قوم کے ساتھ نکلے، یہاں تک کہ طائف پہنچ گئے۔ (یہاں پہنچ کر) جب ابوسفیان بن اور مغیرہ نے لات پر کھار ابرسانا شروع کیا تو ثقیف کی عورتیں روتی چلاتی نکلیں اور توتباہ ہو توتباہ ہو کہہ رہی تھیں۔

جب مغیرہ نے اسے گرا دیا اور اس کا تمام مال اور زیورات لے لئے تو یہ تمام سونا چاندی اور ہار وغیرہ ابوسفیان کی طرف بھیج دیا۔

غزوة طائف سے متعلق

چند اہم ترین اور معرکہ آرا فقہی مسائل

اس واقعہ میں فقہی مسائل یہ ہیں کہ اشہر حرم میں قتال جائز ہے اور اس کی تحریم منسوخ ہو چکی ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکہ کی طرف رمضان کے اٹھارہ دن گزرنے کے بعد آخری حصہ میں تشریف لے گئے اس کی دلیل مسند احمد کی حدیث ہے مکہ میں اسماعیل نے بتایا انہیں خالد حذاء سے انہیں ابو قلابہ سے انہیں ابو اشعث سے انہیں شداد بن اوس سے روایت پہنچی کہ فتح کے موقع پر وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو بقیع میں سنگیال لگوا رہا تھا۔ اور یہ رمضان کی اٹھارہویں شب تھی اور آپ میرا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا:-

سنگیال لگانے اور لگوانے والے ہر دو کا افطار ہو گیا۔

نیز اس سے اس بات کا جواز بھی نکلتا ہے کہ انسان اپنی بیوی کے ہمراہ جنگ میں جا سکتا ہے۔ کیونکہ اس غزوة میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج مطہرات ام سلمہؓ اور حضرت زینبؓ ہمراہ تھیں۔

لڑائی میں کفار پر پتھر برسائے جا سکتے ہیں | نیز کفار کے مقابلہ میں ان پر پتھر برسانے کے لئے منجبتی لگانے

کا جواز بھی ثابت ہے اور عورتوں بچوں کو قتل نہ کرنا جو جنگ میں شریک نہ ہوں۔ نیز اس میں کفار کے درختوں کے کاٹنے کا جواز بھی پایا جاتا ہے، جب یہ یقین ہو جائے کہ اس سے انہیں ضعف پہنچے گا اور انہیں غصہ آئے اور اس سے انہیں خوب ضرر پہنچے گا۔

مشرک کا بھاگا ہوا غلام آزاد نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر مشرکین کے قبضہ سے غلام بھاگ کر مسلمانوں سے آئے

تو وہ آزاد ہوگا۔ سعید بن منصور فرماتے ہیں کہ ہمیں یزید بن ہارون سے انہیں حجاج سے انہیں ابن عباس سے روایت پہنچی۔ انہوں نے بتایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسے غلام آزاد کر دیتے تھے جو اپنے کافر آقاؤں کے پاس سے بھاگ آتے تھے

امام حسب مصلحت محاصرہ اٹھا سکتا ہے نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام جب کسی قلعے کا محاصرہ

کرے اور وہ فتح نہ ہو اور وہاں سے کوچ کرنے میں مسلمانوں کی مصلحت معتبر ہو تو وہیں پڑا رہنا ضروری نہیں۔ محاصرہ اٹھالینا جائز ہے۔ ہاں اگر مصلحت اہل اسلام محاصرے میں ہو تو محاصرہ جاری رکھنا واجب ہے۔

عمرہ کے لئے جعرانہ سے احرام باندھنا اس میں اس کا تذکرہ بھی آگیا کہ آپ نے عمرہ کے لئے جعرانہ کے مقام سے احرام

باندھا۔ اس وقت آپ مکہ کی طرف تشریف لادے تھے اور طائف کی جانب سے جو آدمی مکہ میں داخل ہونا چاہے اس کے لئے ہی سنت ہے وہ طریقہ جو اکثر جہلاً کرتے ہیں کہ مکہ سے جعرانہ کی طرف جاتے ہیں تاکہ وہاں جا کر عمرے کا احرام باندھیں پھر وہاں سے مکہ کی طرف واپس آئیں۔ یہ کام نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابیؓ نے کیا اور نہ اہل علم میں سے کسی نے اس کو مستحب سمجھا بلکہ اسے عوام ہی کرتے ہیں اور اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء خیال کرتے ہیں حالانکہ انہیں غلط فہمی ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں سے مکہ تشریف

لاتے وقت احرام باندھا تھا نہ کہ یوں ہو کہ آپ مکہ سے جعرانہ احرام باندھنے کے لئے گئے ہوں۔ آج کا طریق اور ہے اور آپ کی سنت کا معاملہ اور ہے اور اللہ ہی کی جانب سے توفیق ہوتی ہے۔

بد اعمالوں کے لئے دعائے خیر کی جاسکتی ہے :- اللہ تعالیٰ نے ثقیف کے حق میں نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی دعا قبول فرمائی کہ (اے اللہ) انہیں ہدایت دے اور (انہیں مطیع) بنا کر میرے پاس لا، حالانکہ انہوں نے آپ سے جنگ و قتال کیا تھا، اور آپ کے صحابہؓ کی ایک جماعت کو شہید کر دیا تھا اور آپ کے ایک قاصد کو (عروہ) بھی شہید کر دیا تھا جو انہیں اللہ کی طرف بلا رہے تھے۔ ان تمام (بد اعمالیوں) کے باوجود آپ نے ان کے لئے دعا فرمائی اور بددعا نہ کی۔ یہ چیز آپ کی کمال رحمت، شفقت اور رحمت کا ثبوت ہے، آپ پر اللہ کی (لاکھوں) رحمتیں اور سلام ہوں۔

اپنی نیکی دوسرے کو دی جاسکتی ہے :- اور اسی سے حضرت صدیقؓ کی کمال محبت اور آپ کے تقرب اور مہر امکانی

الفت کی خواہش کا پتہ چلتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے حضرت مغیرہ سے اصرار کیا کہ انہیں کو اس بات کا موقع دیں کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وفد طائف کی آمد کی خوشخبری سنائیں تاکہ وہی آپ کی فرحت و سرور کا سبب بنیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ جائز ہے کہ کوئی اپنے دوسرے بھائی سے درخواست کرے کہ وہ اسے ایک نیکی کما کر تقرب حاصل کر دینے کا موقع دے، کیونکہ ہر آدمی کے لئے یہ چیز جائز ہے، کہ وہ اپنے آپ پر اپنے بھائی کو ترجیح دے اور بعض فقہاء کا یہ قول فصیح نہیں کہ ”نیکیوں میں ایثار کرنا جائز نہیں“ حالانکہ حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب کو اپنے گھر کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جواریہ رحمت میں دفن ہونے کے معاملہ میں اپنے آپ پر ترجیح دے دی، اور حضرت عمرؓ

نے اس کی درخواست کی تو انہیں ناگوار نہ گذری اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان خصالِ حسنہ سے متصف انسان کی نیکیاں اس مخصوص نیکی سے بڑھ جاتی ہیں۔ جس کے متعلق وہ دوسرے بھائی کو ترجیح دے دیتا ہے۔ اس طرح وہ ایک نیکی خرچ کرتا ہے اور کئی نیکیاں حاصل کر لیتا ہے (آپ دیکھئے تو) کہ جب ایک جماعت صحابہؓ کو پیاس محسوس ہوئی اور موت قریب ہو گئی۔ کسی ایک صحابیؓ کے پاس پانی تھا، اس نے دوسرے کو اپنے آپ پر ترجیح دی اور خود موت کے منہ میں چلا گیا۔ یہ جائزہ کام تھا اور کسی نے یوں نہیں کہا کہ اس نے خود کشی کی یا اس نے حرام کام کا ارتکاب کیا۔ بلکہ یہ فعل تو جو دو سخا کی انتہا ہے؛ جسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: **وَبِشْرُونَ اَعْلٰی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ**۔

اور فتوحِ شام کے موقع پر بھی صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ یہی معاملہ پیش آیا تھا اور اسے ان کے خصال و مناقب میں شمار کیا گیا۔

مساکنِ شرک و طاغوت ڈھا دیئے جائیں | اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شرک و طاغوت کی جگہوں کو ایک دن بھی

باقی رکھنا جائز نہیں بشرطیکہ انہیں مٹانے اور ختم کرنے کی استطاعت ہو، کیونکہ یہ جگہیں شرک و کفر کی علامات ہیں جو تمام برائیوں کی جڑ ہے، اس لئے استطاعت ہوتے ہوئے انہیں قائم رہنے دینا ناجائز ہے۔

قبروں کے گنبد اور قبے بتکرے ہیں | اسی طرح قبروں پر گنبد اور قبے کا بھی حکم ہے کہ جنہیں بت بنا لیا گیا ہے۔ اور اللہ کے

علاوہ ان کی پوجا کی جاتی ہے ایسے پتھر جن کی تعظیم کی جاتی ہے۔ نام کی نذر مانی جاتی ہے اسے بوسہ دیتے ہیں، انہیں مٹانے کی قوت ہوتے ہوئے زمین میں ان پر ایک برائی بھی باقی رکھنا ناجائز ہے، اور ان (مزادات) میں سے بیشتر کی حالت لات، عزی اور منات کے برابر ہے بلکہ یہاں تو اس سے بھی زیادہ شرک کی حرکات کا ارتکاب ہوتا ہے۔

اور ان مشرکوں کا یہ اعتقاد نہ تھا کہ یہ بت پیدا کرتے، روزی دیتے مارتے اور زندہ کرتے ہیں بلکہ مشرکین بھی وہی کرتوت کرتے جو کہ آجکل ان کے مشرک بھائی اپنے ہاں صنم کدوں (مزارات) میں کرتے ہیں اس طرح آج (کے مشرکین) بھی اپنے سے پہلے کے (مشرکین) کے نقش قدم پر چل رہے ہیں اور ایک ایک مرحلہ پر انہیں کی اتباع کر رہے ہیں۔ جہالت کے غلبہ اور علم کے خفا کے باعث اکثر لوگوں پر شرک قبضہ کر چکا ہے ان کے نزدیک نیکی بدی بن چکی ہے اور بدی نیکی دکھائی دیتی ہے۔ سنت کو بدعت کو سنت سمجھنے لگے ہیں، یہ بات ہر چھوٹے بڑے میں پیدا ہو چکی ہے، شعائر اسلام غائب ہو چکے۔ غربت اسلام نے شدت اختیار کر لی، علما کم ہو گئے۔ سفہا کا غلبہ ہو گیا اور معاملہ بگڑ چکا۔ تکلیف بڑھ گئی۔ خشکی و تری میں لوگوں کی کرتوتوں کے باعث فساد پیدا ہو گیا لیکن جماعت محمدیہ میں سے ایک جماعت ضرور حق پر قائم رہے گی اور اہل شرک و بدعت کا مقابلہ کرتی رہے گی، تا آنکہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین اور اہل زمین کا وارث بن جائے گا (قیامت قائم ہو جائے گی) اور وہی بہتر وارث ہے مزارات اور صنم کدوں کی تخریب کے بعد ان کا مال ضبط کیا جاسکتا ہے | اس سے

یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام کو حق حاصل ہے کہ وہ ان مزارات اور صنم کدوں کو مٹانے کے بعد ان کا سرمایہ جہاد اور اہل اسلام کے مصالح میں خرچ کرے یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ان صنم کدوں کا تمام مال قبضہ میں کرے اور اسے فوج اور جہاد اور اہل اسلام کے مصالح پر خرچ کرے جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لات کو توڑ کر تمام مال پر قبضہ کر لیا اور ابوسفیان کو دے کر اس کی تالیف قلب فرمائی اور اسی کے ذریعہ عروہ اور اسود کا قرض ادا فرمایا :-

قبروں کے گنبد اور قبے توڑ دیئے جائیں | اسی طرح امام پر واجب ہے کہ قبروں پر بنائے ہوئے گنبدوں اور قبوں کو

مٹا دے جنہیں بت بنا کر رکھ دیا گیا ہے۔ اور اسے اس کی بھی اجازت ہے کہ یہ

مال جنگ میں استعمال کرے یا فروخت کر کے مصالح اہل اسلام پر خرچ کرے۔ یہی حال ان کے وقف کا ہے کہ (ان مزارات) کا وقف باطل ہے اور ان کا مال برباد ہے، اسے اہل اسلام کے مقاصد پر خرچ کیا جائے گا۔ وقف تو صرف نیکی اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں ہوتا ہے، اس لئے مزار پر پختہ قبر لا جو بدی کی علامت ہے، کا وقف جائز نہیں کہ اس پر قبہ بنایا جائے اور اس کے متعلق تعظیم اور نذر وغیرہ کے رسوم ادا کئے جائیں اور ان کا حج کیا جائے اور اللہ کے سوا ان کی عبادت کی جائے، لوگوں نے انہیں صنم بنا رکھا ہے اور آئمہ سلام اور ان کے اتباع میں سے کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔

وادئ مرچ | اس میں ایک وادی مرچ کا ذکر ہوا ہے۔ یہ طائف میں ایک وادی ہے اور حرم ہے اس میں درخت کاٹنا اور شکار کھیلنا حرام ہے۔

اس میں فقہاء اور جمہور کا اختلاف ہے، ان کا فرمان ہے کہ مکہ اور مدینہ کے علاوہ کہیں بھی حرم نہیں۔ البتہ ابو حنیفہ نے مدینہ کے حرم ہونے میں اختلاف کیا ہے۔

اور امام شافعی کے دو اقوال میں سے ایک قول یہ ہے کہ وادی مرچ حرم ہے اس میں شکار کرنا اور درخت کاٹنا حرام ہے۔

وصولی صدقات کا انتظام | جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں سے داخل ہوئے، آپ ﷺ کو داخل ہوئے تو

آپ نے اعراب سے صدقات وصول کرنے کے لئے بعض مصدق (صدقہ وصول کرنے والے) بھیجے، ابن سعد کہتے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مصدقین بھیجے، کہتے ہیں۔ کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ﷺ کو محرم کا چاند دیکھا تو آپ نے عربوں سے صدقات لینے کے لئے مصدقین بھیجے۔ چنانچہ آپ نے عیینہ بن حصن کو بنو تمیم کی طرف یزید بن حصین کو اسلم اور غفار کے قبائل کی طرف، عباد بنہ بنی بشیر اشہلی کو سلیم اور مزینہ کی طرف رافع بن مکین

کو چہنئیہ کی طرف ، عمرو بن العاص کو بن فزارہ کی طرف ضحاک بن سفیان کو بن کلاب کی طرف ، بشیر بن سفیان کو بنی کعب کی طرف اور ابن لقیطہؓ ازوی کو بنی زبیان کی طرف بھیجا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے محصلین (صدقہ وصول کرنے والوں کو حکم دیا کہ معمولی مال ان سے لیں اور اچھا مال لینے سے پرہیز کریں۔

۹۔ سرایا اور بعثات

عنبیہ بن حصین شراذمی کا سر یہ جو نبی تمیم کے خلاف تھا، وہ ذکر ہو چکا ہے۔ یہ حرم میں ہوا، اس سال آپ نے پچاس سواروں کا ایک سر یہ ان کی طرف بھیجا جس میں ہاجرہ بن اور انصار میں سے کوئی نہ تھا۔ یہ لوگ رات کو چلتے اور دن کو چھپتے، آخر صحرا میں انہوں نے دشمن پر اچانک حملہ کیا اور ان کے مویشی آگے، جب کثیر تعداد میں دشمن مقابلہ میں آیا۔ تو آکر ان میں سے گیارہ مرد، اکیس عورتیں اور تیس بچے گرفتار کر لائے اور انہیں لے کر مدینہ پہنچے اور انہیں رحلتہ بنت حمرث کے گھر میں اتارا گیا۔ چنانچہ ان کے بڑے بڑے سردار عطار و بن حاجب، زبیرقان بن بدر، قیس بن عاصم، افرع بن حابس، قیس بن حمرث، نعیم بن سعد، عمرو بن اہتم اور رباح بن حمرث حاضر ہوئے جب انہوں نے اپنے ہی قبیلے کی عورتوں اور بچوں کو گرفتار دیکھا تو ہست روئے اور جلدی سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضر ہوئے اور آواز دی اے محمدؐ باہر آئیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔

حضرت بلالؓ نے نماز کی اقامت کہہ دی، یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے گویا چپک گئے اور باتیں کرتے رہے، آپ ان کے پاس ٹھہرے رہے، پھر تشریف لا کر ظہر کی نماز پڑھائی، اس کے بعد مسجد کے صحن میں بیٹھ گئے، عطار و بن حاجب آگے بڑھا، اس نے گفتگو شروع کی اور نثر میں خطاب کیا۔

آپ نے ثابت بن قیس بن شماسی کو جواب دینے کا حکم دیا۔ انھوں نے خوب جواب دیا، انہیں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ان الذین ینادونک من وراء الحجرات اکثرهم لا یعقلون ولو انهم صبروا حتی تخرج الیهم لکان خیر الیهم واللہ غفور رحیم؛

نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے گرفتار شدگان اور غلام واپس کر دے۔ پھر نبی تمیم کا شاعر بہتان کھڑا ہوا اور اپنی قوم کے مفاخر میں ایک نظم پڑھی، اس کے جواب میں شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت کھڑے ہوئے اور اس کی نظم کافی البدیہہ جواب دیا اور حق ادا کر دیا۔

جب حضرت حسان فارغ ہوئے تو اقرع بن حابس کہنے لگا: بے شک آدمی جس کے پاس ہم حاضر ہوئے ہیں، اس کا خطیب ہم سے زیادہ (فصح) خطیب ہے اور اس کا شاعر ہم سے زیادہ اچھا شاعر ہے اور ان کی آوازیں ہماری آوازوں سے بلند ہیں پھر یہ لوگ اسلام لائے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں انعام عطا فرمایا اور انعامات میں خوب خوب عطیات مرحمت فرمائے۔

وفد بنو تمیم اور شاعر رسول^ص ابن اسحاق بتاتے ہیں، جب بنو تمیم کا وفد آیا اور مسجد میں داخل ہوا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی، کہ اے

محمد ہماری طرف آؤ،

تو ان کی واویلا کے باعث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوئی، آپ ان کی طرف نکلے، یہ لوگ کہنے لگے۔

ہم آپ کے پاس شاعر اور خطیب کے ذریعہ مفاخرت کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے ہیں، آپ نے ان کا مقابلے کا چیلنج قبول کر لیا، چنانچہ عطار و بن حاجب کھڑا ہوا اور اس نے نثر میں خطاب کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس بن شماسی کو اس کے جواب دینے کا حکم دیا، وہ کھڑے ہوئے اور جواب دیا اور جواب دینے کا حق ادا کر دیا۔ پھر جانبین کے شعرا کا مقابلہ ہوا۔ آخر کار اقرع بن حابس نے اپنی شکست کا اقرار کیا اور وہ لوگ مسلمان ہوئے اور انعامات حاصل کئے۔

قطبہ بن عامر بن حدید کا خشم کی طرف سر

یہ ۹ھ میں صفر میں وقوع پذیر ہوا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قطبہ بن عامر کو بیس آدمیوں کو خشم کو قبالہ کی جانب ایک قبیلے کی طرف بھیجا اور اغارت کا حکم دیا۔ یہ لوگ دس اونٹوں پر سوار ہو کر گئے۔ انھوں نے ایک آدمی کو پکڑا اور اس سے حالات معلوم کرنے کی کوشش کی، وہ خاموش ہو گیا، پھر وہ چھینے لگا، اور بستی والوں کو آگاہ کرنے لگا، انھوں نے اس کی گردن کاٹ دی، پھر وہیں ٹھہرے رہے، یہاں تک کہ بستی والے سو گئے۔ پھر انھوں نے بستی پر غارت گری کی، اور سخت ترین جنگ ہوئی، یہاں تک کہ دونوں جانب کافی لوگ زخمی ہوئے اور قطبہ بن عامر دوسروں کے ساتھ قتل ہوا۔

مسلمان۔ چوپائے، عورتیں اور بکریاں لے کر مدینہ واپس لائے۔ اس قصہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ دشمن جمع ہو گئے، اور ان کے پیچھے بھاگے مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلے میں سیلاب بھیجا اور ان کے اور مسلمانوں کے درمیان سیلاب حائل ہو گیا۔ چنانچہ مسلمان بکری۔ چوپائے اور گرفتار شدگان کو لے کر جا رہے تھے اور وہ (سیلاب کے باعث) کھڑے بے بس دیکھ رہے تھے اور اسے عبور کرنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ مسلمان نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

بنو کلاب کے خلاف ضحاک بن سفیان کا سر یہ

ضحاک بن سفیان کلابی کا سر یہ جو کہ بنو کلاب کے خلاف ۹ھ ربیع الاول میں واقع ہوا، کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو کلاب کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ ضحاک بن سفیان بن عوف طائی اور اصید بن سلمہ ان کے ہمراہ تھے اصید کا والد پہلے اسلام لے آیا لیکن پھر اسلام کو گالی دی، مختصر سے مقابلے کے بعد اصید نے اسے قتل کر دیا، اس کے بیٹے کو قتل نہ کیا۔

حبشہ کی طرف علقمہ بن محرز مدنی کا سفر یہ

یہ سفر کے ربیع الآخر میں واقع ہوا۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی کہ اہل جدہ بعض اہل حبشہ کی طرف امید سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ نے حضرت علقمہ بن محرز کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ بھیجا۔ یہ ایک جزیرہ میں پہنچے۔ چنانچہ وہ لوگ واپس بھاگ گئے۔ واپسی پر بعض لوگوں نے جلدی سے اپنے گھر واپس آنا چاہا۔ انھوں نے ان کو اجازت دے دی۔

عبداللہ بن حذافہ سہمی نے بھی جلدی سے آنا چاہا۔ انہیں بھی اجازت دے دی ان کا آپس میں مزاج بھی چل رہا تھا، چنانچہ جب یہ کسی جگہ اترے اور انھوں نے آگ جلائی جیسے سینکنے لگے تو انھوں نے کہا:

میں نے ارادہ کیا ہے کہ کیا تم آگ میں کود پڑو؟
چنانچہ کچھ لوگ اٹھے اور تیار ہو گئے، یہاں تک کہ انھیں یقین ہو گیا واقعی یہ کود جائیں گے۔

اس پر علقمہ کہنے لگے، میں تو تم لوگوں سے مذاق کر رہا تھا۔
واپسی پر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا جو گناہ کا حکم دے اس کی اطاعت مت کرو۔

بنی طے کے بتوں کو توڑنے کے لئے

حضرت علیؓ بن ابی طالب کی سرکردگی میں ایک سریہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ڈیڑھ سو انصار کے ہمراہ ایک سو اونٹوں اور چھپاس گھوڑوں پر بھیجا، ان کے پاس ایک سفید اور ایک سیاہ جھنڈا تھا۔ یہ لوگ قیس تک گئے جو طے قبیلہ کا بت تھا۔ تاکہ اسے گرا دیں، چنانچہ انہوں نے فجر کے وقت حاتم کے محلہ پر چھاپا مارا اور اسے مٹا دیا اور چوپائے بکریاں اور قیدی جوان کے ہاتھ لگے، نیز عدی بن حاتم کی بہن بھی گرفتار کر لی گئی۔ خود عدی شام کی طرف بھاگ گیا۔ ان کے گھر سے تین تلواریں، تین زرہیں ملیں، ابو قتادہؓ کو قیدیوں کا محافظ مقرر کر دیا گیا۔ اور چوپائوں اور غلاموں پر عبداللہ بن عتیک کو نگہبان بنا دیا گیا۔ راستہ میں ہی غنائم تقسیم کر دئے گئے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ (صفی) الگ کر لیا گیا۔ اور آل حاتم پر جب تک کہ وہ مدینہ حاضر نہیں ہوئے، کچھ تقسیم نہ کیا گیا۔

عدی بن حاتم کی رسول اللہ سے نفرت | ابن اسحاقؒ بتاتے ہیں کہ عدی بن حاتم نے کہا۔ عربوں میں اس قدر کوئی بھی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متنفر نہ تھا، جو نبی میں نے آپ کے متعلق سنا میں ایک شریف نصرانی آدمی تھا اور اپنی قوم میں مربع میں رہا کرتا تھا۔ اپنے خیال کے مطابق میں ایک صحیح دین پر تھا اور اپنی قوم کا سردار بھی تھا۔ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کے متعلق سنا تو مجھے متنفر ہو گیا، اور میں نے اپنے ایک عربی غلام سے کہا جو میرے اونٹوں کا چرواہا تھا کہ تیرا باپ نہ ہو، میرے اونٹوں کو موٹا تازہ بنانے اور انہیں میرے قریب ہی رکھ جب تو سنے کہ محمد کے عسا کہ طے کے علاقہ کو روند رہے ہیں تو مجھے اطلاع دینا۔

اس نے ایسا ہی کیا، ایک صبح میرے پاس آیا اور کہنے لگا اسے عدی جب محمد کے عسا کہ گھیر لیں گے۔ تو پھر تم کیا کرو گے؟ اب موقع ہے کچھ کر لو، کیونکہ میں نے جھنڈے دیکھے ہیں میں نے ان کے متعلق پوچھا تو جواب ملا کہ یہ محمد کا لشکر ہے۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا۔ میرے اونٹ جلدی لاؤ۔ وہ اونٹوں کو لے آیا۔ میں نے اپنے اہل و عیال کو ان پر سوار کیا اور کہا:-

میں شام میں اپنے نصرانی بھائیوں کے پاس جا رہا ہوں۔
حاتم کی ایک لڑکی کو میں شہر میں ہی چھوڑ گیا۔

جب میں شام آیا اور یہاں اقامت پذیر ہو گیا تو میرے پیچھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عسا کہ آئے اور حاتم کی لڑکی کو دیگر گرفتار شدگان کے ساتھ لے گئے اور طے کے قیدیوں کے ساتھ اسے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے متعلق شام کی طرف فرار ہونے کی خبر مل چکی تھی۔

حاتم کی لڑکی پر آپ کا رحم و کرم | آپ (حاتم کی لڑکی) کے پاس سے گزرے، اس نے عرض کیا اے اللہ کے رسولؐ، قاصد (سہارا)

گم ہو گیا۔ والد مر گیا اور میں ایک بڑھیا عورت ہوں کوئی خادم نہیں، اس لئے اللہ کے فضل سے مجھ پر احسان فرمائیے۔

آپ نے دریافت فرمایا، تیرا سر پرست کون ہے؟
کہنے لگی، عدی بن حاتم

آپ نے فرمایا، وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے فرار ہو گیا ہے۔

اس نے عرض کیا۔ مجھ پر احسان کیجئے، جب آپ واپس ہوئے، اس وقت آپ

کے ہمراہ حضرت علیؑ تھے، انھوں نے مشورہ دیا، آپ سے سواری مانگی، کہتی ہے کہ میں نے سواری کی درخواست کی، آپ نے سواری عطا فرمادی اور (عدی) کو حاضر کرنے کا حکم دیا۔

(عدی) کہتے ہیں کہ آخر میری بہن میرے پاس آئی اور کہنے لگی تو نے وہ کام کیا ہے جو تیرے باپ نے نہ کیا تھا (آپ) کے پاس رغبت سے یا ڈر سے حاضر ہو کیونکہ آپ کے پاس فلاں حاضر ہوا۔ تو اسے انعام ملا۔ فلاں حاضر ہوا۔ اسے بھی انعام ملا۔

عدی بن حاتم خدمت نبوی میں | عدی بتاتے ہیں کہ میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔

لوگ کہتے ہیں یہ عدی بن حاتم ہے۔ اور میں بغیر کسی امان اور تحریر کے حاضر ہو گیا تھا۔ جب اس نے مجھے آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور اس سے قبل میں یہ کہا کرتا تھا کہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا، آخر آپ اپنے گھر میں تشریف لائے، ایک بچی نے (سادہ وگدا) بچھایا آپ اس پر بیٹھ گئے اور میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔

آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا، تجھے کس چیز نے بھگایا؟ کیا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے لا الہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) کیا تو اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اللہ (معبود مانتا ہے)؟

میں نے کہا: نہیں! پھر آپ نے کچھ دیر باتیں کیں، پھر فرمایا تو اس کلمہ سے بھاگتا ہے کہ ”اللہ اکبر“ (اللہ سب بڑا ہے) کیا تیرے نزدیک اللہ سے کوئی بڑا ہے؟ میں نے جواب دیا نہیں!

پھر آپ نے فرمایا، یہود پر اللہ کا غضب ہے اور نصاریٰ گمراہ ہو چکے ہیں میں نے کہا میں حنیف مسلم ہوں۔

عدی کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ فرحت سے کھل گیا۔ آپ نے مجھے حکم دیا۔ تو میں ایک انصاریؓ کے پاس ٹھہرا اور دن میں دو بار حاضر ہوتا رہا۔ اس اثنا

میں آپ کے پاس ایک جماعت حاضر ہوئی، جس نے روٹی کے کپڑے پہن رکھے تھے (افلاسی کے سبب سے) (عدی) کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور کھڑے ہوئے اور ان پر صدقہ کرنے کی ترغیب دی، پھر فرمایا۔

اے لوگو! اپنی دولت میں سے کچھ خرچ کرو۔ اگر چہ ایک صاع ہو، نصف صاع ہو، ایک مٹھی ہو یا مٹھی کا کچھ حصہ ہو جس کے ذریعے تم جہنم کی گرمی یا آگ سے اپنے چہرے کو بچاؤ گے۔

اگر چہ ایک کھجور ہو یا کھجور کا ایک ٹکڑا ہو۔ اگر یہ بھی نہ ملے تو بیٹھے بول ہی سے سہی، جب تم میں سے کوئی اللہ سے ملے اور ملنے والوں کہے، کیا میں نے تجھے مال اور اولاد نہ دی تھی؟

وہ کہے گا، ہاں!

وہ پوچھے گا اپنے لئے تو نے کیا آگے بھیجا؟

تو وہ اپنے سامنے پھینچے، دائیں بائیں دیکھے گا اور جہنم کی گرمی سے اپنے چہرے کو بچانے کے لئے کچھ نہ پائے گا۔

اس لئے تمہیں چاہئے کہ اپنے چہرے کو دوزخ کی حرارت سے بچاؤ، اگر چہ کھجور کے ٹکڑے سے ہی ہو سکے، اگر یہ بھی نہ ملے تو بیٹھے بول سے کیونکہ مجھے تم پر افلاس اور فاقہ کے باعث سے کچھ خطرہ نہیں، اللہ تعالیٰ دور کرنے والا ہے اور عطا کرنے والا ہے یہاں تک کہ یثرب اور حیرہ کے درمیان ایک عورت گذرے گی اور اسے کہیں بھی چوروں کا خوف محسوس نہ ہوگا۔

عدی کہتے ہیں کہ میں اپنے دل میں سوچ رہا تھا کہ اُس وقت طے قبیلہ کے چور کہاں جائیں گے۔؟

واقعہ کعب بن زہیر

ایک دشمن اور باغی سے رسول اللہ کا عفو و درگزر

یہ واقعہ طائف سے واپسی اور غزوہ تبوک کے درمیان ہوا۔ ابن اسحاق بتاتے ہیں کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے واپس تشریف لائے تو بجیر بن نہیر نے اپنے بھائی سعد کو خط لکھا اور اطلاع دی، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں ایسے آدمیوں کو قتل کر دیا ہے جو کہ آپ کی ہجو کرتے اور ایذا دیتے تھے اور شعرائے قریش میں سے جو باقی ہیں۔ یعنی ابن زبیری اور بہیرہ بن ابی وہب وہ اس طرح فرار ہوئے کہ ان کا کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔ اس لئے اگر تیرے دل میں کچھ لگاؤ ہو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو جا۔ کیونکہ جو بھی آپ کے پاس تائب ہو کر مسلمان ہو کر حاضر ہوتا ہے۔ آپ اسے قتل نہیں کرتے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو اپنا انتظام کر لے۔

اس نے حاضر ہونے سے انکار کر دیا اور جواب میں چند اشعار لکھ بھیجے۔ پھر بجیر بن نہیر کے کعب کو خط لکھا اور اشعار میں اسے اسلام کی دعوت دی اور یقین دلایا کہ اگر اسلام قبول نہ کیا تو ایک دن ایسا آئے گا کہ تم نجات نہ پاسکو گے۔ کعب کو جب یہ خط ملا تو اس پر زمین تنگ ہو گئی اور اسے اپنے متعلق خطرہ ہوا اور کہنے لگا مجھے قتل کر دیا جائے گا۔

جب کچھ چارہ کار نظر نہ آیا تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا اور اپنے خوف و ہراس، اپنے دشمن کی طرف سے چغلی کا ذکر کیا۔ اس کے بعد وہ مدینے حاضر ہوا اور جہینہ کے ایک آدمی کے پاس ٹھہرا، جس سے پہلے ہی سے مراد تھی صبح کو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز صبح ادا کی تو اس نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ یہ رسول اللہ ہیں، اٹھ اور ان سے امان کی درخواست کر۔

مجھے بتایا گیا، کہ وہ اٹھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جا کر بیٹھ گیا۔ اور اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ پر رکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پہچانتے نہ تھے اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر آپ سے امان کی درخواست کرنے حاضر ہونا چاہتا ہے جو تائب اور مسلمان ہو کر حاضر ہے اور عرض کیا، اگر میں اسے آپ کی خدمت میں لے آؤں تو آپ اس کی درخواست قبول فرمائیں گے۔

دشمن کو معاف کر دینے کا وعدہ | رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہاں! اس نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں کعب بن زہیر ہوں۔ ابن اسحاق فرماتے ہیں کہ مجھے عاصم بن عمر بن قتادہ نے بتایا کہ انصار میں سے ایک صحابی اچھل کر اٹھے اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول مجھے اجازت دیجئے۔ میں اللہ کے اس دشمن کی گردن مار دوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسے رہنے دے، وہ تائب ہو کر حاضر ہوا ہے۔

راوی کہتے ہیں اس پر انصار کے اس قبیلہ پر کعب کو غصہ آیا۔ اس وجہ سے کہ مہاجرین نے بھلائی کے سوا کچھ بات نہ کی۔ اس نے اس موقع پر قصیدہ لایا پڑھا۔ جس میں اس نے ابتدا میں اپنی محبوبہ اور اس کی اونٹنی کی تعریف کی اور پھر دربار رسول میں حاضر ہونے کے متعلق پر زور اشعار کہے۔